اھدنا الصراط المستقیم



جستجوئے حق

آنحضرتؐ:

میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی

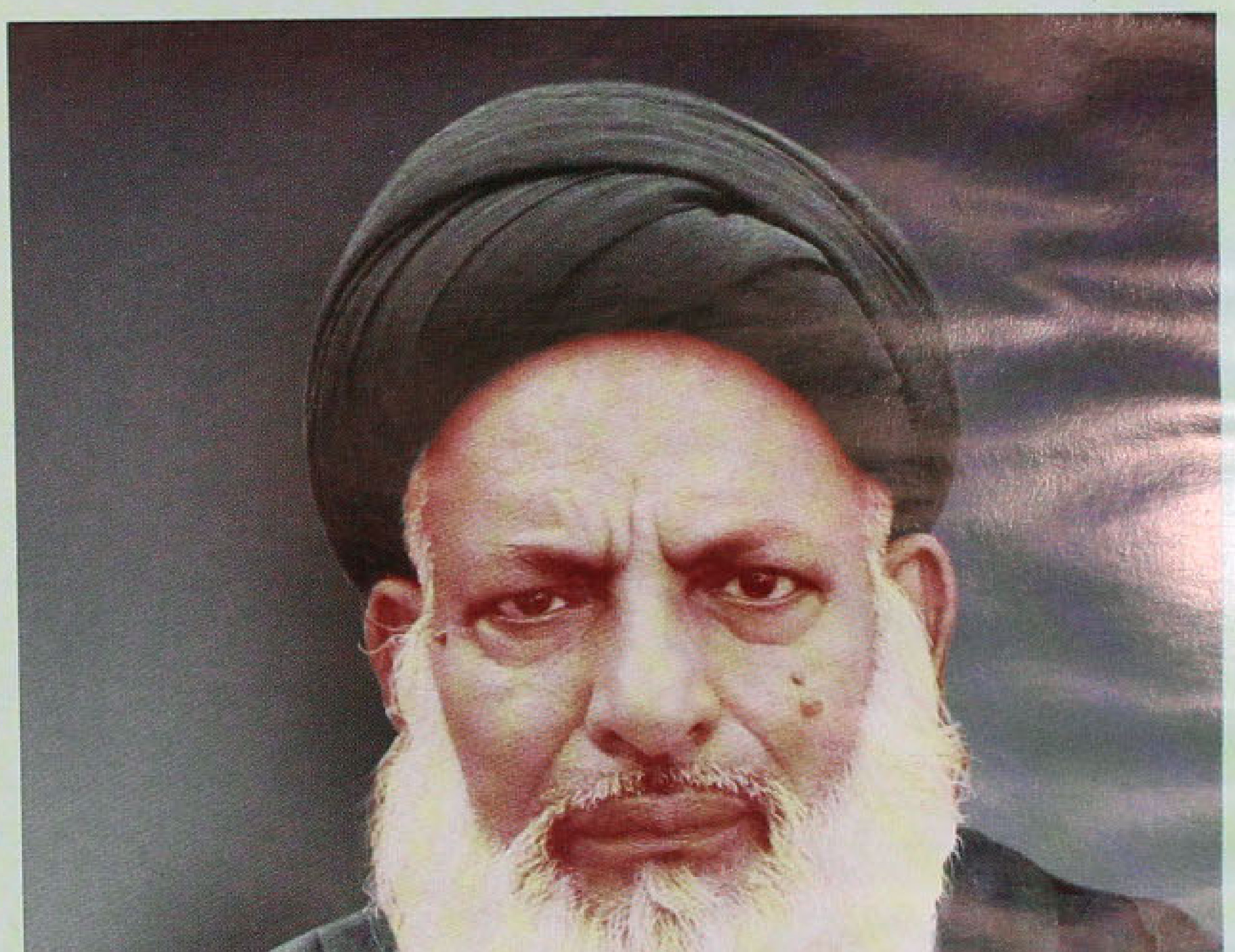
تمام فرقے جہنمی ہوں گے سوائے ایک فرقہ کے

سید درالحسن رضوی

باھوالولی الغفّار ۱۴۰۳ھ

انمایخشی اللہ من عبادہ العلماء (قرآن کریم)

النظر علیٰ وجہ العالم عبادہ (حدیث رسولؐ)



آیۃ اللہ العظمیٰ الحاج مولانا **سید ظفر الحسن** الرضوی طاب ثراہ و نور اللہ مرقدہ

انتساب

وقضیٰ ربک الاتعبدوا الا ایاہ و
باالوالدین احساناً .... وقل
رب ارحمھما کما ربینی صغیرا ☆

تمھارے پروردگار کا حکم محکم ہے کہ تم اسکے سوا کسی اور
کی عبادت نہ کرنا۔ اور ماں باپ کے ساتھ حُسن
سلوک سے پیش آنا.........اور دعا کرتے رہنا کہ
اے پروردگار! ان دونوں پر ویسا ہی رحم کر جیسا انھوں
نے میرے بچپن میں میری پرورش کے وقت کیا تھا۔

والد علام آیۃ اللہ العظمیٰ الحاج مولانا سید **ظفر الحسن** الرضوی نور اللہ مرقدہٗ
(سابق عمید جامعہ جوادیہ بنارس، مصنف انتظار قائم آلِ محمدؑ و بانیٔ ماہنامہ ''الجواد'')

اور والدۂ ماجدہ مدظلہا

کے نام

جن کے تقوائے الٰہی، علمی دینی اور ملی خدمات کے ماسوا طیب وطاہر
آغوش اور تعلیم و تربیت کا ایک معمولی ثمرہ ''**جستجوئے حق**''
کی صورت میں ہدیۂ قارئین ہے۔

نام کتاب	:	"جستجوئے حق"
صفحات	:	۳۸۲
مصنف	:	سید دُر الحسن اختر رضوی
پیش کش	:	ظفر حسین (علیکو انجینئرس)
معاون	:	سید رضوان مہدی عابدی
ناشر	:	الجواد بکڈپو، جوادیہ عربی کالج، وارانسی (انڈیا)
کمپوزنگ	:	وزیر حسن 'چندا' (الخطاط)
طباعت	:	ابو طالب آفسیٹ پریس، سوئیں منڈی، بھدوں، وارانسی
تعداد	:	ایک ہزار (۱۰۰۰)
سنہ شاعت	:	۲۰۰۵ء
قیمت	:	Rs. 100/-

ملنے کے پتے

۱- **الجواد بک ڈپو**، جوادیہ عربی کالج وارانسی-۱

۲- حجۃ الاسلام مولانا ممتاز علی صاحب امامیہ ہال پنچ کوئیاں روڈ، نئی دہلی

۳- اقبال بک سنٹر، مسجد حضرت ولی عصرؑ، مفتی گنج لکھنؤ-۳

۴- عباس بک ایجنسی، درگاہ حضرت عباس، لکھنؤ-۳

۵- حیدری کتب خانہ 14/15 مرزا علی اسٹریٹ امام باڑہ روڈ، ممبئی-9

۶- انصاریان پبلکیشنز، پوسٹ باکس نمبر ۱۸۷-۳۷۱۸۵

قم، جمہوریہ اسلامی ایران

اهدنا الصراط المستقیم

(صراط علی مستقیم)

جستجوئے حق

مصنّف

(انجینئر و مولانا) سید دُرّ الحسن اخترؔ رضوی

(خلف ظفر الملۃ طاب ثراہ)

تشکّر واعتذار

سب سے پہلے میں جناب محترم ظفر حسین صاحب (علیکو انجینئرس) کا شکر گذار ہوں کہ انھوں نے بہت سے ذی علم اور صاحب قلم علماؤ مفکرین کی موجودگی میں اس کام کیلئے حقیر کا انتخاب کیا، جس کی وجہ سے مجھے بے شمار کتابیں پڑھنے کا موقع ہاتھ آیا اور ''جستجوئے حق'' و ''ضمیمہ جستجو'' لکھنے کا شرف حاصل ہوا۔

اپنے دو بزرگوں کے لئے بارگاہ رب العٰلمین میں دُعا گو ہوں کہ بفیض معصومینؑ انکے سایۂ مرحمت کو مدام ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین۔ میرے بڑے بہنوئی فاضل جواد ڈاکٹر الحاج مولانا سید محمد رضا نقوی مدظلۂ (سابق پروفیسر شعبۂ تاریخ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) اور اخی المکرّم حجۃ الاسلام شمیم الملۃ الحاج مولانا سید شمیم الحسن دام ظلہٗ نے اپنی ناقابل بیان عدیم الفرصتی کے باوجود کتاب پر نظر ثانی فرمائی اور جگہ جگہ درستگی اور اضافہ فرما کر کتاب کی افادیت میں حقیقی معنوں میں چار چاند لگائے۔ میں جناب دلدار حسین صاحب (مفتی گنج لکھنؤ) کا شکر گذار ہوں جنھوں نے اپنا قیمتی وقت دے کر میرے بکھرے ہوئے مسودہ کو اپنی خوشخط تحریر سے کتابی شکل دینے میں مدد کی۔ عزیزم رضوان مہدی (بلو) سلمہٗ دُعاؤں کے مستحق ہیں جن کے بھرپور تعاون اور نگرانی میں کتاب کمپوزنگ اور طباعت کی منزلوں سے گذری اور میں آخر میں وزیر حسن 'چندا' (الخطاط) کا بھی بیحد شکر گذار ہوں جنھوں نے اپنے بہت سے قدردانوں کے درمیان مسلسل گھرے رہنے کے باوجود کم وبیش ڈیڑھ سال کی مدت میں کتاب کی کمپوزنگ پروف کی تصحیح اور سرورق کی ڈزائننگ کا کام مکمل کیا، اللہ انھیں جزائے خیر دے۔

آخر میں اپنے اُن بہت سے اعزا واحباب کا بھی شکر گذار ہوں جنھوں نے کتاب کے تکملہ میں دلچسپی لی، دوران تالیف کہیں کہیں سے مسودہ پڑھا یا کتاب کے بارے میں وہ عندالملاقات پوچھتے رہے کہ اب کس منزل میں ہے۔ ان تمام حضرات سے تاخیر کے لئے معذرت خواہ بھی ہوں۔ ربنا تقبل منا............احقر

سید دُر الحسن رضوی عفی عنہٗ

فہرست مضامین

باسمہٖ سبحانہٗ ولہٗ الحمد

گفتار شمیم الملت مدظلہٗ

عمید جامعہ جوادیہ بنارس

ارشاد رب العزت ہے: (۱) اناهديناه السبيل...... (۲) ادع الی سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن (۳) افمن يهدی الی الحق احق ان يتبع ام من لا يهدی الا ان يهدیٰ. ان آیات کریمہ کے ارشارے جستجو اور تلاش حق کے لئے اہل فکر کو راہ مستقیم کی دعوت دے رہے ہیں۔ بلاخوف لومة لائم اظہار حق و اعلان باطل کی جرأت بھی ہادیان دین الٰہی کی سنت وسیرت کی آئینہ دار ہے۔ طعن و تشنیع کے خوف سے نہ تو راہ حق وصداقت سے الگ ہوا جا سکتا ہے اور نہ اظہار حق وحقیقت سے باز رہا جا سکتا ہے۔ جناب تیجانی کی زندگی انھیں باتوں کا ایک زندہ اور عملی نمونہ ہے، کہ جنھوں نے خود راہِ ہدایت حاصل کی اور حکمت کے ساتھ دوسروں کو راہِ ہدایت قبول کرنے کی دعوت دیتے ہوئے درجنوں کتابیں تحریر کیں۔ موصوف نے مذہبِ اہلبیتؑ تقلیدی طور پر نہیں پایا ہے بلکہ اپنی اجتہادی قوت صرف کر کے پورے استفراغِ وسع کے بعد اس مسلک تشیع یعنی مذہب اہلبیتؑ کو اختیار کیا ہے۔ تشیع یعنی شیعہ مسلک عہد انبیاء و عہد رسولؐ اکرم ہی سے قرآن وحدیث نبوی سے ثابت ہے۔ البتہ یہ لقب مرسل اعظمؐ کی زبان وحی ترجمان پر اکثر علیؑ اور اُن کے ماننے والوں کے لئے ہی استعمال ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ ابن جریر طبری کی تفسیر جامع البیان کے تیسویں جز میں مرقوم ہے کہ ''ابن جارود نے محمد بن علی سے بیان کیا کہ رسولؐ خدا نے آیۂ خیر البریہ کے سلسلہ میں فرمایا...... انت یاعلی وشيعتك اس سے (یعنی خیر البریہ سے) اے علیؑ تم اور تمہارے شیعہ مراد ہیں''۔ تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۲۹ پر تحریر ہے آنحضرتؐ نے علیؑ کے بارے میں ارشاد فرمایا ''انت وشيعتك

وموعدی وموعدکم الحوض ۔"اے علیؑ تم اور تمہارے شیعہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں گے۔" پھر اسی کتاب میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "والذی نفسی بیدہ ان ھذا وشیعتہ ھم الفائزون" "اس ہستی کی قسم کہ جس کے قبضہ میں میری زندگانی ہے یہ (علیؑ) اور اُن کے شیعہ سب کامیاب ہیں۔ جناب صدیقی کی ترجمان القرآن میں ابوہریرہ سے روایت ہے کہ علیؑ خیر بریہ (سب سے بہتر) ہیں۔ علیؑ اور شیعیان علیؑ کے بارے میں بہت سی روایتیں صواعق محرقہ صفحہ ۹۲، اسعاف الراغبین صفحہ ۱۵۶، کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۱۸ وغیرہ پر بھی درج ہیں۔

کتاب 'جستجو' کے لئے چند کلمے پیش لفظ کے طور پر لکھنے کی مجھ سے برادرم مبلغ اسلام مولوی سید دُرالحسن سلمہٗ (انجینئر) نے خواہش کی لہٰذا مندرجہ بالا چند باتوں کے ساتھ میں یہ نہیں چاہتا کہ اُن باتوں کا تذکرہ یا اُس کی تکرار کی جائے کہ جن کو موصوف نے اپنی کتاب میں سمو دیا ہے۔ میرے والد علام آیۃ اللہ سید ظفرالحسن صاحب قبلہ طاب ثراہ کی سیرت طیبہ کا ایک اہم رخ یہ بھی تھا کہ اپنی تحریر وتقریر کی رہنمائی سے انھوں نے بابا خلیل داس چشتی صابری امجدیؒ نیز علامہ ابرا حسنی جیسے متعدد جید افراد کی رہنمائی کر کے مسلک اہلبیت سے وابستہ کر دیا تھا ان کی یہ وراثت اُن کی اولاد میں برادرم سید دُرالحسن سلمہٗ نے حاصل کر لیا ہے۔ یہ وہ میراث نہیں ہے جو کسی کے مرنے کے بعد ملتی ہے بلکہ یہ وراثت علمی وتبلیغی والد کی حیات ہی میں اُن کے حصے میں آ چکی تھی چنانچہ اُن کی ہدایت ورہنمائی کی بنا پر ایک سابق سنی جناب ڈاکٹر شکیل اختر صاحب مرحوم کہ جوان کے دوست بھی تھے اور نہایت علوم جدیدہ کے ماہر، روشن ضمیر، ذہانت طبع کے حامل اور معتدل فکر کے مالک تھے، موصوف نے بعد از تحقیق وجستجو مذہب اہلبیت کو اختیار کیا۔ ایک طویل عرصہ تک اپنے استاد مفتی سیوان سے موصوف تہذیب کے دائرہ میں رہ کر احقاق حق وابطال باطل کی خدمت انجام دیتے رہے جو کہ تحریری شکل میں

''طوفان سے ساحل تک'' کے عنوان سے ماہنامہ 'الجواد' بنارس میں طبع ہوتا رہا۔ برادرم اس طرح کے نو خانوادوں اور افراد کو بذات خود گفتگو اور تحریر و تقریر سے مطمئن کر کے راہ راست پر لگا چکے ہیں۔ موصوف کا انداز تبلیغ جارحانہ نہیں ہوتا جسکا اندازہ قارئین 'جستجو' سے لگا ہی لیں گے۔ موصوف نے جامعہ جوادیہ میں ابتدأ دینی تعلیم حاصل کی پھر تحصیل علوم جدیدہ میں لگ گئے اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے میکینکل انجینئرنگ میں ڈگری حاصل کی۔ ملازمت کے دوران بھی پاکیزہ زندگی گذاری۔ آفس میں انجینئر اور مسجد میں پیش نمازی کی فرائض ادا کرتے رہے۔ دوران ملازمت جہاں گئے تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے۔ لکھنؤ سے ریٹائر ہو کر وہیں رہائش اختیار کر لی اور اب باقاعدہ علمی، عملی اور تبلیغی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ درس قرآن، نماز پنجگانہ کی جماعت کا فریضہ، دینی مدارس کی خدمت اور خانگی امور کی تمام تر مشغولیت کے بعد موصوف نے نہایت محققانہ دو جلدوں میں 'جستجو' اور 'ضمیمۂ جستجو' تحریر کرنے کا جو فریضہ ادا کیا ہے وہ لائق قدر اور قابل تقلید ہے۔ میں دعا گو ہوں کہ یہ کاوش صاحبان تحقیق و جستجو کے لئے مشعل راہ ثابت ہو اور رب کریم برادر موصوف کی اس عملی زندگی کو مستدام قرار دے اور آفات ارضی وسماوی سے محفوظ رکھے۔ فقط

دعا گو

سید شمیم الحسن

۱۴/ ماہ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ

(۱) ''یادرکھو خدا نے کسی بندے کو نہ حنفی بننے کا حکم دیا ہے نہ مالکی، نہ شافعی ہونے کو واجب کیا ہے نہ حنبلی، اس نے تو رسول اکرمؐ کی شریعت پر عمل واجب کیا ہے۔''

(القول السدید صفحہ ۳۰ عبدالعظیم مکی)

(۲) ''اجتہاد کا رد کر دینا، یہی وہ سبب تھا جس نے مسلمانوں کو پیچھے ڈال دیا۔ اب گذشتہ لوگوں کے اقوال ہی سند بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اس کام میں صرف سیاست کا ہاتھ تھا۔ سلاطین نے اجتہاد کو روکا تھا تاکہ اپنی حکومت کو بچائیں۔ اپنے معارض و مقابل کو دبائیں اور جب کوئی مصلح یا ذمہ دار پیدا ہو تو اسکی بات نہ سنی جا سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ فقہ جس سے جماعت کی روح اور امت کی زندگی وابستہ تھی منجمد ہو کر رہ گئی۔ بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ دور عثمان میں فتوحات کا رُک جانا، خانہ جنگی کا شروع ہو جانا، فتنوں کا ترقی کر جانا، اُن سب کا راز صرف یہ تھا کہ انھوں نے اپنے اجتہاد کو چھوڑ کر شیخین کی تقلید کی پابندی قبول کر لی تھی حضرت علیؑ نے اسی لئے یہ پابندی قبول نہیں کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس بات نے عثمان کو تخت پر بٹھایا تھا اسی نے اتار بھی لیا۔'' (الفلسفۃ السیاسیہ للاسلام ص ۲۱ ڈاکٹر عبدالدائم نقری انصاری)

ت: (تیجانی صاحب نے سید الخوئیؒ سے کہا) شیعوں کے بارے میں سنا جاتا ہے کہ وہ علیؑ کی عبادت کرتے ہیں۔ اور بعض خدا کی عبادت بھی کرتے ہیں تو علیؑ کو نبی کی منزل پر قرار دیتے ہیں۔ پھر میں نے جبرئیلؑ والا قصہ سنایا کہ انھوں نے خیانت کر کے رسالت کو علیؑ کے بجائے محمدؐ کے حوالے کر دیا۔ سید کچھ دیر سر جھکائے سنتے رہے۔ اسکے بعد نظر اٹھا کر فرمایا کہ ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے، محمد اللہ کے رسول ہیں اور علیؑ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہیں۔ اس کے بعد حاضرین کی طرف رجوع کر کے فرمایا کہ دیکھو ان سادہ لوحوں کو غلط پروپگنڈے نے کس قدر غلط فہمیوں میں مبتلا کر دیا ہے۔ اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ میں نے بعض لوگوں سے اس سے کچھ زیادہ ہی سنا ہے۔

لاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم ☆

ر: اس صفحہ کو کامل پڑھ کر کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں جس کے لئے شیعہ حضرات جواب دہ ہیں سب سے اہم سوال یہ ہے کہ کیا شیعہ امام علیؑ کو صرف ایک بندہ ہی تصور کرتے ہیں، اگر ہاں! تو پھر جھگڑا کس بات پر؟

د: برادر محترم رزاق صاحب! آپ ماشاءاللہ پڑھے لکھے مسلمان ہیں، بمبئی میں عرصہ تک شیعوں کو بہت قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا ہے۔ کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے کس پاگل یا دیوانے شیعہ کو بھی کبھی حضرت علیؑ کو خدا کہتے سنا ہے؟ کیا کبھی کسی شیعہ کو حضرت علیؑ کی عبادت کرتے دیکھا ہے؟ شیعوں کی کسی کتاب میں کہیں حضرت علیؑ کے لئے پڑھا ہے کہ شیعوں کے نزدیک وہ (معاذاللہ) خدا کی حیثیت رکھتے ہیں؟ ان سوالوں کا جواب یقیناً آپ کے پاس "نہیں"...... "نہیں"...... "نہیں" کی شکل میں ہوگا۔ تو آپ جیسے پڑھے لکھے انسان نے یہ چارج شیٹ کیسے شیعوں کے لئے جائز قرار دیدی! اس طرح کی باتیں برادران اہل سنت میں صرف دو طبقہ کرتا ہے ایک وہ جو جاہل عوام کو بے سر پیر کی باتیں سنا کر اپنے کو (ان جاہل عوام کے درمیان) ایک پڑھا لکھا ہوا، بڑا عالم منواتا ہے، جبکہ حقیقت میں وہ علم وعرفان سے کوسوں دور ہوتا ہے۔ اور دوسرا طبقہ خود جاہل عوام کا ہے جس سے کوئی ملا یا باوا کہہ دے کہ "کوا کان لے گیا" تو وہ کوے کے پیچھے دوڑ پڑیں گے اپنے چہرے کی خبر نہیں لیں گے۔ بہر حال آپ کو یہ بتاتے ہوئے مجھے عجیب سا لگ رہا ہے کہ شیعوں کے نزدیک حضرت علیؑ بھی حضور اکرمؐ کی طرح خدا کے ایک معصوم بندے تھے خدا ہرگز نہیں تھے، جو کوئی بھی حضرت علیؑ کی خدائی کا دعویٰ کرے وہ شیعہ مسلک کے مطابق مشرک ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس کا بھی یہ عقیدہ ہو کہ حضرت علیؑ نبی ہیں یا جبرئیل امین پر یہ اتہام رکھے کہ انھوں نے (معاذاللہ) خیانت کر کے رسالت کو علیؑ کے بجائے محمد صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کر دیا۔ تو وہ بھی بلا شک وشبہ مذہب شیعہ کے نزدیک کافر ہے۔ اور اگر کوئی مسلمان اس عقیدہ کا ہو جائے تو وہ مرتد ہے یعنی واجب القتل ہے۔

اب آپ کا سوال ہے کہ ''تو پھر جھگڑا کس بات پر؟'' محترم! جھگڑا اس بات پر نہیں ہے کہ (العیاذ باللہ من ذالک) شیعہ علیؑ کو خدا مانتے ہیں یا رسول مانتے ہیں یا جبرئیل امینؑ کے خیانت کے قائل ہیں۔ یہ سب تو اصل حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے اور سُنی عوام کو شیعوں کے خلاف بھڑکانے کے لئے کہی جاتی ہیں۔ دراصل جھگڑا بس اس بات پر ہے کہ غیر مستحق لوگوں کو مسند رسولؐ پر بٹھا دیا گیا جسکے نتیجہ میں امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگئی۔ کلهم فی النار الا واحدة۔ بہتر باطل فرقے متحد ہو کر شیعوں پر طرح طرح کی الزام تراشیاں کرتے رہتے ہیں۔ برادرانِ اہلسنت کی اکثریت ''منصوص من اللہ'' خلفاء اور ائمہ کی خلافت وامامت کے بارے میں شیعوں سے اکثر لڑتے اور جھگڑتے رہتے ہیں جبکہ انکی خلافت وامامت قرآن، حدیث اور تاریخ ہر لحاظ سے مستند ہے۔

ت: انھوں نے (یعنی سید الخوئیؒ نے) میری طرف (ڈاکٹر تیجانی کی طرف) متوجہ ہو کر فرمایا کہ کیا آپ نے قرآن پڑھا ہے؟ میں نے کہا کہ میں دس سال کی عمر میں نصف قرآن کا حافظ ہو چکا تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ آپ جانتے ہیں کہ اسلام کے تمام فرقے قرآن کریم پر متفق ہیں اور جو قرآن ہمارے پاس ہے وہی قرآن آپ لوگوں کے پاس بھی ہے؟ میں نے کہا ہاں مجھے یہ معلوم ہے تو انھوں نے فرمایا کہ کیا آپ نے یہ آیات نہیں پڑھیں کہ...... ''محمدؐ صرف اللہ کے رسول ہیں، اور انکے ساتھی کفار کے لئے شدید ترین ہیں''۔ یا...... ''محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں......'' ان آیات میں علیؑ کی رسالت کا ذکر کہاں ہے؟ اور جب ہمارا قرآن محمدؐ کو رسول کہتا ہے تو یہ افترا کہاں سے آیا؟

ر: آج کا قرآن خلیفوں کا مرتب کردہ ہے یعنی حضرت ابوبکر سے حضرت عثمان تک۔ شیعہ آج ہمارا قرآن پڑھتے ہیں۔ کیا وہ اس قرآن پر یقین رکھتے ہیں؟ تو پھر وہ کون سا چالیس پارہ کا قرآن ہے جو امام مہدی لانے والے ہیں؟''

د: محترم رزاق بھائی! آپ نے شیعوں کے گھروں میں، مسجدوں میں، انکے ہاتھوں میں اور مدرسوں میں قرآن ضرور دیکھا ہوگا (نہ دیکھا ہو تو جا کر ضرور دیکھیں) کیا کہیں کسی قرآن میں اور جو آپ کے مطبع کے چھپے ہوئے قرآن ہیں، ان دونوں کے درمیان ایک حرف کا بھی کہیں فرق پایا؟ کہیں کسی شیعہ ترجمہ یا تفسیر میں چالیس پاروں کا ذکر پڑھا؟ نہیں اور یقیناً نہیں!! تو سمجھ لیجئے کہ یہ بھی شیعوں کے خلاف ایک بے بنیاد پروپگنڈا ہے تا کہ عوام کے دل میں شیعوں کے خلاف نفرت پیدا ہو۔ اور سُنی عوام شیعوں کے قریب آنے سے احتراز کریں۔

تحریف قرآن کی حقیقت

علماء شیعہ اس بات پر متفق ہیں کہ آج جو قرآن مجید ہمارے درمیان موجود ہے وہی اصل قرآن ہے جو آنحضرت پر نازل ہوا۔ نہ ایک لفظ کا اضافہ ہے اور نہ ایک لفظ کی کمی۔ (رسالہ اعتقادات شیخ صدوقؒ ص ۲۸، تفسیر منہاج الصادقین جلد ا مقدمہ کتاب از علامہ شیخ الطائفہ محمد بن الحسنؒ) سورتوں کا ترتیب نزول کے مطابق نہ ہونا، آیتوں کا آگے پیچھے ہونا یا اعراب (زیر، زبر، پیش) میں غلطی کا امکان ہونا...... اس پر تو گفتگو کی جا سکتی ہے۔ اور شیعہ سنی سبھی علماء نے اس پر کھل کر بحث کی ہے اور تسلیم بھی کیا ہے لیکن اسے تحریف نہیں قرار دیا گیا ہے۔ عدم تحریف کے سلسلہ میں حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ السید ابوالقاسم الخوئی طاب ثراہ نے اپنی کتاب ''البیان فی مقدمۃ تفسیر قرآن'' میں تفصیلی اور مدلل بحث کی ہے۔ جسکی تلخیص و ترجمہ مولانا تقی الحیدری النجفی رئیس الجامعہ وثیقہ عربی کالج فیض آباد نے اردو زبان میں کیا

ہے جسے الجواد بکڈپو بنارس نے شائع کیا ہے۔ ذیل میں اسی کتاب سے چند باتیں تحریر ہیں۔ ''علامہ شیخ صدوقؔ علیہ الرحمہ نے اس سلسلہ میں علماء شیعہ کے مختلف اقوال پیش فرمائے ہیں جو عدم تحریف پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ان اقوال سے اعتقادات شیعہ کا صاف پتہ چلتا ہے۔ جناب شیخ الطائفہ شیخ طوسیؒ نے بھی اپنی مایۂ ناز تفسیر ''تبیان'' کے شروع میں عقیدہ امامیہ کی تصریح فرماتے ہوئے تحریف کی نفی فرمائی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے استاد و سید مرتضٰی علیہ الرحمۃ والرضوان کے قول کو مع ان کی دلیلوں کے نقل کیا ہے جو بہترین اور مضبوط ترین دلیلیں ہیں۔ اسی طرح علامہ طبرسی نے اپنی تفسیر ''کشف الغطا'' میں دعوائے اجماع کیا ہے۔ علامہ شہشہانی نے اپنی کتاب ''العروۃ الوثقیٰ'' میں تمام مجتہدین کی طرف عدم تحریف کا قول منسوب کیا ہے۔ اسی طرح محدث شہیر محسنؔ القاسانی نے اپنی دو کتابوں (الوافی جلد ۵ ص ۲۶۴ اور علم الیقین ص ۱۳۰) میں اور محمد جواد بلاغی نے اپنی کتاب ''آلاء الرحمٰن'' میں عدم تحریف کا اظہار کیا ہے۔

البتہ اکثر علماء اہلسنت نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید کے بعض اجزا منسوخ ہو گئے ہیں یہ بات ان روایات کی بنیاد پر کہی گئی ہے جنمیں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ بعض اجزائے قرآن جنکی تلاوت عہد پیغمبرؐ میں ہوئی تھی، اب شامل قرآن نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر صرف دو چند اقتباس پیش ہیں۔

(ا) ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضرت عمر نے ممبر سے لوگوں کو یوں خطاب کیا...... خداوند عالم نے محمدؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا اور ان پر کتاب نازل کی۔ خدا وند عالم نے جو کچھ نازل فرمایا اس میں ایک آیۂ رجم بھی تھی۔ جس کی ہم نے تلاوت کی۔ اسی لئے پیغمبرؐ نے رجم بھی فرمایا اور ہم بھی ان کے بعد رجم کرتے رہے۔ میں خوف زدہ ہوں کہ امتداد زمانہ سے مجبور ہو کر لوگ کہیں گے ''ہم اللہ کی کتاب میں آیۂ رجم نہیں پاتے'' اور اس طرح اللہ کے ایک فریضہ کو ترک کر کے

گمراہ ہوں گے۔ حالانکہ آیۃ رجم کتاب خدا میں ایک حق ہے اس شخص پر جس نے زنائے محصنہ کا ارتکاب کیا۔ ہم اس کتاب میں یہ بھی پڑھتے رہے ہیں کہ اپنے آباؤ اجداد سے دوری نہ اختیار کرو، کیوں کہ یہ دوری کفر ہے۔ یا تمہارے لئے کفر ہے کہ تم اپنے آباؤ اجداد سے فرار اختیار کرو۔" (صحیح بخاری جلد ۸ ص ۲۶ و صحیح مسلم جلد ۵ ص ۱۱۶)

(۲) عروۃ ابن زبیر سے روایت کی ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ نے فرمایا کہ "سورۂ احزاب کی دو سو آئتیں زمانہ پیغمبرؐ میں پڑھی جاتی تھیں۔ لیکن کتابت عثمان کے بعد بس وہی رہ گیا جو آج ہے۔" (الاتقان جلد ۲ ص ۴۰۔۴۱)

(۳) ابوالحرب بن ابی الاسود نے اپنے باپ سے روایت کی ہے "ابوموسیٰ اشعری بصرہ کے قاریوں کی طرف بھیجے گئے۔ بصرہ میں انکے پاس تین سو افراد آئے جنھوں نے قرآن کی تلاوت کی ابوموسیٰ نے کہا کہ تم لوگ بصرہ کے بہترین افراد ہو اور اس سرزمین کے بہترین قاری ہو...... ہم لوگ قرآن مجید کے ایک سورہ کی تلاوت کرتے تھے جس کو طوالت کی بنا پر سورۂ برأت سے تشبیہ دی جاتی تھی۔ پھر ہم نے اس کو بھلا دیا۔ اور اس میں سے صرف اتنا یاد رکھا "لو کان لابن آدم وادیان من مال لابتغیٰ وادیا ثالثا ولا یملأ جوف ابن آدم الاالتراب" یعنی اگر فرزند آدم کے پاس دو وادی مال بھرا پڑا ہو جب بھی وہ تیسرے کا خواہشمند ہوگا۔ نہیں پُر کر سکتی بطنِ فرزند آدم کو مگر تراب (قبر)" اور ہم ایک سورہ پڑھتے تھے جس کو "مسبحات" سے تشبیہ دیتے تھے پھر اس کو بھول گئے اس میں سے ہم نے بس اتنا یاد رکھا "یا ایھا الذین آمنوالم تقولون مالا تفعلون فتکتب شھادۃ فی اعناقکم فتساء لون عنھا یوم القیامۃ" (صحیح مسلم جلد ۳ ص ۱۰۰)

اسی طرح اور بہت سی روائتیں علماء اہلسنت نے پیش کی ہیں جنھیں اگر

تسلیم کرلیا جائے تو قرآن مجید میں تحریف یعنی کمی وزیادتی کا قائل ہونا پڑیگا۔ لیکن دلائل وبراہین سے ثابت ہے کہ جو قرآن ہمارے درمیان موجود ہے وہی اصل قرآن ہے جو کہ مرسل اعظمؐ کے قلب مبارک پر نازل ہوا تھا اور جس کے لئے خود باری تعالیٰ کا فرمان ہے" انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون۔

محترم رزاق بھائی! آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ" آج کا قرآن خلیفوں کا مرتب کردہ ہے یعنی حضرت ابوبکر سے حضرت عثمان تک۔ شیعہ آج ہمارا قرآن پڑھتے ہیں۔"...... محترم! قرآن مجید کے لئے" ہمارا" اور" تمہارا" کہنا مناسب نہیں ہے، قرآن خدا کا کلام ہے۔ حالانکہ موجودہ قرآنی نسخہ حضرت عثمان کا جمع کردہ یا مرتب کردہ نہیں ہے بلکہ مختلف نسخوں کے درمیان انھوں نے اسے شرف قبولیت بخش کر رائج کیا تھا اور بقیہ دیگر نسخوں کو جلوادیا تھا اور حکم صادر فرمایا تھا کہ جہاں کہیں بھی اس کے علاوہ دوسرا نسخہ ہو اسے یکجا کر کے جلا دیا جائے...... پھر بھی اگر حضرت عثمان کا مرتب کردہ قرآن ہوتا تو اسے شیعہ حضرات کو کیا صرف اس لئے نہیں قبول کرنا چاہیئے کہ یہ خلیفۂ سوم کا جمع کیا ہوا قرآن ہے؟ یہ فکر بھی کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتی۔ حق کو اگر فرد مخالف پیش کرے تو کیا ہم حق سے دامن تہی کرلیں؟ کہ اسے ہمارا مخالف گروہ پیش کررہا ہے؟ بہر حال چونکہ یہی قرآن اصل کتاب ہے اسلئے ائمہ طاہرینؑ کے حکم کے مطابق شیعہ حضرات بھی اسی پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وارثِ قرآن باب مدینۃ العلم، امام مبین، امیر المومنین حضرت علی ابن ابیطالبؑ کا پیش کردہ قرآن نہ قبول کر کے زید بن ثابت سے یا حضرت حفصہ سے حاصل کئے ہوئے قرآن کو شرفِ قبولیت بخشا گیا اگر حضرت علیؑ کے پیش کردہ قرآن کو قبول کر لیتے تو اسمیں سوروں اور آئتوں کی ترتیب شان نزول کے مطابق ہوتی اور حاشیہ پر ضروری وضاحت وتفسیر بھی مل جاتی جس سے ملت محروم رہ گئی۔

قرآن کس نے جمع کیا؟ اس سوال کے جواب میں صحیح بخاری باب القرأ جلد ۶ ص ۱۰۲ سے یہ روایت ملاحظہ ہو "قتادہ کا بیان ہے کہ میں نے انس بن مالک سے پوچھا کہ پیغمبرؐ کے وقت کس نے قرآن جمع کیا؟ انھوں نے کہا کہ چار آدمیوں نے اور وہ سب کے سب انصاری تھے۔ ابی ابن کعب، معاذ ابن جبل، زید ابن ثابت اور ابوزید"...... عبداللہ بن عمر کہتے ہیں "جب قرآن جمع ہو گیا تو ہم نے ایک ہی رات میں اُسے پڑھ ڈالا۔ یہ خبر جب پیغمبرؐ کو پہونچی تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ قرآن ایک مہینہ میں پڑھا کرو۔" (الاتقان النوع ۲۰ ج ا ص ۱۲۴)...... زید بن ثابت کہتے ہیں کہ "جمع شدہ مصحف (بعد رسولؐ) حیات ابوبکر تک ابوبکر کے پاس، ان کے بعد عمر کے پاس ان کے بعد ان کی بیٹی حفصہ کے پاس رہا"...... (صحیح بخاری باب جمع القرآن جلد ۶ ص ۹۸)...... "ابن شہاب کہتے ہیں کہ انس ابن مالک نے ان سے بیان کیا کہ جس زمانہ میں اہل عراق و شام فتح آرمینیہ اور آذربائیجان میں مشغول تھے اس زمانے میں اختلافِ قرأت کی داغ بیل چڑھ چکی تھی، ان حالات کو دیکھ کر حذیفہ یمانی خائف ہوئے تو ایک روز عثمان کے پاس پہونچے اور کہا کہ اے امیر المومنین قبل اسکے کہ مسلمان یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف پیدا کریں آپ اس کو روکئے۔ تو عثمان نے حفصہ کے پاس آدمی بھیجا کہ آپ اپنا مصحف دیدیجئے، ہم نقل کر کے واپس کر دیں گے۔ حفصہ نے اپنا مصحف بھیج دیا۔ اس کے بعد عثمان نے زید ابن ثابت، عبداللہ ابن زبیر اور سعد بن العاص نیز عبدالرحمٰن بن الحرث بن الہشام کو اس مصحف کو نقل کرنے کا حکم دیا۔ پھر ان تینوں قریشیوں سے کہا کہ اگر کسی بات پر تم لوگوں میں اور زید بن

ثابت میں اختلاف ہوجائے تو تم لوگ قریش کی زبان کے مطابق لکھنا، کیونکہ قرآن انھیں کی زبان میں نقل ہوا ہے۔ان لوگوں نے مصحفِ حفصہ سے بہت سے مصاحف نقل کرڈالے اور جب کام مکمل ہوگیا تو عثمان نے حفصہ کا مصحف لوٹا دیا۔اس کے بعد تمام جگہوں پر ایک ایک مصحف بھیجد یا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ اس کے علاوہ تمام مصاحف نذر آتش کردئے جائیں۔"(صحیح بخاری جلد ۶ ص ۹۹)

امیر المومنین حضرت علیؑ کا پیش کردہ قرآن قبول نہ کئے جانے کا افسوس صرف شیعہ حضرات کو نہیں بلکہ دردمند سُنی علماء نے بھی اس پر اظہار تاسف کیا ہے۔چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں "ان علیؓ احد من جمع القرآن وعرصة علیٰ رسول الله صلى الله علیه وسلم "یعنی علیؓ وہ شخص ہیں جنھوں نے قرآن رسول اللہؐ کی حیات میں ان کے سامنے پیش کیا۔" اس عبارت سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت علیؑ کے جمع کئے ہوئے قرآن کو آنحضرت کی توثیق بھی حاصل ہوچکی تھی۔علامہ سیوطی پھر لکھتے ہیں "حضرت علیؓ نے قرآن کو تنزیل کے مطابق جمع کیا تھا۔" محمد ابن سیرین لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کا جمع کیا ہوا قرآن ہم تک پہونچتا تو علم وحکمت کا بڑا خزانہ ہوتا۔ کیوں کہ آپ نے اسکو بالکلیہ اسی ترتیب سے جمع کیا تھا جس ترتیب سے آئتیں نازل ہوئی تھیں۔اور کوئی آیت یا سورہ مقدم کا موخر اور موخر کا مقدم نہ ہوتا اور نہ زیر وزبر میں اشتباہ پیدا ہوتا۔(ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۰۱ اور ریاض النضرہ جلد ۲ ص ۱۶۸)

محترم! حقیقت یہی ہے کہ قرآن حیاتِ پیغمبرؐ میں کتابی شکل اختیار کرچکا تھا۔اسمیں کمی اور زیادتی کا امکان نہیں تھا۔اسی لئے آنحضرت نے اپنی حیات طیبہ

میں ہی ملت اسلامیہ کومخاطب کر کے فرمایا تھا۔ انی تارک فی کم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اهلبیتی ...... الاخ۔ یعنی میں دو بھاری بھرکم چیزیں تمہارے درمیان چھوڑ رہا ہوں ''اللہ کی کتاب'' اور میری عترت یعنی اہلبیتؑ جب تک تم لوگ ان دونوں سے متمسک رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے، یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہو۔ اور یہ دونوں بھی کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے۔ (ص م جلد ۷ ص ۱۲۲، سنن ابی داؤد جزدوم ص ۳۰۷، مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۰۹ وغیرہ) یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن اس وقت بھی مکتوب و مجموع تھا۔ اسی طرح بوقت وصال آنحضرتؐ کے قلم دوات اور کاغذ مانگنے پر حضرت عمر کا یہ کہنا کہ ''حسبنا کتاب اللہ '' (ہمارے لئے اللہ کی کتاب یعنی قرآن کافی ہے) اس بات پر مہر ثبت کرتا ہے کہ حیات پیغمبرؐ میں قرآن جمع ہو چکا تھا اور کتابی شکل میں موجود تھا۔

نتیجہ: قرآن جمع کرنے کی سعادت کو خلفاء کی طرف منسوب کرنا ایک واہمہ ہے جو خلاف قرآن وحدیث اور مخالف عقل واجماع ہے۔ بہرحال اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت عثمان نے اپنے دور خلافت میں قرآن مجید کے مختلف نسخوں کو جمع کیا اور تمام مسلمانوں کو ایک قرأت اور ایک تلاوت پر متحد کیا، بعدہٗ ایسے تمام مصاحف کو نذر آتش کر دیا جو اسکے خلاف تھے یا جن میں بمطابق تنزیل تشریح درج تھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ تمام بلاد اسلامیہ میں اپنا حکم بھی بھجوا دیا کہ دوسرے سبھی نسخے جلا دئے جائیں۔ کاش حضرت علیؑ کا جمع کیا ہوا قرآن جس کی توثیق مرسل اعظمؐ فرما چکے تھے قبول کر کے اس کی نشر واشاعت ہوتی تو آج قرآن کی تشریح وتفسیر میں جو خامیاں ہیں اور تضاد پایا جاتا ہے وہ نہ ہوتا اور ملت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہیدی گذارش

محترمی ظفر حسین صاحب (عبدالرزاق صاحب کے برادر نسبتی) لکھنؤ کے رہنے والے باعمل مرد مومن ہیں جنکے اعزا بسلسلہ تجارت بمبئی میں عرصہ سے قیام پذیر ہیں۔ موصوف ایک دن غریب خانہ پر تشریف لائے، محترم تیجانی صاحب کی کتاب اور اسپر اپنے برادر نسبتی عبدالرزاق کاظم صاحب کا تبصرہ مجھے دکھایا اور فرمائش کی کہ اسکا سیر حاصل جواب لکھ دوں۔ محترم ظفر صاحب سے اپنی مصروفیت، وقت کی تنگی اور اہلیت کی کمی سے متعلق متعدد عذر پیش کرنے کے باوجود انکے اصرار نے اس وعدہ کے ساتھ مجھے اس کام پر مجبور کر دیا کہ اس امر کی تکمیل میں وقت لگے گا کیوں کہ سرکاری ملازمت کے علاوہ حقیر کے ذمہ بہت سے دیگر امور بھی ہیں۔ بہر حال یہ صحیح ہے کہ جب تک حقائق پوری طرح آشکار ہو کر نگاہوں کے سامنے نہ آئیں اس وقت تک صحیح یا غلط جو بھی عقیدہ ذہن پر پہلے سے مرتب ہے اسکے خلاف سننا کوئی بھی پسند نہیں کریگا۔ بات دراصل یہ ہے کہ امتداد زمانہ اور صدیوں کے سرکاری پروپیگنڈہ نے اسلامی حقائق و معارف پر اس طرح خوشنما روغن چڑھا دیا ہے کہ فکر باطل نے مجاز کو حقیقت نقل کو اصل اور سفسطہ کو فلسفہ کی شکل میں پیش کر کے حقائق کو مسخ کر دیا ہے اور انسان کی ذہنی صلاحیت نیز اس کے فکر وتدبر پر ایسی بندشیں عائد کر دیں کہ جنکا توڑنا توفیق الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی زنجیر کی ایک کڑی اور فریب نظر کا شعبدہ، قرآنی لفظوں میں **انا وجدنا آبائنا علیٰ امة وانا علیٰ آثارھم مقتدون** ☆ بھی ہے (زحزف ۲۲) "یعنی بے شک ہم نے اپنے

اسلامیہ کے اتحاد و اتفاق کے لئے ایک عظیم سرمایہ ہوتا۔

نوٹ: مزید معلومات کے لئے مقدمہ تفسیر انوار القرآن صفحہ ۵۹ تا ۱۰۴ مولفہ علامہ ذیشان حیدر جوادی مطالعہ فرمائیں۔

ت: میں نے (سید الخوئی سے) پوچھا کہ پھر یہ افترائات کہاں سے آئے ہیں تو انھوں نے بتایا کہ ان دشمنان اسلام کی طرف سے جو مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرکے انھیں ٹکڑے ٹکڑے کردینا چاہتے تھے اور انھیں آپس میں ٹکرا دینا چاہتے تھے ورنہ مسلمان شیعہ ہو یا سُنی سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ سب خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتے ہیں سب کا قرآن ایک نبیؐ ایک اور قبلہ ایک ہے۔ اختلاف فقہی مسائل میں ہے۔ جسطرح کہ خود سُنی مذاہب کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے کہ مالک کو ابوحنیفہ سے اختلاف ہے اور ابوحنیفہ کو شافعی سے۔ میں نے کہا کہ تو کیا یہ تمام باتیں افترا ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ آپ بحمد اللہ صاحبِ عقل وفہم ہیں۔ آپ نے شیعوں کے علاقے دیکھے ہیں، ان کے درمیان گردش کی ہے تو کیا کہیں ان الزامات کا کوئی اثر دیکھا ہے یا سنا ہے؟ میں نے کہا کہ میں نے صرف خیر ہی خیر دیکھا ہے اور میں شکر خدا کرتا ہوں کہ میری ملاقات بحری جہاز میں استاد منعم سے ہوگئی اور میں انھیں کی وجہ سے عراق آگیا اور یہاں بہت سی باتوں سے باخبر ہوگیا۔

ر: (۱) اگر ہمارا ایمان، کتاب، اللہ اور رسولؐ سب ایک ہیں اور ہم آپس میں ایک ہیں تو امام مہدی کا عقیدہ کیسا ہے؟ وہ قیامت کے نزدیک آکر کیا کارنامے انجام دیں گے۔ خاص کر ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ سے ان کا معاملہ کیسا رہیگا؟

(۲) اور پر سُنی مذاہب لکھنے میں شاید غلطی ہوگئی ہوگی کیونکہ سُنی ایک مذہب ہے یعنی مسلم۔ وہ چار مذاہب نہیں ہیں کیونکہ ان کا عقیدہ ایک ہے۔ فقہ میں تھوڑا سا فرق نظر آتا ہے۔ کیا شیعہ کا اختلاف سنیوں سے صرف فقہ کا ہے یا عقیدہ کا یا ایمان کا؟

عقیدۂ امام مہدیؑ

د: (۱) امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں جو عقیدہ شیعہ حضرات کا ہے وہی عقیدہ تمام مسلمانوں کا ہونا چاہیئے، کیونکہ آپ کا وجود باسعادت، آپ کی غیبت، آپ کا قرب قیامت میں ظہور، عدل و انصاف کی حکومت کا قیام وغیرہ کا مسئلہ ہر دو فریق کے درمیان متفق علیہ ہے۔ فرق صرف یہ ہے اہل سنت کے یہاں یہ مسئلہ صرف کتابی دنیا تک محدود ہے، عوام حقیقت سے لاعلم ہیں اور شیعہ حضرات شد و مد سے امام منتظرؑ کے منتظر ہیں:

امام مہدی علیہ السلام قیامت کے نزدیک ظہور فرما کر قرآن مجید کی اس آیت کو عملی جامہ پہنا کر اپنے جد امجد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقصدِ بعثت کی تکمیل فرمائیں گے۔ ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ ولوکرہ المشرکون (توبہ ۳۳) یعنی وہ خدا ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دیں، اگرچہ مشرکین بُرا مانا کریں۔"...... محترم! ہمیں آپ کو اور سبھی سچے مسلمانوں کو اس دن کا یقیناً انتظار ہوگا کہ وہ نیک گھڑی جلد آئے جب اسلام کو تمام ادیان پر غلبہ حاصل ہو، یعنی ہر مومن کی یہ دلی خواہش ہوگی کہ کاش وہ وقت دیکھنا نصیب ہو کہ جب ہر طرف اسلام کا پھریرا لہرا رہا ہو، عدل و انصاف کی عالمی حکومت قائم ہو، ظلم و جور کا دنیا سے خاتمہ ہو، لوگ بے خوف و خطر آزادی کی سانس لے رہے ہوں اور ہر طرف شعار اسلام کا بول بالا ہو۔ اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں سعد ابن جبیرؒ، جابر ابن عبداللہؓ، عبد ابن حمید اور ابوالشیخ و ابو ہریرہ وغیرہ نے حضور اکرمؐ سے روایت کی ہے "اس سے مراد امام مہدی علیہ السلام ہیں جو اولادِ فاطمہؑ سے ہوں گے کہ جب وہ ظہور کریں گے تو ایک وقت وہ آئیگا جب اسلام کے سوا نہ

کوئی نصرانی رہیگا اور نہ یہودی اور نہ کوئی دوسرا دین باقی رہیگا، اسوقت بکری بھیڑیئے سے نڈر ہوگی، گائے، شیر سے بیخوف......اس زمانہ میں جزیہ کا گذر نہ ہوگا، صلیب توڑ ڈالی جائیگی ...... یہ وہ وقت ہوگا جب حضرت عیسیٰ آسمان سے نازل ہونگے۔" (تفسیر در منشور سیوطی جلد۳ ص ۲۳۱، تفسیر کبیر امام رازی وسنن بیہقی وغیرہ)......اس ذیل میں چند احادیث اور ملاحظہ ہوں:

(۱) عاصمؒ نے زرؒ سے، انھوں نے عبداللہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ "یہ روز وشب ختم نہ ہونگے یہانتک کہ خداوند عالم میرے اہلبیتؑ سے ایک شخص کو مبعوث کریگا جس کا نام میرا نام ہوگا۔ جو زمین کو عدل وانصاف سے پُر کریگا جس طرح وہ اس سے پہلے ظلم سے پُر ہوگی۔" (دلائل النبوۃ فی ذکر المہدی وصواعق محرقہ ص ۹۷)۔

(۲) ابوسعیدؓ خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ قیامت اسوقت تک قائم نہ ہوگی جب تک دنیا ظلم وجور سے پُر نہ ہوجائے۔ پھر ہمارے اہلبیتؑ میں سے ایک شخص نکلیگا جو دنیا کو اسی طرح عدل وانصاف سے پُر کردیگا جس طرح وہ ظلم وجور سے پُر ہوگی۔" (مستدرک حاکم جلد۴ ص ۵۵۷)

(۳) امام مہدیؑ کے ظہور، اقتدار اور حکومت اسلامی قائم کرنے کے سلسلہ میں مختلف علماء اہلسنت نے احادیث وروایات نیز درایتوں کی بنیاد پر تسلیم کیا ہے کہ آخر زمانہ میں جب دنیا ظلم وجور سے بھر جائیگی تو امام مہدی علیہ السلام ظہور فرمائینگے، جو کہ اولاد فاطمہ زہراؑ سے ہوں گے، امام حسن عسکریؑ کے فرزند ہوں گے، حضرت خضرؑ والیاسؑ وعیسیٰؑ کی طرح طول عمر رکھنے والے ہوں گے۔ وہ جب ظہور فرمائینگے تو حضرت عیسیٰؑ انکے پیچھے نماز پڑھیں گے اور دجال کو قتل کرنے میں امام مہدیؑ کی مدد کرینگے...... (تفصیل کے لئے دیکھئے صواعق محرقہ ابن حجر مکی باب ۶ فصل ۱۱ ص ۹۹، باب ۱۱ ص ۱۲۴، ینابیع المودۃ باب ۷۹ ص ۳۷۷، باب ۵۸ ص ۳۹۲

باب ۸۶ص ۳۹۳، وسیلۃ النجاۃ، ملا محمد مبین فرنگی محلی ص ۱۴۴وغیرہ) اسی موضوع پر حقیر کے والد محترم آیۃ اللہ مولانا سید ظفر الحسن الرضوی طاب ثراہ نے ''انتظار قائم آلِ محمدؐ'' پانچ جلدوں میں تحریر فرمائی ہے، جو الجواد بک ڈپو بنارس سے شائع ہوئی تھی۔ مزید معلومات اور یقین میں اضافہ کے لئے ان کا مطالعہ مفید ہوگا۔

اب آپ کا ایک سوال ہے کہ امام مہدی کا حضرات ابوبکر وعمر وعثمان سے معاملہ کیسا رہیگا؟ اس سوال کا بہت ہی واضح اور سیدھا سا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ حضرات اگر ظلم وعدوان ونفاق سے بری ہیں تو یقیناً معاملہ اچھا رہیگا کیوں کہ امام مہدیؑ ظلم کرنے کے لئے نہیں بلکہ ظلم مٹانے کیلئے ظہور فرمائینگے۔

سنی مذہب (مذاہب اربعہ) کی تشریح: محترم! اصطلاحی اعتبار سے یقیناً مذہب اہلسنت ایک مذہب مانا جاتا ہے جو چار فقہوں اور مختلف مسلکوں میں تقسیم ہے، لیکن مذہب بمعنی طریقہ یا راستہ لیجئے تو ''مذاہب اربعہ'' کہنے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے۔ چنانچہ ایک مشہور ومعروف عالم اہلسنت شاہ عبدالعزیز، مصنف ''تحفہ اثناء عشری'' اپنی کتاب فتاوائے عزیزی اردو مسمّیٰ بہ سرور عزیزی، مطبوعہ فخر المطابع لکھنؤ جلد ا ص ۱۹۸ میں اپنا ایک خواب درج فرماتے ہیں۔ جسمیں حضرت علیؑ سے ملاقات کا حوالہ دیتے ہوئے جو اُن سے خواب میں گفتگو ہوئی اُسے درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ...... ''میں نے اُن جناب سے سوال کیا کہ مذاہب فقہا سے کون سا مذہب جناب عالی کو پسند ہے؟ ارشاد ہوا کہ ان کا کوئی مذہب ہمکو پسند نہیں یا یہ فرمایا کہ ہمارے طریقہ پر نہیں، لوگوں نے افراط تفریط کو راہ دی ہے۔ پھر میں نے سوال کیا اولیا اللہ کا کون طریقہ جناب عالی کے طریقے سے موافق ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ اس کا بھی وہی جواب ہے۔ ہر طریقہ میں چیز ہائے ناپسندیدہ خلاف ہمارے طریقہ کے اختراع کی ہیں۔ اور ہمارے طریقہ

کی چیزوں میں کمی کردی ہے" پھر ص ۲۰۹ پر شاہ صاحب اپنی رائے پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں "صرف مخالفتِ جزوی درمیان مذاہب اربعہ و مذہب حضرت امیرؑ کے ہے۔" ...... آگے چل کر ص ۲۱۲ پر اپنے خیال کے مطابق نتیجہ قائم کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "حاصل کلام تقریر مندرجہ بالا سے معلوم ہوا کہ اس خواب کی صحت پر یہ اعتراض صحیح نہیں کہ اس خواب سے لازم آتا ہے کہ مذاہب ائمہ اربعہ کے باطل ہیں۔" مجھے یہاں شاہ صاحب کے خواب پر کوئی تبصرہ مقصود نہیں ہے اُسے اہل فکر و دانش اور صاحبان عقل و بصیرت پر چھوڑتا ہوں یہاں مجھے صرف یہ بتانا ہے کہ آیۃ اللہ خوئیؒ نے "سنی مذاہب" کہہ کر یا لکھ کر کوئی غلطی نہیں کی کیونکہ یہ نظریہ علماء اہلسنت کے نزدیک بھی درست اور مستعمل ہے۔ جہاں تک شیعہ سُنی فرق کی بات ہے تو عقیدہ میں بنیادی اختلاف ہے مگر کم ہے اور نظریاتی اختلاف زیادہ ہے اسی طرح فقہی مسائل میں بھی بنیادی طور پر تقریباً سب متحد اور متفق ہیں مگر عمل اور ارکان کے بجالانے میں فرق پایا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں اصول دین (عقائد) اور فروع دین (فقہ) ایک تسلسل کے ساتھ تقریباً ڈھائی سو برس معصومینؑ کی وساطت سے علماء و فقہا تک پہونچے اسلئے کہیں تضاد و انتشار نہیں پایا جاتا۔ اسکے برعکس آنحضرتؐ کی وفات کے تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد خلفاؤ امرائے زمانہ نے چار امام منتخب کئے۔ جنھوں نے شاہی نظام کے زیر سایہ عقائد کی تشکیل اور فقہی مسائل کی تدوین کی لیکن آپس میں اتحاد واتفاق نہ ہونے کی وجہ سے چار مصلے قائم ہوگئے۔ اور اس طرح اہل سنت چار طریقوں (مذاہب) میں تقسیم ہوگئے۔

حقیقت تقیہ

ت: مجھے یقین ہوگیا کہ شیعہ مسلمان، اللہ کے عبادت گذار اور رسالت پیغمبرؐ پر

ایمان رکھنے والے ہیں۔ اگرچہ شیطان میرے دل میں یہ وسوسہ پیدا کرتا رہا تھا کہ میں جو کچھ دیکھتا رہا ہوں وہ سب ڈرامہ معلوم ہوتا ہے اور شاید کہ تقیہ ہو اور اظہار خلاف واقع کا نتیجہ ہو، لیکن بہت جلد یہ شک زائل ہو گیا اور یہ وسوسے فنا ہو گئے اسلئے کہ یہ ناممکن ہے کہ وہ سیکڑوں افراد جن کو میں نے دیکھا یا سنا ہے سب اُسی ڈرامے کے اجزاء ہوں۔

ر: شیعوں سے ذرا پوچھئے تو سہی کہ یہ "تقیہ" کیا ہے اور کب استعمال ہوتا ہے؟ چاروں سُنی فرقے ایک دوسرے کے امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں کیا شیعہ سنیوں کے پیچھے نماز پڑھتا ہے؟ صرف حج کے وقت، شاید اسوقت بھی تقیہ کے ذریعہ۔ شیعوں سے کہو کہ وضاحت کریں کہ تقیہ کیا ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟ سنی تو کہتے ہیں کہ ہم میں اور شیعوں میں فرق ہے اسلئے ہم انکے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ مگر اس کتاب میں تو لکھا ہے کہ شیعہ تو کوئی فرق نہیں رکھتا ہے تو پھر ہماری نیت کی نماز کیوں نہیں پڑھتے؟

د: محترم رزاق بھائی! تقیہ ایک فطری عمل کا نام ہے جس سے کوئی محفوظ نہیں ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ شیعہ اس فطری عمل کو جزوِ اسلام مانتے ہیں اور جائز قرار دیتے ہیں جبکہ برادران اہلسنت اسے اسلامی احکام میں جگہ نہ دے کر نا جائز مانتے ہیں نتیجتاً وقت ضرورت تقیہ پر عمل کرتے ہیں اور اپنی شریعت کی روشنی میں خود سے گناہگار بن جاتے ہیں۔ آیئے مسئلہ تقیہ پر تھوڑی سی تحقیقی گفتگو کی جائے:

تقیہ قرآن کی روشنی میں: (۱) لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذالك فلیس من الله فی شیئی الا ان تتقوا منهم تقة...... سورۂ آل عمران کی اٹھائیسویں آیت میں صاحبانِ ایمان کو حکمِ پروردگار ہو رہا ہے کہ "مومن کو چاہیئے کہ مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا

ولی (سرپرست) نہ بنائیں اور جو ایسا کریگا اس سے خدا سے کچھ سروکار نہیں مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچاؤ مقصود ہو۔'' تقیہ کے سلسلہ میں خداوند عالم کا یہ ایک واضح حکم ہے کہ کفار و مشرکین کے شر سے محفوظ رہنے کے پیش نظر انھیں اپنا ولی بنا سکتے ہیں۔ یہ ایک کلیہ ہے تو جب کافروں کے شر سے بچنے کے لئے یعنی اپنی جان مال عزت آبرو کی حفاظت کے لئے ہم بقدر ضرورت کافروں کی ہاں میں ہاں ملا سکتے ہیں تو اگر مسلمانوں کے ہاتھوں کسی مسلمان، مومن کو شر کا اندیشہ ہو تو ان سے بدرجہ اولیٰ (یہ سمجھتے ہوئے کہ ہم دل سے راضی نہیں ہیں) مفاہمت کی گفتگو کر سکتے ہیں، جیسا کہ مولانا صلاح الدین یوسف صاحب اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''اگر کسی وقت اظہار دوستی کے بغیر ان کے (کافروں کے) شر سے بچنا ممکن نہ ہو تو وہ زبان سے ظاہری طور پر دوستی کا اظہار کر سکتے ہیں۔'' محترم اسی کا نام تقیہ ہے ''حق دل میں محفوظ ہو اور پُر خطر حالات کے تحت زبان سے ظاہری طور پر دشمن جیسی بات کہدے تا کہ خطرہ ٹل جائے۔'' ...... اور تقیہ کے برعکس عمل کو ''نفاق'' کہتے ہیں یعنی ''باطل دل میں محفوظ رہے اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے حق بات کہدی جائے تو اسے نفاق کہتے ہیں۔'' اسی لئے شیعہ حضرات انھیں منافق قرار دیتے ہیں جو زبان سے یہ کہتے تھے کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا اور عمل یہ تھا کہ درِ سیدہؑ پر آکر دھمکی دی کہ علیؑ کو گھر سے نکال دو ورنہ میں گھر میں آگ لگا دوں گا۔ یعنی زبانی طور پر محبت علیؑ کا دعویٰ اور وقت آنے پر دشمنی کا مظاہرہ۔

(الملل والنحل علامہ شہرستانی ص ۷۳ (Caliph Ali p.61 by: Mohd. Abdul Ali)

(۲) محترم! آیئے اب سورہ نحل کی آیت ۱۰۶ کی تلاوت کیجئے۔ من کفر باللہ من بعد ایمانہٖ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح

بالکفر صدرا فعلیهم غضب من الله ولهم عذاب عظیم ☆ یعنی جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ سے کفر کرے،، بجز اسکے جس پر جبر کیا جائے اور اسکا دل ایمان پر برقرار ہو۔ مگر جو لوگ کھلے دل سے کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انھیں کے لئے بڑا عذاب ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں مولانا صلاح الدین یوسف تحریر فرماتے ہیں "اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے اور وہ جان بچانے کے لئے قولاً یا فعلاً کفر کا ارتکاب کرلے، جب کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، تو وہ کافر نہیں ہوگا......"

محترم! کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ایسے "غلط قول" یا "غلط فعل" کو شرعی اصطلاح میں کیا کہتے ہیں۔ مذہب اہلسنت کی چار فقھوں میں سے کسی فقہ میں بھی اسطرح کے غیر حقیقی قول وفعل کے لئے جس سے تحفظِ جان ومال ہو اور دفع شر وفساد ہو، کوئی شرعی اصطلاح نہیں ہے۔ فقہ جعفری میں اسے "تقیہ" کہتے ہیں۔

(۳) وقال رجل مومن من آل فرعون یکتم ایمانہٗ......(سورہ مومن ۲۸) یعنی کہا آلِ فرعون میں سے ایک مومن شخص نے جو اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتا تھا...... محترم! تفسیر بیضاوی وتفسیر ابن عباس وغیرہ میں ہے کہ یہ مومن شخص فرعون کے چچیرے بھائی جناب حزقیل تھے، جو اپنے ایمان کو فرعون اور اسکے پرستاروں سے سو برس تک چھپائے رہے۔ ایمان چھپا کر فرعون سے رفاقت کرنا اور در پردہ حضرت موسیٰؑ کی نصرت کرنا، اسی کا نام تقیہ ہے۔ کاش اس آیت کی روشنی میں برادران اہلسنت کی سمجھ میں ایمان ابوطالب بھی آجاتا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے سورہ قصص ۷ اور سورہ مومن آیات ۲۰ تا ۳۵ و ۳۸ تا ۴۵)

(۴) سورۂ شعرا کی اٹھارہویں اور انیسویں آیت میں فرعون حضرت موسیٰؑ پر احسان جتاتے ہوئے کہتا ہے "قال الم نربك فینا ولیدا و لبست فینا من عمرك سنین ...... یعنی (اے موسیٰ) کیا ہم نے تجھے تیرے بچپن کے زمانہ میں

اپنے ہاں رکھ کر نہیں پالا تھا؟ اور تو نے اپنی عمر کے بہت سے سال ہمارے ساتھ رہ کر نہیں گذارے؟ پھر بھی تو اپنا وہ کام کر گیا جو کر گیا و انت من الکفرین اور تو بھی تو کافرین ہی میں سے تھا۔'' اس آیت سے واضح ہے کہ حضرت موسیٰؑ بھی فرعون کے محل میں تقیہ کی زندگی بسر کر رہے تھے، اور فرعون انکے طور طریقہ کو دیکھ کر یہی سمجھ رہا تھا کہ موسیٰ بھی ہم میں سے ہیں۔ مگر جب حضرت موسیٰ کھل کر تبلیغ دین الٰہی کرنے لگے تو فرعون طعنہ زنی کرنے لگا۔ یہیں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ کفر کی آغوش میں جب کوئی اللہ کا برگزیدہ بندہ پرورش پاتا ہے اور کفر پر حقیقت کھل جاتی ہے تو وہ دشمن بن جاتا ہے اور احسان جتانے لگتا ہے۔ اور جو خود مومن کامل ہوتا ہے وہ وقت اور ضرورت کے تحت اپنے ایمان کو چھپاتا بھی ہے اور جیتے جی نمائندہ اسلام کی حمایت و نصرت بھی کرتا رہتا ہے۔ جیسے کہ جناب ابو طالبؑ جنھوں نے اپنے ایمان کو لوگوں سے مخفی بھی رکھا اور تا نفسِ آخر بانیٔ اسلامؐ اور روح ایمانؐ کی دل و جان سے پرورش بھی کرتے رہے۔ اور اپنی پناہ میں رکھ کر کفار و مشرکین سے بچاتے بھی رہے اور یہ ادا رب العالمین کو اتنی پسند آئی کہ ابو طالبؑ کے اس عمل کو اپنا عمل قرار دیا الم یجدك یتیماً فاویٰ (اے میرے حبیب!) کیا اللہ نے آپ کو یتیم پا کر پناہ نہیں دی؟ (سورہ ضحیٰ ۶)

تقیہ سیرت انبیاء کی روشنی میں: (۱) جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو قتل کرنے کی سازش رچی اور علی الصباح یہوداہ کے ساتھ وہاں پہونچے تو آپ کو گرفتار کر کے گھر سے باہر لانے کو یہوداہ گھر میں داخل ہوا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی پروردگار عالم نے اسی کو حضرت عیسیٰ کی شکل میں تبدیل کر دیا اور حضرت عیسیٰ کو چوتھے آسمان پر اٹھا لیا، وہ گھر میں حضرت عیسیٰ کو نہ پا کر باہر نکلا ہی تھا کہ لوگوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ وہ شور و غل مچاتا رہا اور کسی نے ایک نہ سنی اور سولی دیدی۔ اس

واقعہ کی تلخیص سورہ نساء کی آیت ۱۵۷و۱۵۸ میں اسطرح ہے" (یہودیوں کے) کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کردیا، حالانکہ نہ تو انھوں نے اُسے قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ انکے لئے عیسیٰ کا شبیہ بنادیا تھا......"
محترم! کسی کی جان بچانے کے لئے حقیقت پر پردہ ڈالنا سنت پروردگار عالم بھی ہے اور اسی کو شیعہ شرعی اصطلاح میں تقیہ کہتے ہیں۔

(۲) حضرت یوسف کا واقعہ بھی پیش نظر ہوگا کہ جب مصر کے حاکم مقرر ہوئے اور انکے بھائی غلہ حاصل کرنے کی غرض سے مصر آئے تو آپ انھیں پہچان کر بھی انجانے بن گئے اور اپنے گیارہ بھائیوں میں سے سگے بھائی یامین کو روکنے کے لئے ایک اسکیم مرتب کی۔ پورا واقعہ سورہ یوسف آیت ۷۰ سے آیت ۹۰ تک پڑھ لیجئے اور آیت ۷۶ میں کذلك كدنا ليوسف (ہم نے (اللہ نے) یوسفؑ کے لئے یہ تدبیر رچی) کی تفسیر پڑھ لیجئے۔ مولانا صلاح الدین یوسف تحریر فرماتے ہیں "یعنی ہم نے وحی کے ذریعہ سے یوسف علیہ السلام کو یہ تدبیر سمجھائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی صحیح غرض کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرنا جس کی ظاہری صورت حیلہ اور کید کی ہو جائز ہے۔" ...... محترم! رزاق بھائی! مجھے نہیں معلوم کہ مذہب اہل سنت کی شرعی اصطلاح میں "ایسے طریقہ کو جس کی ظاہری صورت حیلہ اور کید کی ہو اور کسی بڑے مقصد کے لئے جائز بھی ہو، اسے کیا کہتے ہیں" ...... فقہ جعفری میں اسے تقیہ کہتے ہیں۔

(۳) امام بخاری نے حضرت ابراہیمؑ جیسے اولوالعزم اور حضور اکرمؐ کے بعد سب سے افضل نبی پر تین بار جھوٹ بولنے کا الزام رکھا۔ (۱) حضرت ابراہیمؑ نے ستاروں کی طرف دیکھا اور کہا کہ میں بیمار ہونے والا ہوں۔ (صفت ۸۸و۸۹)
(۲) سب کہنے لگے کہ ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کس نے کیا؟ ایسا شخص تو یقیناً ظالموں میں سے ہے بولے ہم نے ایک نوجوان کو ان کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا تھا

باپ دادا کو ایک امت (یعنی ایک دین پر) پایا اور ہم انھیں کے آثار کی پیروی کر رہے ہیں۔'' یہی نظریہ حق تک پہونچنے میں رکاوٹیں پیدا کرتا ہے۔ اور اس کا علاج صرف انھیں بندوں کو حاصل ہو پاتا ہے جنھیں توفیق خیر میسر آجائے۔ محترم رزاق صاحب کی تحریر کا سرسری جائزہ لینے کے بعد ایسا محسوس ہوا کہ یہ ایک ذی شعور انسان ہیں اگر حقائق اور معارف پر جمایا ہوا روغن صاف کر کے اسلام کی سچی مستند تصویر انکے سامنے پیش کی جائیگی تو انشاء اللہ وہ اسے ضرور قبول کرلیں گے، اور دیگر قارئین کے لئے بھی مشعل راہ ثابت ہوگی اس لئے ناچیز نے اس عظیم بار کو ''دخل در معقولات'' کے بجائے ''عمل برحسنات'' سمجھ کر قبول کرلیا۔ **وما توفیقی الا باللہ۔**

محترم عبد الرزاق کے تبصرے کے جواب میں ''کتاب جستجو'' لکھنے کے بعد ضرورت محسوس ہوئی کہ اسلام کے حقیقی اصول وعقائد کا ایک مختصر خاکہ بھی بطور ضمیمہ پیش کردیا جائے۔ جس میں مذہب اہل سنت اور مسلک جعفری کا مختصر اًتقابلی مطالعہ ہوتا کہ صاحبان تحقیق وجستجو کو اسلام کے تہتر فرقوں میں ''**الا واحدہ**'' کے مصداق ناجی فرقے تک رسائی حاصل کرنے میں آسانی ہو۔ خدا کرے ہماری یہ کاوش بھی حقیقت پسند صاحبان جستجو کے لئے مشعل راہ ثابت ہو آمین!

دراالحی البرضوی عفی عنہ

450/36 ... /20 Nr. Haideri Masjid,
Muftiganj, LUCKNOW-226003
PR. NO. 0522-2406466

جسے ابراہیمؑ کہا جاتا ہے۔ سب نے کہا اچھا اُسے مجمع میں لوگوں کے سامنے لے آؤ تاکہ سب دیکھیں۔ کہنے لگے اے ابراہیمؑ کیا تو نے ہی ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ آپؑ نے کہا بلکہ اس کام کو ان کے بڑے نے کیا ہے تم اپنے خداؤں سے ہی پوچھ لو اگر یہ بولتے چالتے ہوں۔ (انبیا ۵۹ تا ۶۳)۔ (۳)

حضرت سارہؑ جو کہ ابراہیمؑ کی بیوی تھیں، انھیں بہن کہنا۔ مولانا صلاؔح الدین یوسف صاحب نے سورہ انبیاء کی مندرجہ بالا آیتوں کی تفسیر کے تحت امام بخاری کی اس غلطی کو پہلے تو تسلیم کیا پھر امام بخاری کے ''کذب'' پر کافی پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ ملاحظہ ہو...... ''ایک حدیث صحیح میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول بل فعلہ کبیر ھم کو لفظ کذب سے تعبیر کیا ہے کہ ابراہیمؑ نے تین جھوٹ بولے۔ ایک انی سقیم اور دوسرا یہی (یعنی بل فعلہ کبیرھم) اور تیسرا حضرت سارہ اپنی بیوی کو بہن کہنا (صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب واتخذ الیہ ابراھیم خلیلا)'' مولانا صلاؔح الدین صاحب پھر لکھتے ہیں کہ ''زمانہ حال کے بعض مفسرین نے اس حدیث صحیح کو قرآن کے خلاف باور کر کے اسکا انکار کر دیا ہے اور اسکی صحت پر اصرار کو غلو اور روایت پرستی قرار دیا ہے۔ لیکن ان کی یہ رائے صحیح نہیں۔ یقیناً حقیقت کے اعتبار سے انھیں جھوٹ نہیں کہا جا سکتا، لیکن ظاہری شکل کے لحاظ سے ان کو کذب سے خارج بھی نہیں کیا جا سکتا...... حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول اس پہلو سے ظاہری طور پر کذب ہی ہے کہ یہ واقعے کے خلاف تھا، بتوں کو خود انھوں نے توڑا تھا لیکن اس کا انتساب بڑے بت کی طرف کیا۔ لیکن چونکہ مقصد ان کا تعریض اور اثبات توحید تھا اسلئے حقیقت کے اعتبار سے ہم اسے جھوٹ کے بجائے اتمام حجت کا ایک طریق اور مشرکین کی بے عقلی کے اثبات واظہار کا ایک انداز کہیں گے۔ علاوہ ازیں حدیث میں ان کذبات کا ذکر جس ضمن میں آیا ہے وہ بھی قابل غور ہے اور وہ ہے ''میدانِ محشر میں اللہ کے روبرو جا کر

سفارش کرنے سے اس لئے گریز کرنا کہ ان سے دنیا میں تین موقعوں پر لغزش کا صدور ہوا ہے'' دراں حالیکہ وہ لغزشیں نہیں ہیں یعنی حقیقت اور مقصد کے اعتبار سے وہ جھوٹ نہیں ہیں۔ مگر وہ اللہ کی عظمت وجلالت کی وجہ سے اتنے خوف زدہ ہونگے کہ یہ تین باتیں جھوٹ کے ساتھ ظاہری مماثلت کی وجہ سے قابل گرفت نظر آئینگی۔ گویا حدیث کا مقصد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جھوٹا ثابت کرنا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کیفیت کا اظہار ہے جو قیامت والے دن خشیت الٰہی کی وجہ سے ان پر طاری ہوگی۔'' (تفسیر سعودیہ ص ۸۹۷ و ۸۹۸)...... محترم رزاق بھائی! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ امام بخاری کے ذریعہ حضرت ابراہیمؑ پر لگائے گئے کذب کے الزام کو لپیٹنے کے لئے محترم صلاح الدین یوسف نے کتنے پینترے بدلے! یہاں تک کہ اسی کذب (العیاذ باللہ) کی وجہ سے میدان محشر میں حضرت ابراہیمؑ کی سفارش کی ہمت نہ ہوسکے گی۔ ایک طرف ''اثبات توحید'' اور مقصد کی بلندی کے پیش نظر باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ خلاف واقعہ باتیں کرتے ہیں اور دوسری طرف اسے ''قابل گرفت'' جھوٹ سمجھتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں اپنے کو گنہگار (لغزش کا مرتکب) سمجھ رہے ہیں...... محترم! اگر شیعہ اصول کے تحت آپ لوگ صرف اتنی سی بات تسلیم کرلیں کہ بلند مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اور توحید کے تحفظ کے لئے جناب ابراہیمؑ نے بہ مرضیٔ رب العالمین تقیہ فرمایا، تو حضرت ابراہیمؑ کی عصمت بھی محفوظ رہیگی، ان پر کذب اور لغزش کا الزام لگانے کے گناہ سے بھی محفوظ رہینگے اور امام بخاری کے لئے اتنی صفائی بھی نہیں دینی پڑیگی۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شب ہجرت (i) حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر لٹانا یعنی اپنی شبیہ بنا کر کفار مکہ کو مغالطہ میں ڈالنا کہ وہ یہی سمجھیں کہ محمدؐ سو رہے ہیں۔ (ii) ایک مٹھی خاک پر سورۂ یٰسین کی آیت وجعلنا من بین ایدیھم

سدا ومن خلفهم سداً فاغشیناهم فهم لا یبصرون ☆پڑھ کر، گھر کا محاصرہ کئے ہوئے کفار کے سر پر ڈالکر ان کی نگاہوں پر پردہ ڈالنا اور اسطرح اپنی حقیقت مجسم کو چھپا کر انکے درمیان سے نکل جانا (iii) غار ثور میں جا کر چھپنا (iv) آنحضرت کے غار ثور میں ہونے پر پردہ ڈالنے کے لئے مکڑی کا جال بنانا اور فاختہ کا آشیانہ بنا کر اس میں انڈا دینا (v) اپنے اور آنحضرت کے قتل ہونے کے خوف سے حضرت ابوبکر کے فطری عمل یعنی گریہ پر (بشرطیکہ کسی اور مقصد کے تحت یہ گریہ نہ رہا ہو) پابندی لگانے کے لئے آیت کا اترنا...... یہ سب کیا ہے؟ ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کیلئے چند حقیقتوں پر پردہ ڈالنا نہیں ہے؟ آنحضرت کی بیش قیمت زندگی کو بچانے کے لئے چند حقیقتوں کو چھپا کر دشمنوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنا نہ کذب ہے، نہ دھوکا، نہ ریا اور نہ گناہ بلکہ فقہ جعفری میں اسے تقیہ کہتے ہیں، جو عینِ ثواب ہے۔

تقیہ قانون فطرت ہے: محترم! جب آپ بغیر کسی جنبہ داری کے مسئلہ تقیہ پر غور فرمائینگے تو اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہونگے کہ تقیہ یعنی جان و مال و دین و آبرو کے تحفظ کے لئے یا کسی اعلیٰ مقصد کو حاصل کرنے کے لئے غلط بات کہہ کر دشمن کو مغالطہ میں ڈالنا یا حقیقت کی پردہ پوشی کرنا ایک فطری عمل ہے جو کبھی کبھی واجب ہو جاتا ہے۔ دنیا کے قانون کے تحت بھی تقیہ پر عمل کرنا ضروری ہو جاتا ہے اور اگر اس پر عمل نہیں کیا تو مجرم قرار دئے جانے کا خطرہ ہے۔ مثلاً میں نے دیکھا کہ ایک شخص ہانپتا کانپتا اور بھاگتا ہوا آیا اور سامنے ایک جھاڑی میں جا کر چھپ گیا۔ چند لمحے گذرے تھے کہ ایک شخص ہتھیار سے لیس آ گیا اسنے مجھ سے سوال کیا کہ کیا ادھر کوئی شخص بھاگتا ہوا آیا ہے؟...... اب میرے پاس دو جواب ہیں۔ پہلا صداقت پر مبنی کہ "ہاں بھاگتا ہوا آیا ہے اور سامنے جھاڑی میں روپوش

ہے اور دوسرا بظاہر کذب (یعنی تقیہ) پر مبنی کہ "نہیں بھائی! میں نے کسی کو بھاگتا ہوا نہیں دیکھا"۔ پہلے جواب کا نتیجہ قتل ہے جسمیں قتل میں مدد کرنے کا مجرم قرار دے کر مجھے بھی گرفتار کرلیا جائیگا۔ اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ صدق بیانی سے کام لیتے ہوئے قاتل کی مدد کرنا درست ہے یا تقیہ پر عمل کرکے ایک شخص کی جان بچالینا ضروری ہے؟

تقیہ ایک مفروضہ کی روشنی میں: محترم! مجھے امید ہے مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں آپ سمجھ گئے ہونگے کہ تقیہ کیا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے ایک مفروضہ پیش خدمت ہے کہ اگر ایسا واقعہ رونما ہو جاتا تو اسوقت حضرت ابوبکر کیا کرتے!!...... فرض کیجئے کہ جب حضور اکرمؐ رات کی تاریکی میں ہجرت کے لئے نکلے تھے۔ حضورؐ کو تنہا جاتے ہوئے دیکھ کر حضرت ابوبکر ان کے پیچھے لپکتے کہ حضور کے مونس بن جائیں، لیکن قبل اسکے کہ حضرت ابوبکر قریب پہونچتے، آنحضرتؐ غار میں چلے جاتے۔ آپ کے غار میں چھپتے ہی کفار قریش ننگی تلواریں لئے ہوئے آپہونچتے اور حضرت ابوبکر کو (جو ابھی غار تک نہیں پہونچ سکے تھے، مگر غار میں حضورؐ کو جاتے ہوئے دیکھا تھا) پکڑ لیتے اور کہتے کہ "اے ابوبکر! بتاؤ کیا تم نے محمدؐ کو کہیں دیکھا ہے؟"...... محترم! ایمان سے بتایئے کہ اسوقت حضرت ابوبکر کیا جواب دیتے؟؟؟...... آیا مذہب اہلسنت کے افضل ترین مسلمان اور صدیق اکبر ہونے کا مظاہرہ کرتے ہوئے نیز مسلک اہل سنت پر عمل کرتے ہوئے آنحضرتؐ کا پتہ دشمنوں کو بتا کر آپکے قتل میں معاون بنتے یا شیعہ مسلک کے مطابق تقیہ پر عمل کرکے لاعلمی کا اظہار کرکے یا انھیں مغالطہ میں ڈالکر کسی اور طرف روانہ کرکے آنحضرتؐ کی جان بچا کر دین اسلام کے لئے عزت کا سبب بنتے؟؟

شیخ محمد شلتوت کا فتویٰ: محترم رزاق بھائی! آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ''سنی تو کہتے ہیں کہ ہم میں اور شیعوں میں فرق ہے اسلئے ہم ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے ...... (شیعہ) ہماری نیت کی نماز کیوں نہیں پڑھتے؟'' محترم! باوجود اس کے کہ شیعہ مذہب اہل سنت کے چاروں مسلکوں سے پوری طرح متفق نہیں ہیں پھر بھی اتحاد بین المسلمین کے پیش نظر شیعہ فقہا نے برادران اہل سنت کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرنے کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ امام جماعت ناصبی یعنی کھلا ہوا دشمنِ اہلبیت طاہرینؑ نہ ہو۔ ملاحظہ ہو ولی امر مسلمین و مرجع تقلید آیت اللہ العظمیٰ السید علی الحسینی الخامنہ ای دام ظلہٗ کی کتاب ''استفتاء اور ان کے جوابات'' حصہ اول ص ۲۰۳، میرے عزیز دوست! اسی ہندوستان میں ایران کلچرل ہاؤس دہلی میں انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد ہندوستان، پاکستان، ملیشیا، انڈونیشیا، سری لنکا، بنگلہ دیش، ایران وغیرہ سے مسلم علماء ودانشوران ایک ہفتہ تک کانفرنس میں شرکت کے لئے آئے۔ یہاں ایک دن ملیشیا کے ایک عالم اہل سنت نے، ایک دن انڈونیشیا کے ایک عالم اہل سنت نے ایک دن کوئٹہ پاکستان کے ایک عالم اہل سنت نے نماز پڑھائی باقی نماز ناچیز کے برادر بزرگ حجۃ الاسلام والمسلمین الحاج مولانا سید شمیم الحسن صاحب عمید جامعہ جوادیہ بنارس نے پڑھائی۔ ہر مسلک کے تمام مسلمانوں نے ایک ساتھ ان اماموں کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ اتحاد بین المسلمین کی یہ ایک قابل تقلید مثال ہے۔

جہاں تک ''آپ کی نیت کی نماز'' پڑھنے کی بات ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ سبھی مسلمانوں کی نماز کی نیت ایک جیسی ہوتی ہوگی۔ مثلاً نماز فجر کی نیت ہملوگ اسطرح کرتے ہیں ''نماز فجر میں پڑھتا ہوں قبلہ رو (باجماعت) امام حاضر کی

اقتدا میں دو رکعت واجب (یا فرض) قربۃً الی اللہ'' میرا خیال ہے کہ آپ بھی اسی طرح نیت کرتے ہوں گے، اسلئے ''ہماری نماز کی نیت'' اور ''آپکی نماز کی نیت'' کا کوئی سوال نہیں ہے۔ نماز قربۃ الی اللہ پڑھی جاتی ہے۔

محترم! آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ ''ہم میں اور شیعوں میں فرق ہے اسلئے ہم ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے''...... مگر آیئے اور دیکھئے کہ مصر کے ایک عظیم عالم اہل سنت شیخ محمد شلتوت رئیس الجامعۃ الاظہر، مصر کیا تحریر فرماتے ہیں۔

استفتاء (سوال) ''بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عبادات و معاملات کے درست طریقہ پر انجام دینے کے لئے ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ چار مشہور مسلکوں، حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی میں سے کسی ایک مسلک کی تقلید کرے۔ ان میں مسلک شیعہ امامیہ کو شامل نہیں کیا جاتا۔ کیا آنجناب بھی اس رائے کی صحت کے بارے میں ان حضرات کی موافقت فرماتے ہوئے مسلک شیعہ امامیہ کے مطابق عمل بجالانے کو ممنوع قرار دیتے ہیں؟ یوسف احمد الغزال''۔

جواب (۱) اسلام نے مسلمانوں کو کسی معین مسلک کی پیروی کا حکم نہیں دیا بلکہ ہماری رائے میں ہر مسلمان کو حق حاصل ہے کہ ان مسلکوں میں سے جو صحیح طور پر منقول ہوئے ہیں اور جنکے احکام انکی کتابوں میں جمع کئے گئے ہیں کسی بھی مسلک کی ابتداہی سے پیروی کرسکتا ہے یا ان میں سے کسی ایک پر عمل پیرا ہونے کے بعد اگر چاہے تو اس کو ترک کرکے کسی دوسرے مسلک کو اختیار کرسکتا ہے۔ ان میں سے کسی بات میں کوئی حرج نہیں ہے (۲) مذہب جعفریہ جو مسلک شیعہ امامیہ اثناء عشر کے نام سے مشہور ہے وہ مسلک ہے جسکی طرز پر عبادت بجالانا شرعی اعتبار سے اسی طرح درست ہے جس طرح تمام سُنی مسلکوں کے طرز پر۔ پس مسلمانوں کو چاہئیے کہ وہ اس بات کو سمجھ لیں اور ان مسلکوں کے بارے میں ناحق تعصب سے کام نہ لیں۔ دین خدا اور اس کی شریعت کسی خاص مسلک کی پابند یا کچھ خاص

مسلکوں میں محدود نہیں ہے۔ پس ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ کوشاں ہے جو بارگاہ الٰہی میں سعی مقبول ہوگی۔ جو صاحبانِ نظر و اجتہاد نہیں ہیں ان کے لئے ان حضرات کی تقلید اور ان فقہی مسائل پر عمل جائز ہے جن کو یہ لوگ ثابت فرمائیں خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے۔" (ماہنامہ العربی۔ کویت شمارہ نمبر ۲۴ مورخہ ماہ نومبر ۱۹۶۰ء) دستخط: محمد شلتوت

العربی کے اسی شمارہ میں یوسف احمد الغزال کا ایک سوال اور ڈاکٹر احمد ذکی کا جواب بھی برادران اہل سنت کو دعوت فکر دیتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

سوال۔ پانچوں اسلامی مسلکوں، شافعی، حنبلی، حنفی، مالکی اور جعفری میں کون مسلک قدیم ترین ہے؟ اور ان مسالک میں بنیادی فرق کیا ہے؟

جواب: "امام احمدؒ حنبل شاگرد تھے امام شافعی کے، امام شافعیؒ شاگرد تھے محمد بن الحسن اور امام مالک کے، امام مالکؒ شاگرد تھے ربیعۃؒ الرائی کے جو شاگرد تھے عکرمہ کے، عکرمہؒ شاگرد تھے عبداللہ ابن عباسؓ کے، عبداللہؒ ابن عباس شاگرد تھے علیؑ ابن ابیطالبؑ کے۔ ادھر امام ابوحنیفہؒ شاگرد تھے امام جعفرؒ صادق کے جو شاگرد تھے اپنے والد ماجد (امام محمدؒ باقرؑ) کے اور یہ سلسلہ بھی منتہی ہوتا ہے حضرت علیؑ پر جو تمام فقہ اسلامی کی جڑ اور بنیاد تھے۔ اس طرح ان تمام مسلکوں میں مسلک جعفری ہی قدیم ترین مسلک قرار پاتا ہے......"

مندرجہ بالا دونوں فتاوے بہت صاف اور واضح ہیں کہ مذہب اہل سنت والجماعت کے مطابق فقہ جعفری یعنی شیعہ مسلک قدیم ترین ہے جس کا اتصال براہ راست ختمی مرتبتؐ سے ہے۔

غمِ حسینؑ کیوں اور کس حد تک

ت: امام حسینؑ کا ذکر آ گیا تو میں نے کہا کہ شیعہ روتے کیوں ہیں؟ سینہ زنی

کیوں کرتے ہیں؟ اور اپنے کو اتنا مارتے ہیں کہ خون جاری ہو جائے، جبکہ اسلام میں یہ عمل حرام ہے اور رسول اسلامؐ نے فرمایا ہے کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے جو منھ پر طمانچہ مارے گریباں چاک کرے اور جاہلیت کی دعوت دے۔ سید باقر الصدر نے فرمایا کہ یہ حدیث ماتم حسینؑ پر منطبق نہیں ہوتی ہے۔ جو شخص انتقام خون حسینؑ کا نعرہ لگاتا ہے وہ حسینؑ کے راستہ پر چلتا ہے اسکی دعوت جاہلیت کی دعوت نہیں ہے...... جب یہ جذبات امام حسینؑ اور انکے گھر پر وارد ہونے والے مصائب، قتل، بے حرمتی اور اسیری کی یاد میں بھڑک جاتے ہیں تو ان کا اظہار ان طریقوں سے کیا جاتا ہے، لہٰذا وہ اجر وثواب کے مستحق ہیں کہ ان کی نیت فی سبیل اللہ ہے اور اللہ ہر عمل پر باعتبار نیت ثواب دیتا ہے۔

ر: ماشاء اللہ کیا حجت ہے؟ ایک متعلم اور ایک عاقل شخص کو یہ دلیل مطمئن نہیں کرسکتی ہے۔ یہ کس نے حق دیا ہے سید صاحب کو کہ وہ رسولؐ کے فرمان کے خلاف اسے صحیح قرار دیں۔ کیا وہ خلفائے راشدین سے بڑھ کر ہیں یا رسول اللہؐ کے اصحاب میں سے ہیں؟

د: محترم رزاق بھائی! کسی کے انتقال اور فراق میں کبھی کبھی غم واندوہ اس حد تک ہو جاتا ہے کہ متاثر افراد گریہ کے ساتھ عالم بے خودی میں طمانچے لگانے لگتے ہیں، کبھی کبھی گریباں چاک کر لیتے ہیں...... یہاں تک غنیمت ہے، لیکن جب ہوش میں رہتے ہوئے بدحواسی کا یہ عالم ہو کہ کلمات کفر زبان پر آجائیں تو یہ بے خودی جہالت وکفر میں داخل ہو جاتی ہے اور جاہلیت کو دعوت دینے لگتی ہے۔ عزائے حسینؑ میں جو مجلسیں ہوتی ہیں انھیں آپ نے بھی دیکھا اور سنا ہوگا، ان میں جاہلیت کی دعوت نہیں دی جاتی بلکہ قرآن اور سیرت محمدؐ وآلِ محمد کی روشنی میں حق کی دعوت دی جاتی ہے۔ جب واعظ مصائبِ کربلا بیان کرتا ہے تو زبردست گریہ وبکا ہوتا ہے اور بعد مجلس نوحہ وماتم بھی ہوتا ہے۔ مگر کبھی کسی رونے والے، ماتم کرنے

والے کی زبان پر جاہلیت کے کلمے نہیں ہوتے۔ محترم! عزائے حسینؑ ایک بہت ہی اہم مسئلہ ہے، اسے سمجھنے کے لئے تھوڑی تفصیل کی ضرورت ہے۔

عزائے حسینؑ کے مسئلے میں مسلمانوں کے درمیان مختلف نظریات ہیں، وہابی اور اہل حدیث اسے یکسر غلط، بدعت اور حرام کہتے ہیں۔ حنفی حضرات نذر‘نیاز‘ فاتحہ کی طرح عزاداری اور تعزیہ داری کو بھی باعث ثواب مانتے ہیں۔ صوفی لوگ اسے نجات کا ذریعہ قرار دیتے ہیں اور شیعہ حضرات عزاداری کو اجر رسالتؐ اور روح ایمان قرار دیتے ہیں، لیکن ہمیں ”جستجوئے منزل“ میں اس سے کیا مطلب کہ کون عزاداری کو کیسا سمجھتا ہے، ہمیں تو یہ تلاش کرنا ہے کہ اس سلسلہ میں قرآنی نظریہ کیا ہے اور سیرت انبیاء علیہم السلام کیا ہے۔ جب ہم تحقیق و جستجو کی راہ میں قدم اٹھاتے ہیں تو فطری طور پر چند سوالات ذہن میں اٹھتے ہیں مثلاً کیا حزن وملال کرنا یعنی گریہ‘ وبکا کرنا‘ آنسو بہانا جائز ہے؟...... اگر رونا جائز ہے تو کس حد تک؟ کب اور کس پر رونا جائز ہے؟ کیا حضور اکرمؐ نے گریہ فرمایا؟...... امام حسینؑ پر گریہ کرنا کیسا ہے؟ قرآن مجید اور مستند علماء اہل سنت کی کتاب سے جواب حاضر ہے ملاحظہ ہو۔

حزن وملال قرآن کی نظر میں: (۱) آں حضرتؐ بوقت ہجرت جب غار ثور میں چھپے اسوقت حضرت ابوبکر آپؐ کے ساتھ تھے، دشمن کے خوف اور جان کے خطرہ سے ان پر گریہ طاری ہوا۔ اللہ تعالیٰ کو انھیں سمجھانے کے لئے آیت بھیجنی پڑی لاتحزن ان اللہ معنا (گریہ نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے) یعنی حضرت ابوبکر نے اپنے آپ کو اور آنحضرتؐ کو خطرہ میں گھرا ہوا دیکھ کر گریہ کیا۔ رزاق بھائی! سچ بتایئے کہ حضرت ابوبکر جب قتل کے تصور سے گریہ فرمارہے تھے تو اگر دشمن کہیں سرکار دوعالمؐ کو قتل کردیتے تو اسوقت انکی کیا کیفیت ہوتی؟ افضل

الصحابہ ہونے کی حیثیت سے چیخیں مار کر روتے، گریبان چاک کرتے بلکہ جذبۂ محبت میں بے اختیار ہو کر اسوقت جو کچھ بھی کر لیتے کم تھا۔ اور ان کے اس عمل کو سنہرے حرفوں سے لکھا جاتا۔ لیکن قسمت میں یہ شرف نہ تھا بلکہ بے وقت اور بے جا گریہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کو پابندی لگانی پڑی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رونے کی آواز کے سہارے دشمن غار تک پہونچ جائیں اور نبی رحمت ؐ کو قتل کر دیں۔ بہر حال اس واقعہ سے صحابہ کا حزن وملال اور گریہ کرنا ثابت ہے۔

(۲) حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام دونوں اللہ کے نبی تھے یعنی معصوم تھے۔ حضرت یوسف کو انکے بھائیوں نے کنوئیں میں ڈھکیل دیا اور ان کا کپڑا خون میں رنگ کر واپس لوٹے اور اپنے والد بزرگوار حضرت یعقوبؑ سے کہا کہ یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا، حضرت یعقوبؑ کو اپنے سب سے چہیتے بیٹے کی جدائی کا بیحد صدمہ ہوا۔ ہائے یوسف! ہائے یوسف! کہہ کر اتنا روئے کہ ان کی آنکھوں کی پتلی بہہ گئی اور آنکھیں سپید ہو گئیں (وقال یا اسفیٰ علیٰ یوسف وابیضت عیناه من الحزن...... یوسف ۸۴)۔ اس قدر گریہ کرنے پر بھی اللہ تعالیٰ نے انھیں نہ منع کیا، نہ زجر وتوبیخ کی اور نہ ہی ان کے اس عمل کو برا کہا، یہانتک کہ 'بے صبرا' بھی نہیں کہا بلکہ فھو کظیم (وہ رنج وغم کو بہت برداشت کرنے والے تھے) کہہ کر حضرت یعقوبؑ کے صبر وضبط کی تعریف بھی کر دی۔ یعنی خدا کی نظر میں وہ بھی صبر وضبط وتحمل کا پیکر ہے جو کسی یوسف صفت یا فخر یوسف کی مظلومی اور اس کی جدائی پر اس حد تک بھی گریہ وشیون کرے کہ اسکی آنکھیں سفید ہو جائیں۔ یقیناً امام حسینؑ کی مظلومی اور انکی شہادت پر بیحد گریہ ہوتا ہے مگر پھر بھی مجھے نہیں معلوم کہ کبھی کسی شیعہ نے امامؑ پر اتنا گریہ کیا ہو کہ اس کی آنکھیں سفید ہو گئی ہوں۔ یعنی حضرات شیعہ فرزند رسول کا جس قدر بھی غم مناتے ہیں، بہر حال وہ حضرت یعقوبؑ کے رنج والم سے کم ہے۔

عبدالرزاق کاظم صاحب کا خط

ظفر حسین (علیکو انجینئرس) کے نام

جناب محترم ظفر حسین صاحب السلام علیکم

امید ہے کہ آپ سب بفضل اللہ خیریت سے ہوں گے اور ہم سب بھی اللہ کی مہربانی اور کرم اور آپ کی دعا سے سلامت ہیں۔ آپ حیران ہوں گے کہ میں یہ خط پہلی بار آپ کو لکھ رہا ہوں۔ آپ کی حیرانی بجا ہے کیوں کہ خط لکھنے کا میں عادی نہیں ہوں مگر آپ کی فرستادہ کتاب کا جواب دینا میرا فرض بن گیا جس کی وجہ سے یہ سطریں اور آپ کی کتاب کا نسخہ مع ریمارک کے آپ کو اپنی زوجہ سینہ کے ہاتھ روانہ کر رہا ہوں۔ بہت دنوں بعد یعنی اٹھائیس سال بعد میں اردو میں خط لکھ رہا ہوں اگر کوئی غلطی یا انجانے میں گستاخی ہو جائے تو مجھے معاف کر دینا۔ شروع کرنے سے پہلے ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے کسی لائق سمجھ کر ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی (تیونس) کی کتاب (مترجم حجۃ الاسلام علامہ السید ذیشان حیدر جوادی۔ ناشر ایمان فاؤنڈیشن نجفی ہاؤس، نشان پاڑہ روڈ بمبئی) میرے مطالعے کے لئے ارسال کیا تھا ــــــ کئی برس پہلے میں لکھنؤ سیر کے لئے گیا تھا۔ اسوقت بھی کچھ ایسی باتیں ہوئی تھیں کہ حضرت علیؓ سے لیکر حضرت حسینؓ تک کے اختلافات اور لڑائیاں نیز حضرت ابوبکر صدیقؓ سے لیکر یزیدؒ تک مذہبی تھیں یا نظریاتی پہلو سے تھیں؟ میں نے آپ لوگوں کو جواب دیا تھا کہ یہ سمجھنے کے لئے آپ کو کئی سال ہمارے یعنی عربوں کے درمیان رہ کر ہماری عادات واطوار اور افکار کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی آپ کو سمجھ میں آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قرآن میں اس بات پر زور دیا ہے کہ ہر شخص کو اپنے اعمال (اپنی افکار، اپنی سلوک) کا حساب خود کو ہی دینا ہے، دوسرے کے اعمال کا نہیں اور نہ ہی دوسرے کے کہنے یا چلنے

(۳) خدا کا دشمن فرعون اور اس کا لشکر جب غرقاب ہوا تو ان کے پاس باغات، چشمے کھیتیاں، عیش و طرب کے سامان، غرض ہر طرح کے عیش و عشرت کی چیزیں موجود تھیں۔ جنکی وارث دوسری قومیں ہوگئیں اور یہ بدقسمت دشمنِ خدا ایسی حسرتناک موت مرے کہ "فمابکت علیهم السماء و الارض (دخان ۲۸) نہ ان پر آسمان رویا اور نہ زمین روئی"...... محترم! یہ اللہ کا کلام ہے نہ بے معنی ہے اور نہ بے مقصد۔ فرعون اور اس کے ساتھی ظالم تھے، بداعمال تھے اور خدا کے دشمن تھے، جب وہ غرقاب ہوئے تو ان پر کوئی رونے والا نہیں تھا، نہ زمین پر اور نہ آسمان پر، یعنی ان کی بداعمالی ان پر گریہ کرنے کے جواز کو ختم کر رہی ہے اسی کے مقابلہ میں اگر وہ اللہ والے ہوتے، خوش کردار ہوتے، ظالم نہیں بلکہ صابر اور مظلوم ہوتے تو ان کے فراق پر اہل زمین بھی روتے اور اہل آسمان بھی۔ اب اگر ان کے حق میں آیت نازل ہوتی تو آیت کا انداز بدلا ہوا ہوتا کہ...... یہ ایسے اللہ والے تھے، دین کے محافظ تھے، ظلم پر صبر کرنے والے تھے کہ ان کی شہادت پر آسمان و زمین نے گریہ کیا۔ تفسیر در منثور سیوطی جلد ۶ ص ۳۱، میں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں علامہ جلال الدین سیوطی تحریر فرماتے ہیں "ابن ابی حاتم عبید کاتب سے روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم (صحابی رسولؐ) نے کہا کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی آسمان صرف دو آدمیوں پر رویا، جب یحییٰ ابن زکریاؑ قتل کیے گئے اور جب حسینؑ ابن علی قتل کیے گئے...... جب امام حسینؑ شہید ہوئے تو چار مہینہ تک آسمان سرخ رہا۔ عطار کہتے ہیں کہ آسمان کا رونا اس کے سرخ ہو جانے سے مراد ہے۔" عالمِ اہل سنت کے عظیم مورخ ابن اثیر جزری اپنی "تاریخ کامل جلد ۴ ص ۳۷' میں لکھتے ہیں "واقعہ شہادت (امام حسینؑ) کے بعد دو تین مہینہ تک طلوع آفتاب کے وقت سے کچھ دن چڑھے تک لوگوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مکانوں کی دیواریں خون آلود ہو رہی ہیں اور راس الجالوت سے روایت ہے کہ میں جب کبھی کربلا ہو کر

گذرتا تھا تو گھوڑے کو جلد اس سرزمین سے نکال لے جاتا تھا کیوں کہ ہم میں یہ مشہور تھا کہ زمین کربلا پر ایک نبی زادہ قتل ہوگا لیکن واقعہ شہادت امام حسینؑ کے بعد وہ خیال جاتا رہا اور میں نے کربلا سے گذرتے وقت گھوڑے کا بھگانا چھوڑ دیا۔" محترم! اس سلسلہ کی دو روائتیں اور پڑھ لیجئے (۱) مسلک حنفی کے امام و پیشوا مولانا مفتی ملا محمد مبین فرنگی محلی اپنی کتاب سر الشہادتین میں ص ۳۳ و ۳۴ پر لکھتے ہیں کہ "جب امام حسینؑ قتل ہوئے تو آسمان سے خون برسا اور بروایت بیہقی و ابو نعیم امام زہری سے مروی ہے کہ روز شہادت حسینؑ بیت المقدس میں جو پتھر اٹھایا جاتا تھا اسکے نیچے خون تازہ نظر آتا تھا، اور بروایت بیہقی علی ابن مسہر سے مروی ہے کہ میری جدہ ماجدہ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب حسینؑ قتل ہوئے تو میں اسوقت جوان تھی، میں نے دیکھا کہ آسمان چندروز حسینؑ پر گریاں رہا۔" ...... برادر محترم! جس مظلوم پر زمین و آسمان گریہ کناں ہوں اس پر زمین و آسمان کے بسنے والے آنسو نہ بہائیں تو حیرت ہے۔ (۲) علامہ محب الدین طبری اپنی مشہور عالم کتاب ذخائر العقبیٰ جلد ا ص ۱۴۲ و ۱۴۷ طبع قاہرہ ۱۳۵۶ھ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس روز سید الشہدا حضرت امام حسینؑ شہید ہوئے اس دن آسمان سے اتنی بارش ہوئی کہ برتنوں میں خون جمع ہو جاتا تھا، آسمان پر اندھیرا چھا گیا یہانتک کہ تارے نظر آنے لگے، لوگوں کو گمان ہوا کہ قیامت آگئی۔ آسمان پر ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔ جو پتھر بھی زمین سے اٹھایا جاتا اس کے نیچے سے خون تازہ ابلتا ہوا نظر آتا تھا۔ مسلسل تین روز تک اندھیرا چھایا رہا۔"

محترم رزاق بھائی! یہ ایک بدیہی بات ہے کہ جب فرعون جیسے بے دین اور ظالم شخص کی موت پر قرآن حسرت سے کہہ رہا ہے کہ اس پر نہ آسمان رویا اور نہ زمین تو اس روئے زمین پر کوئی نہ کوئی ایسا حق پرست اور مظلوم ضرور ہونا چاہئے کہ جس کی بے کسی اور مظلومی پر آسمان بھی گریہ کرے اور زمین بھی۔ اگر واقعہ کربلا نہ ہوتا

اوراس کے نتیجہ میں مندرجہ بالا حادثہ نہ رونما ہوا ہوتا تو قوم فرعون کے لئے جو قرآن پاک میں حسرت آمیز فقرہ ہے وہ تشنہ رہ جاتا اور ہمیشہ کے لئے ایک سوالیہ نشان بنا رہتا کہ ''وہ کون اللہ کا بندہ ہے جس پر آسمان و زمین نے گریہ کیا' جو اللہ کے کچھ نافرمان بندوں کی ہلاکت پر قرآن کہہ رہا ہے کہ اُن پر نہ آسمان رویا نہ زمین؟ کیا کہیں زمین و آسمان بھی کسی پر گریہ کرتے ہیں؟...... ''شہادت حسینؑ پہ زمین و آسمان کے انقلاب نے ثابت کردیا کہ قرآن کا ایک ایک لفظ مبنی بر حقیقت ہے' معنویت آشکار ہے، حق ہے اور مہمل نہیں ہے۔

شہادت حسینؑ پر ملائکہ کا گریہ: محبوب اہل سنت والجماعت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اپنی مشہور زمانہ کتاب ''غنیۃ الطالبین'' جلد۲ ص ۳۸ طبع مصر میں تحریر فرماتے ہیں۔ اخبرنا ابو نصر عن والده باسناده...... قال هبط علیٰ قبر الحسین بن علی ابن ابی طالب یوم احبب به سبعون الف ملك یبکون علیه الیٰ یوم القیامة...... یعنی (باسناد معتبر) ستر ہزار فرشتے قبر حسینؑ پر مقرر کئے گئے ہیں جو قیامت تک گریہ کرتے رہیں گے۔

گریہ وبکا سیرت پیغمبرؐ کی روشنی میں: (۱) آنحضرتؐ کے فرزند جناب ابراہیمؓ اپنی جان آفریں اللہ کے سپرد کر رہے ہیں۔ انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول خداؐ کی دونوں آنکھیں بہنے لگیں۔ پس عبدالرحمٰن ابن عوف نے آپؐ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپؐ روتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ اے ابن عوف! یہ تو ایک رحمت ہے۔ پھر آپؐ اور روئے اور فرمایا کہ آنکھیں رو رہی ہیں اور دل رنجیدہ ہے۔ اور ہم زبان سے نہیں کہتے مگر وہی بات جس پر ہمارا پروردگار راضی رہے۔ اے ابراہیم! ہم تمہاری جدائی سے یقیناً بہت رنجیدہ ومخزون ہیں۔'' (صحیح بخاری جلد اول کتاب الجنائز ص ۲۹۱)...... عزیز محترم! اب آپ ٹھنڈے دل سے

سوچئے اور خود ہی ان سوالوں کا جواب تلاش کیجئے کہ: (الف) عزیز فرزند کے انتقال پر رونا درست ہے یا نہیں؟ (ب) اگر ایک بیٹا اپنی طبعی موت سے مرتا ہے تو اس پر حضورؐ بہت گریہ فرماتے ہیں تو اس فرزند پر حضورؐ کے رنج والم کی کیا کیفیت ہوگی جو قرآن کے مطابق نبیؐ کا بیٹا قرار دیا گیا ہو (آیۂ مباہلہ)، جو انا من الحسینؑ کا مصداق ہو (حدیث مشکوٰۃ شریف) اور جو تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کیا گیا ہو (ج) نبی اکرمؐ مرنے والے پر خوب رونے کو رحمت قرار دیتے ہیں اور برادران اہل سنت کہتے ہیں کہ رونے سے مرنے والے پر عذاب ہوتا ہے......
بھلا کیسے؟

(۲) ''حضرت عبداللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ سعد ابن عبادہ بیمار ہوئے تو نبی ﷺ ان کی عیادت کے لئے عبدالرحمٰن ابن عوف، سعد ابن ابی وقاص اور عبداللہ ابن مسعود کے ہمراہ تشریف لائے۔ جب آپ وہاں پہونچے تو انھیں گھر میں بستر پر لیٹا ہوا پایا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا انتقال کر گئے؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ' نہیں! پھر نبی صلعم روئے جب لوگوں نے آپ کو روتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی رونے لگے پھر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ آنکھ سے آنسو بہانے پر عذاب نہیں کرتا اور نہ دل کے رنج والم پر' بلکہ ''اس وجہ سے'' عذاب کرتا ہے یا رحم کرتا ہے اور آپؐ نے زبان کی طرف اشارہ کیا۔'' (ص ب جلد اول کتاب الجنائز ص ۲۹۱)...... محترم رزاق بھائی! یہ ہے صحیح بخاری کی حدیث کا صحیح جز جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بچھڑنے والے پر گریہ کرنا سنت رسولؐ ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ زبان پر کلمہ کفر جاری نہ ہو۔ زبان سے اول، فول بکنے والا اور کفر کی باتیں کرنے والا یقیناً عقابِ الٰہی کا مستحق ہے۔ لیکن کفر کی باتیں کرنے والا عقاب و عذاب کا مستحق ہوگا نہ کہ (بے چارہ) مرنے والا۔ کیوں کہ دوسروں کے عمل کی ذمہ دار میت نہیں ہوسکتی۔ لاتزروازرۃ وزر اخریٰ کے تحت مرنے والا اپنے

پسمندگان یا دوست احباب واقارب کے عمل کے لئے جواب دہ نہیں ہوسکتا۔ اب مندرجہ بالا حدیث کا ''پیوند'' ملاحظہ ہو''......آپؐ نے زبان کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا بیشک میت پر اسکے اعزا کے رونے کی وجہ سے عذاب کیا جاتا ہے۔ اور ۔حضرت عمر رونے میں لوگوں کو لاٹھی اور پتھر سے مارتے تھے اور منھ میں خاک ڈالتے تھے''۔ محترم قارئین! ایک ہی روایت میں کیسا تضاد ہے کہ ایک طرف آنخضرتؐ خود گریہ فرماتے ہیں، انھیں دیکھ کر دیگر صحابہ بھی گریہ فرماتے ہیں پھر آنخضرتؐ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مرنے والے پر اعزا کے گریہ سے عذاب کیا جاتا ہے۔ پتہ نہیں کہ جب آنخضرتؐ گریہ فرما رہے تھے تو حضرت عمر کہاں تھے۔ اس روایت کی روشنی میں تو یہی کہنا پڑتا ہے کہ بڑی خیریت ہوگئی کہ حضرت عمر اس موقع پر موجود نہیں تھے ورنہ آنخضرتؐ کے ساتھ نہ جانے کیا سلوک ہوتا۔ محترم! روایت کا آخر الذکر ٹکڑا پیوند کی شکل میں اصل حدیث میں جوڑا گیا ہے، بنی امیہ کے محدثوں نے اس اضافہ کے ذریعہ ایک طرف اسلام دشمنی کا خاموش مظاہرہ کیا ہے اور دوسری طرف اپنے مظالم کی پردہ پوشی کی کوشش کی ہے۔ یہ اسلام دشمنی نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا اپنے مرنے والوں پر سُنی حضرات نہیں روتے؟ حضرت عمر کا کوئی شیدائی ہے جو ان کی سنت پر عمل کر کے سوگواروں کو لاٹھی اور پتھر سے مارے اور ان کے منھ میں خاک جھونکے۔ یقین کیجئے کہ آج کا مہذب سماج کسی ''مولانا'' یا ''مفتی'' کو اجازت نہیں دے گا کہ وہ کسی مرنے والے کے سوگواروں کو ایک ہاتھ بھی لگا سکیں، لاٹھی، ڈنڈے، پتھر اور منھ میں خاک ڈالنے جیسی وحشیانہ حرکتیں تو دور کی بات ہے یہ امرائے بنی امیہ کی منافقانہ حرکت ہے، جنھوں نے ایک تیر سے تین شکار کھیلنے کی کوشش کی ہے۔ (۱) اسلام کے وقار کو مجروح کرنا۔ (۲) میت پر رونے کی ممانعت کے ذریعہ اپنے مظالم پر پردہ ڈالنا تاکہ ان کے ظلم کے شکار مظلوم شہیدوں پر کوئی آنسو نہ بہا سکے اور نہ انھیں یاد کرے (۳) حضرت عمر کا دبدبہ قائم کرنا ولو بدنامی

کے دھبہ کے ساتھ ہو۔

مندرجہ بالا دعوے کی سند میں ایک اور وضعی روایت صحیح بخاری کے اسی باب میں ص ۲۹۰ پر ملاحظہ فرمایئے۔ ''حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ابوطلحہ کا ایک لڑکا بیمار ہوا اور وہ مرگیا تو انھوں نے کچھ سامان کر کے (یعنی غسل دے کر اور کفن پہنا کر) گھر کے گوشے میں اُسے رکھ دیا۔ پھر جب (رات کو) ابوطلحہ (گھر میں) آئے تو پوچھا کہ لڑکا کیسا ہے۔ ان کی بی بی (ام سلیم) نے کہا اس کی طبیعت کو سکون ہے اور میں امید کرتی ہوں کہ وہ آرام سے ہے۔ ابوطلحہ سمجھے کہ وہ سچ کہہ رہی ہیں۔ (یعنی ظاہری مطلب ان الفاظ کا مراد ہے، حالانکہ انھوں نے ظاہری مطلب مراد نہ لیا تھا) حضرت انس کہتے ہیں کہ ابوطلحہ شب کو اپنی بی بی کے پاس رہے۔ پھر جب صبح ہوئی تو غسل کیا اور باہر جانے لگے تب ام سلیم نے انھیں بتایا کہ لڑکا انتقال کر چکا ہے۔ پس انھوں نے نبیؐ ﷺ کے ہمراہ (صبح کی) نماز پڑھی۔ اسکے بعد ام سلیم سے جو کچھ واقعہ صدور ہوا اس کی اطلاع نبی ﷺ کو دی گئی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو اُن کی اس رات میں برکت دے گا۔ سفیان کہتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص (مجھ سے) کہتا تھا کہ میں نے ابوطلحہ کے تیس لڑکے دیکھے اور سب قاری قرآن تھے۔'' محترم رزاق بھائی! اب آپ اگر ماں کی مامتا اور مادری نفسیات سے ذرا بھی واقف ہیں تو ایمان سے بتایئے کہ کیا ایسا واقعہ رونما ہونا ممکن ہے؟ کہ ایک طرف بیٹے کی میت گھر میں رکھی ہو اور دوسری طرف بچے کی ماں شوہر کے ساتھ شب باشی کر رہی ہو؟؟ سونے پر سہاگہ یہ ہے کہ جب مرحوم بچے کا باپ صبح کو غسل کرنے کے بعد نبیؐ اکرم کے ہمراہ نماز صبح پڑھنے کے بعد رات کی سرگذشت سناتا ہے تو آپؐ بجائے سرزنش کرنے کے ہمت افزا کلمات ادا کر کے اس انسانیت سوز فعل کو مستحسن قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ ''امید ہے کہ دونوں کو اللہ تعالیٰ اس رات میں برکت عطا کریگا۔''

اس روایت کو پڑھ کر ایک غیر مسلم شخص اسلام کے بارے میں کیا نظریہ قائم کریگا؟ اسلام کو مذہب انسانیت کہے گا یا حیوانیت کا شاہکار قرار دیگا؟

محترم! اگر برا نہ مانئے تو عرض کروں ان روایات کے پردہ میں اسلام دشمنی کی ایک بڑی سازش ہے اپنے مظالم پر پردہ ڈالنے کے لئے، عیش وطرب کو جائز قرار دینے کے لئے اور اسلام کے پُرنور چہرہ کو مسخ کرنے کے لئے بنی امیہ نے حدیث سازی کا دفتر قائم کیا۔ شعائر اسلام کے خلاف، اہلبیت طاہرینؑ کی مخالفت میں اور شیعیان علیؑ کی دشمنی میں خوب خوب بے سر پیر کی حدیثیں اور روائتیں گڑھی گئیں۔ انھیں میں وہ روایت بھی ہے جو برادران اہل سنت کے بچوں بچوں کی زبان پر ہے کہ ''اعزا کے رونے سے مُردوں پر عذاب ہوتا ہے'' اس روایت میں بھی زور پیدا کرنے کے لئے حضرت عمر کو مہرہ بنایا گیا ہے۔ امام بخاری اپنی صحیح بخاری کے صفحہ ۲۸۷، پر تحریر فرماتے ہیں کہ ''جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو صہیب یہ کہہ کر رونے لگے کہ ''اے میرے بھائی!'' تو حضرت عمر نے فرمایا کہ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ مردے پر زندہ کے رونے کے سبب سے عذاب کیا جاتا ہے۔'' ...... کاش برادران اسلام عقل سے کام لیتے تو اس وضعی حدیث کا پردہ فاش ہو جاتا۔ صہیب کس پر رو رہے تھے، زندہ پر یا مردہ پر؟ ظاہری بات ہے کہ حضرت عمر کو زخمی حالت میں دیکھ کر رو رہے تھے، جو کہ ابھی زندہ تھے۔ پھر حضرت عمر مردہ پر رونے کی حدیث کیوں بیان کر رہے ہیں؟ اگر صہیب کو رونے سے روکنا ہی تھا تو کوئی ایسی حدیث بیان کرتے جس سے کسی زندہ کو تکلیف کی حالت میں دیکھ کر رونے کی ممانعت کی گئی ہوتی۔ اسکے علاوہ اللہ کی عدالت پر بھی نظر رکھئے۔ ایک طرف قرآن کہہ رہا ہے **لاتزر وازرۃ وزر اخریٰ** (کوئی ایک دوسرے کے عمل کا ذمہ دار نہ ہوگا) اور دوسری طرف **ماینطق عن الھویٰ** کا پابند نبیؐ (بقول حضرت عمر) یہ کہہ رہا ہے کہ روؤ گے تم اور تمہارے رونے

کی سزا ملیگی بیچارے مرنے والے کو!! بھلا یہ کہاں کا انصاف ہے؟ غالباً ایسی ہی روایتوں کا نتیجہ ہے کہ مذہب اہل سنت نے اصول دین سے اللہ کی عدالت کو خارج کر دیا۔ بہر حال میرا اپنا ذاتی خیال یہ ہے کہ یہ ایک وضعی روایت ہے جسے حضرت عمر کے سر منڈھ دیا گیا ہے۔

(۳) جنگ احد کے عظیم المرتبت سپاہی سید الشہدا حضرت حمزہؓ شہید ہو گئے اور اسلامی لشکر پریشان حال مدینہ میں داخل ہوتا ہے۔ سرکار دو عالمؐ نالہ وشیون اور گریہ و ماتم کی آوازیں سنتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ غمزدہ عورتیں اپنے اپنے شہیدوں پر رو رہی ہیں۔ مرسل اعظمؐ حضرت حمزہؓ کے مکان کے پاس پہونچتے ہیں، غمگین اور حسرت زدہ لہجہ میں فرماتے ہیں۔ "ہائے افسوس! حمزہ پر رونے والا کوئی نہیں!" اصحاب نے اپنی اپنی عورتوں سے کہا کہ جاؤ پہلے حمزہؓ کا ماتم کر لو پھر اپنے شہیدوں پر رونا۔ چنانچہ جب ان عورتوں کی صدائے گریہ وشیون آنحضرتؐ نے سنی تو انھیں دعائیں دیں۔ رضی اللہ عن کن وعن اولادکن وعن اولاد اولادکن (یعنی اللہ تم سے، تمہاری اولاد سے اور اولاد کی اولاد سے راضی و خوشنود ہو (مدارج النبوۃ جلد۲ ص ۲۰۸ اور طبقات ابن سعد جلد۳ ص ۱۰ او ۱۱)

(۴) جناب جعفرؓ کی شہادت پر بنت رسول اکرمؐ حضرت فاطمہ زہرا واعماہ! (ہائے چچا جان کہہ کر گریہ کر رہی تھیں۔ آنحضرتؐ نے سنا اور فرمایا یا علیٰ مثل جعفر فلتبك البوك یعنی جعفر جیسے شہیدوں پر رونے والوں کو رونا ہی چاہئے (سیرۃ الامین والمامون جلد۳ ص ۹۷ طبع الازہر مصر۔ استیعاب ابن عبد البر باب جعفر ص ۲۱۱)

محترم! مندرجۂ بالا دونوں واقعات کا تعلق عام مرنے والوں سے نہیں ہے بلکہ شہدا راہ خدا سے ہے۔ بعض برادرانِ اہل سنت کا یہ خیال ہے کہ شہید چونکہ مرتا نہیں بلکہ زندہ جاوید ہوتا ہے اسلئے ان پر گریہ وماتم کرنا درست نہیں، جیسا کہ

اقبال سہیل نے اپنے اس شعر کے ذریعہ مخالفین عزائے حسینؑ میں کافی شہرت حاصل کی۔

رو ئیں وہ جو قائل ہوں ممات شہدا کے
ہم زندہ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

اس شعر کے جواب میں لکھنؤ کے ایک مشہور ومعروف ہندو شاعر وشوناتھ پرشاد ماتھر کہتے ہیں۔

اپنا کوئی مرتا ہے تو روتے ہو تڑپ کر
اور سبط پیمبرؐ کا کبھی غم نہیں کرتے

ہمت ہو تو محشر میں پیمبرؐ سے بھی کہنا
ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

مندرجۂ بالا واقعات (جناب حمزہؓ و جناب جعفرؓ کی شہادت پر گریہ کی طلب) سے ثابت ہوتا ہے کہ "زندہ جاوید" پر گریہ کرنا نہ صرف جائز بلکہ فعل مستحسن ہے، جسکی خواہش پیغمبر اکرمؐ کر رہے ہیں۔

(۵) حضرت اویس قرنیؓ کو اپنی ضعیف والدہ کی خدمت میں مصروف ہونے کی وجہ سے حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع نہ مل سکا۔ جب جنگ احد میں آنحضرتؐ کا ایک دندان مبارک شہید ہو گیا اور اسکی خبر عاشقِ رسولؐ عربی جناب اویس قرنیؓ تک پہونچی تو آپ نے انتہائے محبت رسولؐ میں اپنا ایک دانت توڑ دیا۔ پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید یہ دانت آپ کا شہید نہ ہوا ہو تو دوسرا توڑ دیا۔ اسی طرح اپنے تمام دانتوں کو انکی محبت میں توڑ دیا۔" (الفقیہ امرتسر ص ۴ مورخہ ۱۴/دسمبر ۱۹۴۶ء) ..... محترم! آنکھوں سے آنسو بہنا، آہِ سرد کھینچنا، نالہ وشیون کرنا یہاں تک کہ جذبہ محبت میں ڈوب کر اپنے کو زخمی کر لینا یہ سب فعلِ مستحسن ہے بشرطیکہ یہ عمل سبب ہلاکت نہ ہو، نیت صاف ہو اور زبان پر کلمہ کفر جاری نہ ہو۔

محترم رزاق بھائی! یہ تو ایک فطری عمل یعنی گریہ کے جواز سے متعلق گفتگو تھی جو کہ قرآن اور سیرت کی روشنی میں پیش کی گئی۔ آیئے اب یہ بھی دیکھ لیں کہ فرزندرسول الثقلین حضرت امام حسینؑ پر گریہ کرنا کس حد تک درست ہے۔

عزاداریٔ حسینؑ سیرت رسولؐ کے آئینے میں:

(۱) جناب سلمہؓ (صحابیہ) سے روایت ہے کہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے پاس گئی تھی تو دیکھا کہ آپ رو رہی ہیں۔ میں نے وجہ دریافت کی تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے ابھی رسول اللہ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کا سر اور ریش مبارک خاک آلودہ ہے، میں نے عرض کی یا رسول اللہؐ میں یہ کیا حال دیکھ رہی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا کہ واقعہ قتل حسینؑ دیکھ کر آ رہا ہوں، جنکی شہادت بحالت اطاعت باری تعالیٰ کا میں گواہ تھا۔'' (ترمذی شریف ۲۶۶، مستدرک حاکم جلد۴ص ۱۹ و مشکوٰۃ شریف جلد۸ص ۱۳۹)

(۲) ''حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جبرئیل نے مقتل حسینؑ (کربلا) کی مٹی اور کنکریاں پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں پیش کیں۔ آنحضرتؐ نے اس کو ایک شیشی میں محفوظ کر دیا اور میرے سپرد کر دیا۔ ایک دن میں ہاتف کی آواز سن کر رونے لگی۔ شیشی کھول کر دیکھا تو مٹی اور کنکریاں خون ہو گئی تھیں...... یہ دن یوم عاشورہ تھا۔ (صواعق محرقہ ابن حجر مکی طبع مصر ص ۱۵)۔

(۳) شیخ عبدالقادر جیلانی جنھیں ہندوستان میں بڑے پیر کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، اپنی کتاب غنیۃ الطالبین جلد۲ص ۳۸ طبع مصر میں تحریر فرماتے ہیں۔ ''ابونصر نے ہمیں خبر دی کہ انھوں نے سندوں کے ساتھ اپنے باپ سے سنا ہے کہ ستر ہزار فرشتے قبر حسینؑ پر مقرر کئے گئے ہیں، جو تا قیامت ان پر روتے رہیں گے۔

(۴) علامہ سلیمان بلخی قندوزی نے اپنی کتاب ینابیع المودۃ جلد۲ص ۳۵۷ میں

سے وہ بری ہو جاتا ہے۔ ہر انسان کو جنت، کامیابی اور (گناہوں سے) چھٹکارا نجات حاصل کرکے ہی ملتا ہے۔ اور نجات کیسے ملتی ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں بڑی آسان اور مختصر اور جامع یعنی مکمل انداز میں ایک چھوٹی سی سورت، سورہٗ والعصر میں بیان کیا ہے۔ یہی ایمان کی جڑ ہے اسی کو پورا کرنے سے نجات ملے گی۔ اس سورہ میں جو سب سے پہلی بات ہے (وہ ہے) ایمان۔ اسکو میں مختصراً بیان کرونگا۔ ایمان یعنی مکمل یقین جس سے دل اور دماغ میں کسی بھی قسم کی لرزش یا لغزش ہونے نہ پائے۔ ایمان کس پر؟ اللہ وحدہٗ لاشریک پر، اس کے احکام پر۔ کس کے ذریعہ سے یہ احکام آئے؟ ایمان اس پر یعنی رسول اللہ ﷺ پر کہاں پر یہ احکام ہیں؟ سورتوں یعنی قرآن مجید میں۔ یعنی ایمان قرآن مجید پر۔ ان احکامات کو کیسے پورا کرنا ہے؟ اس پر عمل کرکے۔ کیا یہ احکامات (آنے کا سلسلہ) جاری رہیگا؟ نہیں۔ احکامات کا آنا مکمل ہو گیا اب اور آنا نہیں ہے۔ اس کا ثبوت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر پوری کر دی ''**الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی**—— کیوں اور احکام نہیں آئینگے؟ اسلئے کہ اب اور رسول یا نبی نہیں آئینگے۔ نبوت محمدؐ رسول اللہ پر ختم ہوگئی۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ''خاتم النبیین'' کہہ کر مخاطب کیا۔ نبوت کب ختم ہوئی؟ محمدؐ رسول اللہ کے اس دنیا سے رحلت فرمانے پر۔

رسول اللہؐ کی زندگی اور انکا اسوۂ حسنہ دو چیزیں ہمارے لئے مشعل راہ ہیں ایک جس سے ہمیں نجات ملے گی اور ہمارا انعام اللہ کی خوشنودی اور جنت ہوگی۔ دوسری جس سے ہم دوسری قوموں اور مذاہب کے لوگوں کے ساتھ امن سے رہ سکیں گے یعنی سلامتی کا راستہ جسے آجکل لوگ سیاست کہتے ہیں (اسلام میں سیاست کا مطلب ہے کسی بات کو مکمل اور واضح انداز میں بیان کرنا۔ مگر آجکل کی دنیا کی سیاست ہے دو معنی میں بات کرنا)۔

فضائل گریہ پر ایک تفصیلی باب قائم کیا ہے، جسکا عنوان ہے ''باب ساٹھواں ان احادیث کے ذکر میں جو امام حسینؑ اور اہلبیتؑ پر گریہ و بکا کرنے والوں کی کثرت ثواب کے بارے میں وارد ہو رہوئی ہیں۔'' اس باب میں علامہ قندوزی نے بہت تفصیل سے گریہ کرنے اور اسکے ثواب کے بارے میں گفتگو کی ہے جسے برائے کرم اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۵) ''ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے رسول خداؐ کو دوپہر کے وقت دیکھا کہ آپ خاک آلودہ چلے آرہے ہیں اور آپؐ کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے جس میں خون بھرا ہوا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ حسینؑ اور اسکے ساتھیوں کا خون ہے۔ میں نے اُسے لیا اور اپنے پاس رکھ لیا۔ (کافی عرصہ گذر جانے کے بعد) ایک دن خواب میں میں نے رسول اسلام کو باحال پریشان اور سر خاک آلودہ دیکھا...... بیدار ہونے پر جو شیشی دیکھی تو خون خالص تھا۔'' (مستدرک حاکم جلد ۴ ص ۳۹۸، مسند احمد بن حنبل جلد ا ص ۲۴۲ و ۲۸۳، مشکوٰۃ جلد ۸ ص ۱۴۰)

محترم! رزاق صاحب! امید ہے کہ مندرجہ بالا قرآنی آیات، مستند احادیث و روایات کی روشنی میں عزائے حسینؑ سے متعلق آپ کے شکوک و شبہات دور ہو گئے ہوں گے۔ علمائے اہلسنت نے، خصوصاً متقدمین نے گریہ و بکا کے حق میں بہت کچھ لکھا ہے جسے ذرا تفصیل سے یکجا کیا جائے تو کئی جلدوں میں ضخیم کتاب تیار ہو جائیگی۔ قارئین کرام کی مزید تشفی کے لئے چند بزرگ علماء اہلسنت کے فتاوے بھی پیش ہیں ملاحظہ ہو:

مفتیان اہل سنت اور جواز گریہ: (۱) مکہ معظمہ کے مفتی اعظم علامہ شہاب الدین ابن حجر مکی صواعق محرقہ، ص ۱۱۰، پر تحریر فرماتے ہیں۔ ''آپ اپنے کو

بچائیے پھر بچائیے، ایسا نہ ہو کہ ناصبیوں کی بدعات جو اہلبیتؑ رسولؐ کے خلاف تعصب رکھتے ہیں، کہیں آپ کرنے لگیں۔ یعنی فرح و سرور کو ظاہر کرنا اور عاشورہ کے دن عید منانا اور آرائش و زینت کرنا۔ جیسے خضاب کرنا، سرمہ لگانا اور نئی پوشاک پہننا اور خرچ میں فیاضی کرنا اور کھانے وغیرہ معمول سے زیادہ پکانا اور ان کا یہ سمجھنا کہ یہ امور مسنون ہیں، غلط ہے، بلکہ ان تمام امور کو ترک کرنا سنت ہے"۔

(۲) مولانا عبدالواحد حنفی (فرنگی محل لکھنؤ) جواز تعزیہ داری پر فتویٰ دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "علماء صالحین این عصر مراسم مذکورہ را از شعائر اسلام تصور فرمودہ قطعاً فتویٰ برائے ترویج و قیام آں دادہ اند۔ در خزینۃ المتقین مصرح است کہ مفتی را باید کہ بہ نظر حال و عصر و زماں فتویٰ دہد۔ پس ایں عصر و زمان علماء صالحین فتویٰ برائے ترویج و قیام تعزیہ امام مظلوم کہ دادہ اند نہایت بجا و مناسب است۔ و ترویج آن موجب ثواب و اجر عظیم و فتوائے علماء صحیح و ثواب است۔ و ہم چنیں علماء یقیناً مثاب خواہند شد۔ علاوہ بریں مراسم تعزیہ داری امام علیہ السلام از صد ہا سال جاری و مروج است۔ در زمان سلاطین اہل اسلام و متشرع مانند جلال الدین اکبر و جہانگیر و اورنگ زیب وغیرہ کہ در تمامی مسلک خود نافذ الامر کلی بودند۔ لوازم تعزیہ داری بوجہ احسن بتقدیم رسد" (مسلک اہلسنت اور عزاداری پر تحقیقی نظر از مولانا ابوالکمال شمسی حنفی مفتی اعظم ٹونک راجستھان)

ترجمہ: اس زمانہ کے علماء صالحین نے مراسم عزا کو شعائر اسلام میں قرار دیا ہے۔ اسکے قیام اور ترویج کے لئے انھوں نے قطعی فیصلہ صادر فرمایا ہے۔ خزینۃ المتقین میں تصریح سے موجود ہے کہ اپنے عصر کے مفتی کو زمانے کی ضرورت کے مطابق فتویٰ دینا چاہیے۔ پس اس زمانے میں علماء صالحین نے امام مظلومؑ کے تعزیہ کے قیام و ترویج کے لئے فتویٰ دیا ہے جو کہ نہایت بجا اور مناسب ہے۔ اور اسکی ترویج موجب ثواب و اجر عظیم ہے اور اس سلسلہ میں علماء کے فتاوے صحیح و

باعث ثواب ہیں اور ایسے علماء ثواب کے مستحق ہیں۔ اُسکے علاوہ امام (حسینؑ) کی تعزیہ داری کے مراسم سیکڑوں سال سے جاری اور مروج ہیں۔ جلال الدین اکبر، جہانگیر اور اورنگ زیب وغیرہ جیسے مسلم و متشرع شہنشاہوں کے زمانے میں بھی تمام مسلکوں میں یہ امر کلیۃً رائج تھا۔ تعزیہ داری کے لوازم بوجہ احسن ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔

(۳) حضرت ابوہرُیرہ کا فتویٰ: شیخ عبداللہ بن محمد بن عامر شافعی اپنی کتاب الاتحاف الاشراف مطبوعہ مصر ۱۳۱۷ھ کے ص ۳۸ پر تحریر فرماتے ہیں ”جب امام حسنؑ کی وفات ہوگئی تو مدینہ میں کہرام بپا تھا۔ ایک دوسرے سے کوئی ملتا نہ تھا مگر روتا ہوا ایسے عالم میں حضرت ابوہرُیرہ مسجد النبیؐ میں روتے ہوئے کھڑے ہوگئے اور چیخ چیخ کر کہنے لگے۔ ”لوگو! (گویا کہ) آج رسول اللہؐ کی وفات ہوگئی ہے اسلئے روؤ“

رونا بدعت نہیں فطرت ہے ___ سنی علماء کا ڈھاڑیں مار کر رونا' ایک سبق آموز مشاہدہ:

محترم! رزاق بھائی! یہ فطرت کا تقاضہ ہے کہ جب غم واندوہ کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں، کوئی محبوب شخصیت دنیا سے اٹھ جاتی ہے، کوئی عزیز ترین فرد ہمیشہ کے لئے چھوٹ جاتی ہے تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ رونے کے خلاف فتویٰ دینے والے بھی ایسے موقع پر ہوش کھو بیٹھتے ہیں۔ فتاوے بھول جاتے ہیں رونے سے مرنے والے پر عذاب ہوتا ہے جیسی ”صحیح“ حدیثیں بھول جاتے ہیں، اور فطرت کے پابند بنکر بے حساب گریۂ وزاری کرنے لگتے ہیں۔ اسوقت میرے سامنے روزنامہ ”راشٹریہ سہارا“ (اردو ایڈیشن) کا فقیہ الامت نمبر کھلا ہوا ہے جسمیں فقیہ الامت حضرت مولانا محمود حسن

گنگوہی کے حالات زندگی درج ہیں۔حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی اپنے مضمون بعنوان ''حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی کا آخری سفرِ افریقہ'' کے ذیل میں انکے انتقال کے وقت کی منظر نگاری کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں......''

آخر کار ۱۹ ربیع الثانی 1417ھ کی شام براعظم افریقہ کے شہر جوہانسبرگ میں (علم ومعرفت کا مہر عالمتاب) غروب ہوگیا......جس نے سنا اس پر غم واندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے،ہوش وحواس کھو بیٹھے۔دیکھتے دیکھتے ہسپتال کے پاس سوگواروں کا ہجوم اکٹھا ہوگیا......آخری دیدارِ میت کا منظر انتہائی غمناک تھا،مولانا (مفتی) ابراہیم صاحب شب ہی سے بے قابو تھے،جنازہ اٹھتے وقت حضرت کے قدم مبارک میں ہاتھ لگا دیا تو بالکل ہی بے قابو ہوگئے اور انکی حالت بہت غیر ہوگئی......تمام لوگوں کی خواہش تھی کہ نماز جنازہ مولانا ابراہیم صاحب پڑھائیں کیونکہ وہ اس منصب کے سب سے زیادہ اہل ہیں۔لیکن غم واندوہ کی تصویر بنے ہوئے مولانا ابراہیم صاحب خود اس امر کے لئے تیار نہ ہوسکے۔آخر کار مشورہ سے نماز جنازہ راقم الحروف (مولانا ابوالقاسم نعمانی) نے پڑھائی،نماز جنازہ کے دوران مجمع بے قابو تھا،لوگوں کی چیخیں نکل رہی تھیں......(بعد تدفین) ہر شخص غم واندوہ کا مجسمہ بنا ہوا تھا،ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے،مولانا ابراہیم لاکھ صبر کے باوجود بے قابو بنے ہوئے تھے......''

محترم رزاق بھائی! قابل فکر ہے کہ ان علماء ومفتیان کے دھاڑیں مار مار کر رونے اور چیخ کر گریہ کرنے سے یا جذبات غم کے تحت بے قابو ہوجانے سے کیا مفتی محمود حسن صاحب پر قبر میں عذاب ہوگا؟ ہر صاحبِ عقل کہے گا نہیں ہرگز نہیں! یہ تو فطرت کا تقاضہ ہے کہ جس کا جس سے جتنا لگاؤ ہوتا ہے وہ اسکے فراق پر اتنا ہی متاثر اور غم زدہ ہوتا ہے اب یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے کہ کوئی کسی عالم کی

وفات پر اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے اور کوئی مرسل اعظمؐ کے نواسے کی پُر درد شہادت پر دل کھول کر گریہ و ماتم کرے مولانا محمود حسن ایک عالم جلیل تھے لیکن نبیؐ کے جگر پارہ تو نہیں تھے، انکی طبعی موت واقع ہوئی تھی جسم پر تیر وتلوار کے زخم تو نہیں تھے۔ مولانا بھوکے پیاسے تو نہیں تھے، انکے سامنے قلب وجگر کے ٹکڑے خون میں غلطاں تو نہیں پڑے تھے...... مگر نبی اکرمؐ کے دلبند فاطمہ زہراؑ کے جگر بند علی مرتضیٰ کے فرزند سیدنا امام حسینؑ کے سامنے اٹھارہ سال کے کڑیل جوان بیٹے کا لاشہ تھا، برابر کے بھائی عباسؑ کے کٹے ہوئے بازو تھے، ۱۲ سال کے بھتیجے اور نوجوان بھانجوں کی لاشیں تھیں، حد یہ ہے کہ معصوم ششماہے بیٹے کی لاش جسکے گلے پر تین پھل کا تیر پیوست ہے اسے لئے ہوئے کبھی خیمہ کی طرف بڑھتے ہیں کبھی سوچتے ہیں کہ اس بچہ کی ماں جب پوچھے گی کہ کیا بچہ کو پانی پلا لائے تو میں رباب کو کیا جواب دونگا، یہ سوچ کر قدم رک جاتے ہیں......اور...... بالآخر بوڑھا باپ ذوالفقار سے ایک ننھی سی قبر بناتا ہوا نظر آتا ہے۔

ننھی سی قبر کھود کے اصغر کو گاڑ کے　　شبیرؑ اٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کے

وہ حسینؑ جب علی اصغرؑ کی شہادت کے بعد اب خود میدان شہادت میں نظر آتا ہے تو اسکے لئے ہر طرف سے تیروں کا مینھ برس رہا ہے، پتھر پڑ رہے ہیں، تلواریں جسم اطہر کو پارہ پارہ کر رہی ہیں......ایک بار شمر اُس گلے پر اپنا خنجر رکھ دیتا ہے جسے رسولؐ بوسہ دیتے تھے، سیاہ آندھیاں اٹھتی ہیں، زمین کو زلزلہ ہے، فضا میں آواز گونجتی ہے **الاقتل الحسین بکربلا......الاذبح الحسین بکربلا......**

یہی وہ شہادت ہے جس پر آسمان رویا، زمین روئی اور سارا زمانہ آج تک آنسو بہا رہا ہے۔ ہندو شاعر وشوناتھ پرشاد ماتھر کا شعر پھر یاد آرہا ہے۔

اپنا کوئی مرتا ہے تو روتے ہو تڑپ کر　　اور سبطِ پیمبرؐ کا کبھی غم نہیں کرتے؟؟؟

فاعتبروا یا اولی الابصار

ت: وہاں (کربلا) پہونچ کر مجھے اندازہ ہوا کہ شہید کربلا امام حسینؑ ابھی زندہ ہیں اور لوگ پروانہ وار ان کی ضریح کے چکر لگا رہے ہیں۔ اور اس سوزش قلب اور فریاد وفغاں کے ساتھ گریہ کر رہے ہیں کہ اس کا نمونہ میں نے کہیں نہیں دیکھا تھا، گویا امام حسینؑ ابھی شہید ہوئے ہیں۔ میں نے خطباء کو بھی دیکھا کہ وہ واقعات کربلا بیان کر کے سامعین کے شعور کو گرما رہے ہیں اور شورِ گریہ شیون بلند ہے اور کوئی شخص اپنے نفس پر قابو نہیں رکھتا ہے۔ یہ حالات دیکھ کر میں نے بھی بیحد گریہ کیا اور عنان نفس میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اور اس گریہ کے بعد میں نے ایک نفسانی سکون کا احساس کیا جو اس سے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا گویا کہ میں دشمنان حسینؑ کی صفوں میں تھا اور آج اتباع اور اصحاب حسینؑ کی صفوں میں آ گیا ہوں جو ان پر جان قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔ اس وقت خطیب حُر بن یزید ریاحی کی داستان بیان کر رہا تھا جو لشکر یزید کی طرف سے امام حسینؑ کے قتل پر مامور تھا، سامنے آ کر رک گیا اور معرکہ میں لرزنے لگا۔ اور جب کسی نے پوچھا کہ کیا آپ موت سے ڈر رہے ہیں تو اس نے کہا کہ لا واللہ میں اپنے نفس کو جنت اور جہنم کے درمیان پاتا ہوں اور اسکے بعد گھوڑے کو ایڑ لگا کر لشکر حسینؑ کی طرف یہ کہہ کر چلا کہ فرزند رسولؐ! کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟...... یہ سن کر میں اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکا اور شدت گریہ سے زمین پر گر پڑا اور گویا کہ میں حُر کی منزل میں تھا۔ اور آواز دے رہا تھا کہ فرزند رسول کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ فرزند رسول میری خطا کو معاف کر دیں۔ خطیب کی آواز بے حد موثر تھی۔ اور لوگوں کے نالہ وشیون کی آواز بے حد بلند تھی، میرے دوست نے میرے گریہ کی آواز سنی اور مجھے گلے سے لگا لیا۔ اور حالت گریہ میں مجھے سینہ سے لگا کر اس طرح اظہار محبت شروع کر دیا جس طرح ایک مادرِ مہربان اپنے بچے پر مہربانی کرتی ہے۔ اس کی زبان پر مسلسل یا حسینؑ یا حسینؑ کی آواز تھی۔ یہی وہ چند لمحے تھے جن میں میں نے حقیقی

گریہ اور واقعی شیون کا احساس کیا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ میرے آنسو میرے قلب اور میرے جسم کو اندر سے دھو رہے ہیں اور میں رسول اکرمؐ کے اس ارشاد کے معنی محسوس کر رہا تھا ''اگر تمہیں ان باتوں کا غم ہوتا جن کا مجھے ہے تو تمہاری ہنسی کم اور گریہ زیادہ ہو جاتا۔''

ر: یہ شخص حقیقت پسند بات کو حقیقت سے ثابت کرنے کے بجائے ڈرامائی انداز میں کیوں بیان کر رہا ہے؟ یہ منظر اور ماحول تو ہر سال محرم کے مہینہ میں کئی دنوں تک چلتا رہتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کیا یہ جائز ہے؟ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ رسولؐ نے کہا کہ کسی کو بھی کسی کے مرنے کا سوگ تین دن سے زیادہ نہیں منانا جائز ہے، سوائے اس عورت کے جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو۔ اس عورت کو چار مہینے اور دس دن کے سوگ کی اللہ کی طرف سے اجازت ہے۔

د: محترم! یہ ڈرامہ نگاری نہیں ہے بلکہ ایک منکرِ عزائے حسینؑ کے دل پر انکشاف حقیقت کے بعد گزرنے والی کیفیت ہے۔ روضہ حسینؑ پر ہر پہونچنے والے کی کم وبیش یہی کیفیت ہوتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ اس حقیر کو جب حج وزیارات کی سعادت حاصل ہوئی تھی تو میرے قافلہ میں سُنی حضرات بھی تھے جنھیں سرکار رحمت دو عالمؐ کے روضہ کی جالی سے لپٹ کر اشک افشانی کا موقع فراہم نہ ہوسکا تو کربلا میں نواسے کے روضہ کی جالی سے لپٹ کر بے اختیاری میں پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ بھی انشاء اللہ جب روضہ حسینؑ مظلوم کی زیارت کے لئے کربلا جائیں گے تو یہی کیفیت آپ پر بھی طاری ہوگی۔ مقتل میں پہونچنے کے بعد اگر کوئی خطیب کربلا کے مصائب بیان کرے تو پتھر سے زیادہ سخت دل بھی پگھل جائیگا۔ کربلا کے مصائب تو ایسے ہیں کہ اسے سن کر مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی انسانیت کی بنیاد پر رو پڑتے ہیں۔ ہندوستان میں بنارس کو بتوں کا شہر کہا جاتا ہے۔ وہاں ایک محلّہ گائے گھاٹ ہے، جہاں

کم وبیش ایک کلومیٹر کے دائرے میں ایک بھی مسلم گھر نہیں ہے۔ ۶ رمحرم کو عزاداروں کا جلوس ذوالجناح اس محلّہ سے عموماً دن میں ۱۰ سے ۱۲ بجے کے درمیان گذرتا ہے۔ دورویا ہندو مرد وزن اور انکے بچے ہاتھ جوڑے ہوئے سر جھکائے کھڑے رہتے ہیں۔ عورتوں کی آنکھوں میں آنسو ہوتا ہے اور وہ جلوس عزا کے آگے سڑک پر دودھ بہاتی ہیں۔ جب میں نے پہلی بار یہ منظر دیکھا اس وقت غالباً میں ہائی اسکول کا طالب علم تھا، میں نے ایک ہندو بزرگ سے دودھ بہانے کا سبب پوچھا تو انھوں نے نہایت محبت سے جواب دیا کہ ''ہم کافر ضرور ہیں لیکن ہمیں امام حسینؑ سے انسانیت کی بنیاد پر بیحد محبت ہے۔ یہ ہماری عورتیں کربلا کے چھ مہینے کے بھوکے پیاسے بچے علی اصغرؑ کی یاد میں دودھ کا نذرانہ پیش کرتی ہیں کہ کاش ہم کربلا میں ہوتے تو ہم ایک دکھیاری ماں کی گود نہ اجڑنے دیتے، معصوم بچہ بھوک اور پیاس سے نہ تڑپتا، کسی ظالم کو ننھے سے بچے کے گلے پر تیر نہ لگانے دیتے، ماں کا دودھ اگر خشک ہوگیا تھا تو ہم اُسے شیر پیش کرتے...... کیسے اتیا چاری (ظالم) تھے وہ لوگ جنھوں نے بچے کے لئے پانی مانگنے پر اسکی گردن پہ تیر چلادیا اور بھوکا پیاسا شیر خوار بچہ باپ کے ہاتھوں پر تڑپ کر مرگیا......'' جس وقت وہ اپنی ہندی زبان میں یہ باتیں بیان کررہا تھا تو اسکی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور سننے والے بھی رورہے تھے۔ جوشؔ ملیح آبادی نے سچ کہا ہے

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

محترم رزاق بھائی! آپ نے ایک طرف ڈاکٹر تیجانی کی مندرجۂ بالا تحریر کو ''حقیقت پسند'' بات لکھا ہے اور دوسری طرف اس کے جواز کا سوال بھی اٹھایا ہے غالباً ایک ضمیر کی آواز تھی، جواس درد کے تحت تھی جو اسلام کے لئے آپ کے دل میں موجزن ہے اور دوسری اس مسلک کی ترجمان ہے جس پر آپ گامزن ہیں بہر حال جواز گریہ پر جو دلائل پہلے ہی پیش کئے جاچکے ہیں، امید ہے کہ آپ

اس سے مطمئن ہو گئے ہوں گے۔

ت: میرے شیوخ اس واقعہ (کربلا) کا تذکرہ صرف اس انداز سے کیا کرتے تھے کہ جن دشمنانِ اسلام اور منافقین نے سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ اور سیدنا علیؓ کو قتل کیا تھا انھوں نے ہی سیدنا حسینؑ کو بھی قتل کیا ہے اور مجھے اس کے علاوہ کچھ نہیں معلوم تھا بلکہ ہم روز عاشورہ جشن منایا کرتے تھے کہ یہ اسلامی عید ہے جس میں مال کی زکوٰۃ نکالی جاتی ہے، عمدہ کھانے پکائے جاتے ہیں اور بچے بزرگوں کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں تا کہ ان سے عیدی لے کر مٹھائیاں اور کھلونے خرید سکیں۔

ر: اس شخص کو چاہئے کہ معلوم کرے کہ عاشورہ کیا ہے۔ کیا یہ واقعہ کربلا سے پہلے سے موجود ہے اور ہمارے نبیؐ رسول اللہؐ عاشورہ کو کیا سمجھتے تھے اور اس دن کیا کرتے تھے اور کیسے مناتے تھے؟

د: عاشورہ یقیناً ایک محترم دن ہے، خصوصاً واقعہ کربلا کے بعد، لیکن عاشورہ کے دن عید منانا، خوشی کرنا، تحفہ تحائف بھیجنا سنتِ یزیدی ہے۔ کربلا میں امام حسینؑ اپنی اولادؑ، اعزا، اصحابؑ وانصار کے ساتھ شہید ہو گئے، بظاہر یزید کو فتحیابی ہوئی اس لئے اس نے خوشی منائی، روزہ رکھا، تحفے تحائف تقسیم کئے اور عید جیسا جشن منایا۔ محترم! عہد بنی امیہ میں جہاں دوسری، لاکھوں کی تعداد میں حدیثیں وضع کی گئیں وہیں اپنے مظالم پر پردہ ڈالنے کے لئے روز عاشورہ سے بھی منسوب حدیثیں تیار کی گئیں۔ سوچی سمجھی اسکیم اور پلاننگ کے تحت حدیثیں اور فرضی روایتیں گڑھی گئیں اور عام کی گئیں تا کہ یوم عاشورہ کو یوم عید بنا دیا جائے تو بچوں کے سادہ ذہن پر عید اور جشنِ مسرت کا دلنشیں سماں ثبت ہو جائیگا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہی نقش کالجر بن جائیگا۔ جو نسلاً بعد نسلٍ چلتا رہیگا اور ایک وقت آئیگا جب یہ اسلام کا جزو لاینفک بن جائیگا۔ پھر حقائق تک پہونچنا ہر مسلمان کے بس کی بات نہ ہوگی بس وہی اس حقیقت تک پہونچ سکے گا جو حق کی جستجو میں خلوص نیت سے قدم

اٹھائیگا اور جسے توفیقات الٰہی بھی قسمت سے حاصل ہونگی۔

محترم! آپ نے پوچھا ہے کہ کیا واقعہ کربلا پہلے سے موجود ہے؟ اس کے جواب میں توریت، زبور اور انجیل یعنی آسمانی کتب سے چند اقتباسات پیش ہیں، جنہیں حقیر نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں ''کتاب مقدس'' کے مطالعہ کے دوران حاصل کیا اور میرے لئے سکون کا سبب بنے۔ امید ہے کہ آپ بھی پڑھ کر سکون محسوس کریں گے اور حقیقت تک رسائی میں دشواری نہ ہوگی۔ ( ) بریکٹ میں تشریح ناچیز کے قلم سے ہے۔

غم حسینؑ آسمانی کتب، توریت، زبور، اور انجیل مقدس میں:

توریت کی کتاب ''احبار'' کے تیئسویں باب کی آیت ۲۳ سے ۳۲ تک ملاحظہ ہو۔ ''خداوند نے موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا کہ بنی اسرائیل سے کہدو کہ ساتویں مہینے (بنی اسرائیل کا قمری سن ماہ رجب سے شروع ہوتا تھا، جسکے حساب سے ساتواں مہینہ ماہ محرم ہے) کے پہلے دن سے تمہارے لئے ایک سبت (یعنی عشرہ) ہوگا۔ بطور یادگار قرناؤں کو پھونکنا (یعنی اعلان کرنا) اور مقدس مجمع ہو☆ تم کوئی دنیاوی کاروبار نہ کرنا، اور خداوند کے حضور آتشیں قربانیاں نذر کرنا (یعنی پکوان پر فاتحہ، نذر دلانا) اور خداوند نے موسیٰ سے کہا، اسی ساتویں مہینہ کی دسویں تاریخ کو کفارہ کا دن ہے اس روز تمہارا مقدس مجمع ہو☆ اور تم اپنی جانوں کو دکھ دینا (یعنی سب ایک جگہ جمع ہو کر مجلس عزا منعقد کرنا اور گریہ و ماتم کرنا) اور خداوند کے حضور آتشیں قربانی گذارنا☆ تم اس دن کسی طرح کا کام نہ کرنا کیوں کہ وہ کفارہ کا دن ہے☆ جو شخص اس دن غمگین نہ ہوگا وہ قوم سے کٹ جائیگا☆ اور جو شخص اس دن کوئی کام کریگا اسے اس کی قوم سے فنا کردونگا☆ پس تم اس دن کسی طرح کا کام مت کرنا☆ تمہارے گھروں میں پشت در پشت سدا یہی آئین رہے گا☆ یہ سبت

جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا کہ عربوں کے درمیان رہ کر انکی زندگی، خاندان، ماحول، افکار اور نظریات کا مشاہدہ کرنے سے آپ کو تاریخ سمجھ میں آئیگی۔ خیر میں زیادہ اس بات پر اسوقت تبصرہ نہیں کرنا چاہتا۔ میرا مقصد تو صرف آپ کی بھیجی ہوئی کتاب کا مختصر جواب دینا ہے۔ جو کہ آپ کو اس کتاب کے صفحوں (کے حاشیہ) پر لکھی ہوئی ملے گی۔

اس کتاب پر (تبصرہ) پڑھنے سے پہلے میں آپ کو اپنی زندگی کے حالات گوشگذار کرنا چاہتا ہوں تا کہ آپ مجھے بھی اچھی طرح سے جان لیں اور آپ کے دل میں کوئی شک وشبہ نہ رہ جائے کہ میں سنیوں کی پیداوار ہوں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میں عرب ہوں اور عربی ذہن اور خیالات رکھتا ہوں (ا) عرب کیا ہیں؟ ___ اسلام قبول کرنے کے بعد عرب نے ایک نیا روپ اختیار کیا تھا جو آج تک ویسے ہی پایا جاتا ہے۔ وہ نیا روپ کیا ہے؟ ___ عرب ایک منصفانہ قوم ہے جو عدل وانصاف پر عمل کرتی ہے۔ ان میں تعصب نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ کشادہ خیال کے لوگ ہیں۔ پست خیالی یا بدمزاجی انکی نسل میں نہیں ہے۔ بڑے فراخدل ہیں۔ دشمنوں تک کو معاف کردیتے ہیں۔ سخی مزاج ہیں۔ ایسی ہی کئی خوبیاں ہیں جنکو بیان کرنے میں کئی صفحوں کی کتاب مکمل ہوسکتی ہے۔ یہاں پر میں صرف کشادہ خیال اور تعصب کی مثال دونگا۔ آپ دنیا کی جس سُنی عرب حکومت میں داخل ہوں گے اس ملک کے ہر شہر میں آپ کو شیعوں کی مسجد ملے گی۔ یعنی وہاں کی حکومت اجازت دیتی ہے کہ اگر شیعہ چاہیں اپنی مسجد بنوائیں۔ دوسری بات اپنی بہن سینہ سے پوچھ لیں کہ اگر غلطی سے بھی کوئی شیعہ ہماری مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ وہ شیعہ ہیں، ہم پھر بھی ان کو کچھ محسوس ہونے نہیں دیتے اگر میں آپ کے ساتھ یہاں شیعہ مسجد میں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھوں یا انھیں معلوم ہو جائے کہ میں سُنّی ہوں تو پھر دیکھئے وہ کیا کہتے ہیں۔ اگر مجھے

تمہارے لئے تمام کاروبار ترک کرنے کا سبت ہوگا☆ اور تم اسی مہینے کی نویں تاریخ کی شام سے (یعنی شب عاشور سے) دوسرے دن کی شام تک (یعنی شام غریباں تک) اپنے آپ کو غمگین بنانا اور کوئی دنیاوی کام نہ کرنا☆" یہ تو توریت سے ایک اقتباس تھا اب آیئے ذرا انجیل مقدس کا مطالعہ کیجئے۔ انجیل مقدس میں ایک کتاب ہے "یوحنا عارف کا مکاشفہ" اس میں حضرت عیسیٰؑ نے اپنے مخصوص حواری جناب یوحنا پر ان باتوں کو ظاہر کیا جو مستقبل میں ہونے والی تھیں، جیسا کہ اس کتاب کی ابتدائی آیتوں سے واضح ہے کہ۔ "ان باتوں کا مستقبل میں ہونا ضرور ہے☆ اس کتاب (یعنی یوحنا عارف کا مکاشفہ) کا پڑھنے والا اور اسکے سننے والے اور جو کچھ اسمیں لکھا ہے اس پر عمل کرنے والے مبارک ہیں☆ کیوں کہ وہ وقت نزدیک ہے☆ ......" مکاشفہ یوحنا میں نہایت فلسفیانہ انداز میں اشاروں کنایوں اور استعاروں میں مستقبل کے حالات درج ہیں۔ جسے سمجھنے اور سمجھانے کے لئے کھلے دماغ اور حقیقت پسند فکر کی ضرورت ہے۔ انجیل مقدس میں مکاشفہ یوحنا کی عبارت ملاحظہ ہو...... "دیکھو وہ بادلوں کے ساتھ آنے والا ہے اور ہر ایک آنکھ اسے دیکھے گی اور جنھوں نے اُسے چھیدا تھا وہ بھی دیکھیں گے اور زمین پر کے سب قبیلے اس کے سبب سے چھاتی پیٹیں گے☆ بیشک آمین، (باب ۱ آیت ۷)...... جو اول و آخر ہے وہ یہ فرماتا ہے کہ میں تیری مصیبت اور غربت کو جانتا ہوں مگر تو دولتمند ہے۔ اور جو اپنے کو...... (ہدایت یافتہ) کہتے ہیں اور ہیں نہیں بلکہ شیطانوں کی جماعت ہیں☆ ان کے لعن وطعن کو بھی جانتا ہوں☆ جو دکھ تجھے سہنے ہوں گے ان سے خوف نہ کر☆ دیکھو! ابلیس تم میں سے بعض کو قید میں ڈالنے کو ہے تا کہ تمہاری آرائش ہو، اور دس دن تک مصیبت اٹھاؤ گے☆ جان دینے تک بھی وفادار رہے تو میں تجھے زندگی کا تاج دونگا" (باب ۲ آیت ۸ تا ۱۰)...... آج حسینؑ کا عالمگیر غم شاہد ہے کہ اس روئے زمین پر صرف ایک واقعۂ کربلا ہی ایسا

واقعہ ہے جس پر دنیا کے سبھی قوم و قبیلے اپنی چھاتیاں پیٹتے ہیں۔امریکہ، چین، جاپان، مڈل ایسٹ، روس، ہندو پاک کون سی ایسی جگی ہے جہاں حسینؑ کا ماتم نہیں ہوتا ہندو مسلم سکھ عیسائی سبھی حسینؑ کے ماتمدار نظر آتے ہیں۔ ہندوستان میں سردار کیہر سنگھ (سیتاپور) کی سکھ سرداروں کی انجمن ہے جنکے ایک نوحے کا مشہور شعر ہے۔

بھارت میں اگر آجاتا ہر دئے (دل) میں اتارا جاتا
یوں چاند بنی ہاشم کا دھوکے سے نہ مارا جاتا

اسی طرح اہل ہنود کی بے شمار انجمنیں ہیں۔ماہل (اعظم گڑھ) کی انجمن ''حسینی یووک دل'' کے صاحب بیاض ہندو شاعر بلدیو پرساد یادو امام حسینؑ کی محبت میں ڈوب کر کہتے ہیں۔

اہل ولا تو پڑھتے ہیں کلمہ رسولؐ کا
ہم ہندوؤں نے پڑھ لیا کلمہ حسینؑ کا

حسینؑ کے ماتمدار ایک اور ہندو شاعر بنارسی لال ورما کہتے ہیں۔

آگ دوزخ کی جلائیگی تجھے کیا ورما
تیرے سینے پہ نشاں ماتمِ شبیرؑ کے ہیں

محترم! یہ تو تھی چھاتی پیٹنے کی بات جو کتاب کے پہلے باب میں بیان ہوئی دوسرے باب میں نہایت جامع انداز میں کربلا کی تفصیل بھی لکھ دی گئی کہ بات صرف بھوک و پیاس کی صبر آزما مصیبتوں اور شہادت تک محدود نہیں ہے بلکہ اسکے بعد قید کی منزلیں بھی ہیں اور یہ قید و بند کی سخت ترین مصیبتیں بڑی آزمائش کی منزل ہے۔ یزید کا دربار سجا ہوا ہے۔ سات سو کرسی نشینوں کے ساتھ ہزاروں تماش بینوں کا مجمع ہے اور انکے درمیان نبیؐ کی نواسیاں رسن بستہ، بے مقنع و چادر لا کر

کھڑی کی جارہی ہیں۔ فاطمہ زہراؑ کی بیٹیاں (وہ فاطمہ جس کا جنازہ شب تار میں اٹھا اسکی بہو بیٹیاں) یزید کے بھرے دربار میں بالوں سے اپنا پردہ کررہی ہیں اور شمر تعارف کرارہا ہے هذه بنات رسول الله.......... مرسل اعظمؐ کے گھرانے کے لئے اس سے زیادہ آزمائش کی گھڑی اور کیا ہوسکتی ہے!! پھر امام حسینؑ سے خطاب ہوتا ہے کہ ''دس دن تک مصیبت اٹھاؤ گے۔'' یہ عشرہ محرم کی طرف اشارہ ہے۔ پہلی محرم سے کربلا کی مصیبتیں شروع ہوئیں جب جناب حُر کے لشکر نے امام حسینؑ کو سرزمین کربلا پر اترنے پر مجبور کیا اور دس محرم واقعہ کربلا کی انتہا ہے جب نبیؐ کا نواسہ مع اصحاب وانصار کے بھوکا پیاسا شہید کردیا گیا...... ''جان دینے تک بھی وفادار رہے تو میں تجھے زندگی کا تاج دونگا......'' وہ کون ہے جسکا بدن زخموں سے چور ہے، جو صبح عاشور سے عصر عاشور تک بہتر (۷۲) لاشیں اٹھا چکا ہے، جو اپنے ہاتھوں پر اٹھارہ سال کے جوان بیٹے کے سینے سے برچھی کا پھل نکال چکا ہے...... وہ کون ہے؟ جو سجدہ میں سر رکھے ہوئے شکر الٰہی بجالا رہا ہے، ایک طرف شمر کا پس گردن سے خنجر رواں ہے تو دوسری طرف کٹتے ہوئے گلے سے سبحان ربی الاعلیٰ سبحان ربی الاعلیٰ سبحان رب الاعلیٰ کی صدا آرہی ہے...... اور مالکِ حقیقی آواز دے رہا ہے یاایتها النفس المطمئنة ارجعی الیٰ ربك راضية مرضية☆ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی ☆...... اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف پلٹ آ اس حال میں کہ تو اپنے رب سے راضی ہے اور تیرا رب تجھ سے راضی ہے۔ (تیری بندگی پر مجھے ناز ہے پس) اے میرے بندے میری جنت تیرے حوالے ہے، یہ وہ عظیم سجدہ تھا جس پر حضرت نذیر بنارسی کہتے ہیں۔

تہہ شمشیر سجدہ اور اتنا معتبر سجدہ   بتا او بے نیاز! اب بندگی کا اعتبار آیا

خدا کی راہ میں امام عالیمقامؑ نے سجدہ کی حالت میں صبر وشکر کے ساتھ اپنی جان پیش کردی اور پروردگار عالم نے سید الشھدؑ اکو زندگی کا تاج عطا کردیا۔ قرآن نے آواز دی لاتحسبن الذین قتلوافی سبیل الله امواتا ؒ خبردار! خدا کی راہ میں قتل ہونے والے کو کبھی مردہ گمان بھی نہ کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں اور انھیں اپنے پروردگار کی طرف سے رزق ملتا ہے۔'' (سورہ آل عمران ۱۶۹) اسی طرح سورہ بقر میں یہ بھی بتادیا گیا'' کہ تمھیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہے'' مگر جو صاحبان عرفان ہیں وہ انکی روحانی زندگی سے فیض حاصل کرتے رہتے ہیں۔ یہ حسینؑ اور انکے ساتھی تھے جو جان دینے تک اللہ کے وفادار رہے اور انھیں زندگی کا تاج حاصل ہوگیا۔

یزید ایک درس عبرت: محترم! آیئے، اسی کتاب مقدس میں ''یسعیاہ'' کی انجیل پڑھئے اور عبارت کو یزید پر منطبق کرکے دیکھئے کہ واقعہ کربلا کے ذمہ دار یزید کے عبرتناک انجام کی خبر پہلے سے آسمانی کتب میں موجود ہے اور آج تک محفوظ ہے۔ ''شاہ بابل (یعنی یزید) کے خلاف یہ مثل لائی گئی اور کہا جائیگا کہ ظالم کیسا نابود ہوگیا اور غاصب کیسا نیست ہوا (تخت خلافت وامارت پر یزید کا غاصبانہ قبضہ تھا یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ امیر معاویہ نے صلح امام حسنؑ کی شرائط کے خلاف یزید جیسے شرابی، فاسق وفاجر کو تخت خلافت وامارت پر متمکن کردیا) خداوند نے شریروں کا لٹھ یعنی بے انصاف حاکموں کا عصا توڑ ڈالا...... اے صبح کے روشن ستارے تو کیونکر آسمان پر سے گر پڑا! اے قوموں کو پست کرنے والے! تو کیوں کر زمین پر پٹکا گیا...... تو تو اپنے دل میں کہتا تھا میں آسمان پر چڑھ جاؤنگا، میں اپنے تخت کو ستاروں سے بھی اونچا کردونگا...... اور شمالی اطراف میں جماعت کے پہاڑ پر

بیٹھونگا☆ میں بادلوں سے بھی اوپر چڑھ جاؤنگا...... میں خدائے تعالیٰ کے مانند ہوں گا...... (لیکن ہوش میں آ' یہ باتیں غلط ہیں) تو پامالی کے گڑھے میں (یعنی فی الدرک الاسفل) اتارا جائیگا...... تو اپنی قبر سے باہر نکمی شاخ کے مانند نکال پھیکا جائیگا...... تو ان مقتولوں (یعنی کربلا کے شہیدوں) کے نیچے دبا ہے جو تلوار سے چھیدے گئے...... اس لاش کی مانند جو پاؤں سے لتھاڑی گئی ہو، تو ان سب کے ساتھ کبھی قبر میں دفن نہ کیا جائیگا کیوں کہ تو نے مملکت کو ویران کیا اور رعیت کو قتل کیا...... (اے تباہی اور بربادی مچانے والے) یاد رکھ بدکرداروں کی نسل کا نام باقی نہ رہیگا☆'' (یسعیاہ باب ۱۴)...... محترم! اگر آپ کھلے دل سے مندرجہ عبارت کا تجزیہ کریں گے اور یزید کے حالات پر منطبق کریں گے تو حسب ذیل نتیجہ تک پہونچنے میں دشواری نہ ہوگی:

(۱) یزید ایک بڑا ہی ظالم شخص تھا جو کسی طرح مسند خلافت پیغمبرؐ پر بیٹھنے کا اہل نہیں تھا۔ یزید وہ تھا جس نے خاندان نبوت کا لحاظ و پاس نہ کیا، پورے گھر کو تاراج کردیا، نبیؐ کے گھرانے کو قیدی بنایا، بے مقنع و چادر عورتوں کی تشہیر کی، مسجد النبیؐ میں گھوڑے بندھوائے، مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کا خون مباح کردیا اور اسی مدینۃ النبیؐ میں یزیدی فوج نے اصحاب رسولؐ کی بہو بیٹیوں کی عصمت دری کی۔ قاضی صبغۃ اللہ صاحب (سنی حنفی فرنگی محلی) اپنی کتاب ''نور العین فی مشھد الحسین'' ص ۳۸۰ میں لکھتے ہیں...... ''زنا کاری شراب خواری یزید کے نزدیک کوئی عیب نہ تھا۔ اس نے اپنی عمر میں ۳۰۰ تین سو دوشیزہ عورتوں کی عصمت دری کی اور سات سو صحابیوں کو قتل کرایا اور مسجد رسولؐ میں کتے چھوڑے۔'' علامہ ابن حجر مکی اپنی کتاب صواعق محرقہ (جو کہ شیعوں کے خلاف لکھی ہے) میں ص ۱۲۵ پر اور علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء میں ص ۱۴۲ پر تحریر فرماتے ہیں۔ ''یزید اپنے باپ کی منکوحہ کنیزوں اور

انکی بہنوں اور بیٹیوں تک کو اپنی شہوت کا نشانہ بناتا تھا۔ شراب پیتا تھا اور تارک الصلوٰۃ تھا......"

۲۔ یزید کے ہاتھوں کربلا میں ہونے والے عظیم ظلم پرستاروں کا ٹوٹ ٹوٹ کر گرنا، طبری اور ذخائر العقبیٰ کے حوالے سے پہلے ہی لکھا جا چکا ہے۔

۳۔ امام عالیمقامؑ کی شہادت کے بعد یزید کا خوشی سے جھومنا اور ان اشعار کا پڑھنا بتاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا سمجھ بیٹھا تھا، یسعیاہ کی انجیل میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ "تو تو کھلکر ایسا ایسا کہتا تھا" بلکہ لکھا ہے کہ "تو تو اپنے دل میں کہتا تھا" میں آسمان پر چڑھ جاؤنگا' ...... میں خدائے تعالیٰ کے مانند ہوں گا" اس کے کبر و نخوت اور ظلم و تعدی سے بھرے اعمال اور احکام گواہ ہیں کہ وہ اپنے کو خدا سمجھ بیٹھا تھا۔ اسی کی ترجمانی ان اشعار سے بھی ہو رہی ہے۔

لیت اشیاخی ببدرٍ شهدوا	مصرع الخزرج من وقع الاسل
لا هلوا واستهلوا فرحا	ثم قالوا یا یزید لاتشبل
قتلت فتیا تنا سادا تهم	وقتلنا فارس القوم البطل
لست من خندف ان لم انتقم	من بنی احمد ماکان فعل
لعبت هاشم بالملك فلا	خبر جاء ولا وحی نزل

کاش میرے وہ بزرگ جو مقتول بدر ہیں موجود ہوتے اور خزرج کے لوٹنے اور گر کر زخمی ہونے کی حالت کو دیکھتے تو فرحت و مسرت سے جھوم اٹھتے اور ہمیں (یزید کو) مبارکباد پیش کرتے۔ اور میری ہمت افزائی کرتے ہوئے کہتے اے یزید! رنجیدہ خاطر نہ ہو۔ (یزید ملعون کہتا ہے) ہمارے جوانوں نے اپنی شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سادات کو قتل کیا جو کہ (معاذ اللہ) باطل پر تھے۔ میں خندف کی اولاد میں نہ ہوتا اگر آل محمدؐ سے (بدر کا) انتقام نہ لیتا۔ بنی ہاشم نے محض ملک گیری کے لئے ڈھونگ رچا تھا ورنہ نہ ان پر کوئی وحی آئی اور نہ کوئی خبر (یعنی ان

پر قرآن نازل نہیں ہوا)۔ (تاریخ طبری ص ۲۱۷۴ طبع لندن ۱۹۸۴ھ، صواعق محرقہ ص ۱۳۱)

۴۔ حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی (مشہور سُنی عالم) اپنی کتاب "یزید نامہ" کے ص ۱۵۱ پر تحریر فرماتے ہیں کہ "جب بنی عباس کی حکومت شروع ہوگئی تو تمام شاہان بنوامیہ کی قبریں کھودی گئیں اور ہڈیاں جلادی گئیں۔ علامہ محبّ الدین طبری کا بیان ہے کہ یزید کی ہڈیاں قبر سے برآمد ہوئیں تو بالکل سیاہ تھیں"...... فاعتبروا یا اولی الابصار ☆ یہ ہے یزید کا عبرتناک انجام، جسکی خبر واقعہ کربلا سے بہت پہلے یسعیاہ کی انجیل میں دی گئی کہ "قبر سے باہر نکال کر نکمی شاخ کے مانند پھیکا جائیگا"۔

۵۔ "بدکرداروں کی نسل کا نام بھی باقی نہیں رہیگا" یہ وہ حقیقت ہے جو کربلا میں ظلم ڈھانے والوں پر پوری طرح منطبق ہوتی ہے۔ آج نسل یزید، نسل مروان، نسل شمر، نسل پسر سعد، نسل حرملہ، نسل ابن زیاد وغیرہ کا نام ونشان بھی باقی نہیں ہے۔

یزید کا ایک بیٹا تھا، معاویہ ابن یزید جو یزید کے مرنے کے بعد (ربیع الاول ۶۴ھ میں) زبردستی تخت پر بٹھایا گیا۔ حیٰوۃ الحیوان دمیری جلد ا ص ۷۷ میں درج ہے کہ "معاویہ ابن یزید تا دیر ممبر پر خاموش بیٹھے رہے اور پھر کہنا شروع کیا...... ایھا الناس! مجھے خلافت کی رغبت نہیں ہے اور تم لوگ دنیا کی حکومت کو عظیم ترین شئے جانتے ہو اور میں اسے مکروہ جانتا ہوں اور تم لوگ مجھے مکروہ جانتے ہو اسلئے کہ نہ میں تمہارے ساتھ مبتلا ہونگا اور نہ تم لوگ میرے ساتھ مبتلا ہوگے۔ میرے جد معاویہ نے اسی خلافت کے لئے حضرت علیؑ سے نزاع کی جبکہ حضرت علیؑ حقدار تھے اور افضل جمیع صفات میں کوئی صحابی رسولؐ ان کے مراتب کی نظیر نہ تھا۔ آخر الامر مکروتزویر کے ذریعہ خلافت معاویہ کے ہاتھ آئی اور میرا دادا اپنی قبر میں جواب دے رہا ہے۔ خلافت پھر یزید کو پہونچی۔ یزید خلافت کا سزاوار نہ تھا۔ افعال زشت

ومعاصی کبیرہ اس سے سرزد ہوئے۔ قسم بخدا! میں اپنی بے خودی سے مجبور ہوں جو ایسے کلمات زبان سے نکال رہا ہوں۔ حضرت علیؑ کی محبت میرے دل پر خطوط اور نقوش کی طرح ثبت ہوگئی ہے۔ خلافت رسولؐ، فرزند حسینؑ امام زین العابدینؑ کا حق ہے۔ خلافت ان کو سپرد کردی جائے۔'' علامہ سیوطی نے اس قدر اور لکھا ہے۔ ''اس نے نہ امور سلطنت میں کوئی کام کیا نہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی اور جب وقت نزاع کہا گیا کہ آپ کسی کو اپنا خلیفہ مقرر کر جائیں تو انھوں نے کہا جب میں نے خلافت کا لطف نہیں اٹھایا تو اس کی مصیبت میں کیوں پھنسوں؟''......

''آل رسولؐ کے حق میں معاویہ ابن یزید کی یہ حق گوئی افرادِ بنی امیہ کو گوارہ نہ ہوئی اور اس غریب بیس سالہ جوان کی دونوں آنکھیں پھوڑ دی گئیں۔ اور کچھ ایسا ظلم ہوا کہ چالیس دن کے اندر اس جوان کا خاتمہ ہوگیا...... (کلمۃ الحق ص ۷۹۸) اور اسطرح یزید کی نسل کا خاتمہ ہوگیا۔

نہر فرات کا ذبیحہ: کتاب یرمیاہ میں یرمیاہ نبی کی پیشین گوئیاں درج ہیں۔ اہل مصر کو خطاب کر کے جناب یرمیاہ ایک عظیم ترین مستقبل کے واقعہ کی خبر اسطرح دیتے ہیں ''خداوند رب الافواج کے لئے (مصر کے) شمالی سرزمین میں دریائے فرات کے کنارے ایک ذبیحہ مقرر ہے''...... (یرمیاہ باب ۴۶ آیت ۱۱) اسی طرح مکاشفۂ یوحنا کے باب ۳ تا ۵ میں امام مظلومؑ کی شہادت کی مزید تفصیل درج ہے جو بظاہر واقعہ کربلا ہی پر منطبق ہوتی ہے۔

محترم رزاق بھائی! اس پر تعجب نہ کیجئے کہ ہزاروں برس پہلے نازل ہونے والی ان کتابوں میں واقعۂ کربلا کیسے درج ہے؟ خداوند عالم عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ اُسے سب کچھ معلوم ہے کہ کب کہاں کیا ہوگا؟ اسی کتاب مقدس میں صاحب لولاک، اشرف المرسلین، خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کا تذکرہ بھی موجود ہے اور ذکر ائمہ طاہرین بھی۔ آپکے اطمینان کے لئے نمونے کے طور پر صرف ایک ایک اقتباس حاضر ہے، ملاحظہ ہو:

تذکرۂ رحمۃ اللعالمینؐ: "خداوند تیرا خدا، تیرے لئے، تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کریگا تم اسکی سننا، یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو کہ میں مر جاؤں اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کرونگا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالونگا، اور جو کچھ میں اُسے حکم دونگا وہی وہ ان سے کہیگا، اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہیگا نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لونگا، لیکن جو نبی گستاخ بنکر کوئی ایسی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا، یا اور معبودوں کے نام سے کچھ کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے۔" (استثنا باب ۱۸ آیت ۱۵ تا ۲۰)...... کتاب مقدس میں پیغمبر آخرالزمانؐ کی آمد کی خبر پہلے سے موجود ہے۔ قرآن مجید کی مندرجۂ ذیل آیتوں میں بھی کم وبیش وہی انداز ہے جو اوپر دی گئی آیتوں میں ہے۔ ملاحظہ ہو:

(۱) (اللہ تعالیٰ نے ام القریٰ کے رہنے والوں کے درمیان) ان ہی میں سے ایک نبی کو مبعوث کیا جو ان کے سامنے قرآن کی آیتیں پڑھتے ہیں، ان کے نفوس کو پاک کرتے ہیں اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ (جمعہ آیت ۲)

(۲) یہ وہ نبیؐ ہے جو اپنی خواہش یا اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتا، بلکہ وہی کہتا ہے جو اللہ کی طرف سے اس پر وحی کی جاتی ہے" (سورہ نجم آیت ۴)

(۳) ''اور جو کوئی اللہ اور اسکے نبیؐ کے حکم کی خلاف ورزی کریگا، انھیں تکلیفیں پہونچائیگا تو اس کے لئے سخت عذاب ہے اور جہنم اس کا ٹھکانا ہے'' (نساء ۱۴، انفال ۱۳، توبہ ۶۳)۔

''گستاخ یعنی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں مثلاً مسیلمہ کذاب، متنبّی وغیرہ کے واقعات تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں۔ محترم! اسی طرح یوحنا کی انجیل باب ۱ آیت ۲۷، باب ۱۴ آیت ۱۷ اور آیت ۲۶ تا ۳۰، باب ۱۶ آیت ۱۳۔ متی کی انجیل باب ۲۳ آیت ۳۹۔ مرقس کی انجیل باب ۱۴ آیت ۶۲ ...... وغیرہ میں تذکرۂ رحمت دو عالمؐ موجود ہے۔

تذکرۂ ائمہ طاہرینؑ کتاب مقدس میں: محترم رزاق بھائی! جہاں کتاب مقدس (آسمانی کتب) میں ذکر رحمۃ اللعالمینؐ اور ذکر حسینؑ ہے وہیں ائمہ طاہرینؑ کا ذکر بھی موجود ہے۔ صرف خلوص نیت سے حق کی جستجو درکار ہے۔ اطمینان قلب کے لئے صرف ایک اقتباس پیش ہے۔ کتاب ''پیدائش'' باب ۱۷ آیت ۲۰ میں ہے کہ خداوند کریم حضرت ابراہیمؑ کو مخاطب کرکے فرماتا ہے...... ''اور اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری دعا سنی۔ دیکھ میں اُسے برکت دونگا اور اسے برومند کرونگا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہونگے اور میں اسے بڑی قوم بناؤنگا'' ...... ہر صاحب نظر کو معلوم ہے کہ نسل ابراہیم دو حصوں میں تقسیم ہوئی۔ ان میں تمام انبیاء حضرت عیسیٰؑ تک حضرت اسحٰقؑ کی نسل سے ہیں، نسل حضرت اسمٰعیلؑ میں صرف خاتم النبیینؐ، سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے جو درجۂ نبوت پر فائز ہے۔ آنحضرتؐ سید السادات ہیں، یقیناً پروردگار عالم نے انھیں برومند کیا، صاحب عزت بنایا اور ورفعنالك ذكرك کی سند عطا کی۔ ''اور اسے بہت بڑھاؤنگا'' یہ خبر مستقبل کی آئینہ ہے جو قرآن میں سورہ کوثر کی شکل میں آج بھی

سلامت جانے دیں تو ـــــ! آپ کو حیرانی ہوگی کہ ہماری حکومت میں رہ کر ایسا برتاؤ کرنے پر بھی ہم ان پر کچھ پابندی نہیں لگاتے ہیں۔

اب آیئے آپ ایران کی مثال لے لیجئے وہاں کے طہران شہر اور کئی شہروں میں جہاں شیعہ آبادی زیادہ ہے وہاں پر سنیوں کو مسجد بنانے کی اجازت نہیں ملتی اور نہ ہی سُنّی ان کی مسجد میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اگر یہ جھوٹ ہے تو آپ ایران اور عرب کا دورہ کر کے خود دیکھ سکتے ہیں کہ سچائی کیا ہے۔ (۲) کیا میں سنیوں کی پیداوار ہوں؟ ـــــ ہماری تاریخ اسطرح ہے کہ دبئی میں پرانے زمانے میں قرآن اور دین کی تعلیم کے علاوہ کوئی دوسری تعلیم گاہ یا مدرسہ نہیں تھا اسلئے لوگ اپنے بچوں کو ہندوستان (جبکہ پاکستان نہیں بنا تھا) بھیجا کرتے تھے۔ میرے والد ایک عالم اور تاجر تھے جس میں تعصب نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ اسلئے انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنے بچوں کو ڈاکٹری یا انجینئرنگ کی تعلیم دلوائیں حالانکہ اسوقت یہاں لوگ صرف انگریزی کی پانچویں یا چھٹیں کلاس تک ہی پڑھایا کرتے تھے۔ اس مقصد کے لئے وہ اپنے ہر بچہ کو جب چار سال کی عمر کو پہونچتے بمبئی بھیج دیتے تاکہ وہ (ہندوستانی) بچوں کے ساتھ گھل مل کر ان کی زبان سیکھ جائیں اور پانچ برس کی عمر ہونے پر انھیں اسکولوں میں بھرتی کروادیا جائے۔ اس کے لئے انھوں نے ایک بہت بڑی جاگیر بمبئی میں مغل مسجد (امامباڑہ بھنڈی بازار) کے نزدیک بابل الاٹنک میدان اور امامیہ مسجد کے درمیان خریدی۔ جسکا نام آجتک چل رہا ہے اور اسے کہتے ہیں "عرب صاحب کا بنگلہ" ـــــ اس بنگلے کے سامنے شیعوں کا ایک اسکول تھا "امین اسکول" جہاں ساتویں کلاس تک ہی تعلیم کا انتظام تھا۔ میرے والد نے اپنے ہر بچہ کو یہاں تعلیم دلوائی ـــــ میں دس سال کا تھا کہ میرے والد پر فالج کا اثر ہوا ـــــ میری عمر چودہ سال کی تھی کہ میرے والد کا انتقال ہوگیا (انا للہ وانا الیہ راجعون) میری ماں انپڑھ تھیں۔ مجھے کسی نے قرآن کی آیت یا نماز تک نہیں سکھلائی۔ میری تعلیم اُسی

فرزند اسمٰعیلؑ یعنی مرسل اعظمؐ کو کثرت اولاد عطا ہونے کا اعلان کر رہی ہے۔ انا اعطینـاك الكوثر ☆ کی تفسیر میں دیگر مفسرین کے علاوہ مولانا صلاح الدین یوسف نے بھی (مصحف حکومت سعودیہ میں) تحریر فرمایا ہے کہ کوثر سے مراد کثرت اولاد ہے جو فاطمہ زہراؑ کے ذریعہ خداوند عالم نے آپؐ کو عطا کی۔ ''اس سے بارہ سردار پیدا ہونگے''، نسلِ حضرت اسمٰعیلؑ میں سوائے بارہ ائمہ طاہرینؑ کے کیا کہیں کسی تاریخ یا سیرت کی کتاب میں ''بارہ سرداروں'' کا ذکر ہے؟ یہ وہی بارہ سردار ہیں جو خلیفۂ رسولؐ ہیں، وصی پیغمبرؐ ہیں اور خدا کی طرف سے تمام مسلمانوں کے امام ہیں، انھیں ائمہ طاہرینؑ کی نسل سادات کی شکل میں دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلی ہوئی ہے، جسکے لئے حضرت ابراہیمؑ سے پروردگار عالم نے وعدہ کیا تھا کہ میں ''اسے بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہونگے''۔

محترم رزاق بھائی! مجھے یقین ہے کہ اب آپ مطمئن ہوگئے ہونگے کہ ذکر کربلا وقوع واقعہ کے پہلے سے موجود ہے۔ علماء اسلام نے بھی اپنی کتابوں میں انبیاء کرام کے واقعات درج کئے ہیں کہ ان میں سے اکثر کربلا کی زمین سے ہوکر گذرتے وقت مصائب میں مبتلا ہوئے اور انھوں نے رسول اکرمؐ کے فرزند حسین مظلومؑ پر گریہ کیا۔ طوالت کے سبب سے اب اس موضوع کو یہیں ختم کررہا ہوں، جہانتک آنحضرتؐ کے متعلق سوال ہے کہ وہ عاشورہ کے دن کیا کرتے تھے اور کیسے مناتے تھے۔ ''عزاداریٔ حسینؑ سیرت رسولؐ کے آئینے میں'' کے تحت پہلے ہی وضاحت کی جاچکی ہے کہ آنحضرت نے مختلف مواقع پر امام مظلومؑ پر گریہ فرمایا۔ یقیناً عاشورہ کا دن آپ پر سخت گذرتا ہوگا اور آپ اپنے فرزند کے غم میں اشک فشاں رہتے ہونگے۔ یہ ناممکن ہے کہ عام دنوں میں جو حسینؑ کی مظلومیت کو یاد کرکے آنسو بہارہا ہو وہ عین عاشورہ کے دن غمگین نہ ہو۔ عجب نہیں کہ جناب ام سلمہؓ اور جناب ابن عباسؓ کا واقعہ عاشورہ کے دن کا ہی ہو۔

ت: اسکے بعد ہم نے (نجف میں) متعدد علماء کرام سے ملاقات کی، جن کے نام تفصیلاً یاد نہیں ہیں صرف چند القاب یاد ہیں...... بحر العلوم، سید الحکیم، کاشف العظا، آلِ یٰسن، طباطبائی، فیروز آبادی، اسد حیدر وغیرہ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ بزرگ علماء تھے جن کے چہرے سے ہیبت و وقار کے آثار نمایاں تھے اور شیعہ ان کا شدت سے احترام کرتے تھے۔

ر: یہ شخص اپنی تمہید میں لکھتا ہے کہ وہ حقیقت کی تلاش میں نکلا تھا، مگر عجیب بات ہے کہ حقیقت بغیر انصاف کے نہیں مل سکتی ہے۔ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ جیسے انھوں نے شیعوں کے علماء کی اتنی تفصیل سے ناموں کی فہرست اوپر دی ہے ویسے ہی سنی علماء کے ساتھ ملاقات کر کے ان کے نامور علماء کا نام کیوں نہیں دیا؟

د: محترم رزاق بھائی! آپ کا اعتراض اپنی جگہ بجا ہے۔ ڈاکٹر تیجانی کو مصر کے ان عالموں میں سے کچھ کا نام ضرور لکھنا چاہئے تھا جن سے انھوں نے ملاقات کی تھی۔ ویسے یہاں بھی ڈاکٹر صاحب نے نجف کے علماء کی ایک بہت ہی مختصر فہرست دی ہے جن سے انکی ملاقات ہوئی۔ محترم! برا نہ مانئے تو ایک بات عرض کروں، انسان کی زبان پر یا زبانِ قلم پر اکثر وہی نام آتے ہیں جو اپنے علم، کردار یا دیگر صفات کا اثر چھوڑ جاتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہی وجہ ہو جو دم تحریر ڈاکٹر تیجانی نے مندرجہ بالا علماء کا تذکرہ کر دیا، جن کے نام نہیں یاد تھے ان کے القاب لکھ دیئے اپنی دوسری تصنیفات میں ڈاکٹر تیجانی نے کچھ علماء اہل سنت کا تذکرہ کیا ہے جن سے انکی بالمشافہ گفتگو ہوئی یا جن سے خط و کتابت ہوئی۔ ان میں عالمگیر شہرت کے حامل مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب بھی ہیں جنھیں ڈاکٹر صاحب موصوف نے خط لکھا مگر مولانا جواب سے عاجز رہے۔ خط کی نقل ڈاکٹر تیجانی کی کتاب ''اہل الذکر'' میں موجود ہے جو آج بھی دعوتِ فکر دے رہی ہے۔

ت: میں تو اس حدیث کو (میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے۔ سب

جہنمی ہونگے سوائے ایک کے) پڑھکر حیرت واستعجاب میں پڑ جاتا تھا......اس سے زیادہ حیرت انگیز یہ ہے کہ ہر فرقہ اس بات پر مطمئن ہے کہ وہی ناجی ہے.........حدیث دونوں فرقوں کے درمیان متفق علیہ اور متواتر ہے۔

ر: حدیث دونوں فرقوں کے درمیان متفق علیہ اور متواتر نہیں ہے، کیوں کہ دونوں فرقوں کے اندر صرف کچھ حدیثیں جو آل رسولؑ کے توسط یا ان کے بارے میں کہی گئی ہیں تقریباً یکساں ہیں۔شیعوں کی حدیث میں ہمارے خلفاء راشدین کے بارے میں یا ان کے توسط سے کوئی بھی حدیث نہیں ہے۔پھر یہ دونوں فرقوں کی حدیثیں متفق علیہ کیسے ہوگئیں؟

د: محترم! یہاں عام حدیثوں کی بات نہیں ہے بلکہ ''ستفترق امتی ......الخ'' والی حدیث کے بارے میں تیجانی صاحب نے لکھا ہے کہ یہ حدیث شیعہ سنی سب کے درمیان متفق علیہ ہے۔اس موضوع پر صفحہ گ کتاب مین گفتگو کی جا چکی ہے جسکے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔محترم! آپ نے یہ کیسے لکھ دیا کہ ''شیعوں کی حدیث ہمارے خلفاء راشدین کے بارے میں یا ان کے توسط سے کوئی بھی حدیث نہیں ہے''۔کیا آپکے خلفائے راشدین میں حضرت علیؑ شامل نہیں ہیں؟ تو کیا شیعوں کے یہاں حضرت علیؑ کے بارے میں یا ان کے توسط سے بھی کوئی حدیث نہیں ہے؟ غالباً یہاں خلفائے راشدین سے آپکی مراد خلفاء ثلاثہ (حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان) سے ہے۔بہر حال اس سلسلہ میں اتنا لکھ دینا کافی ہوگا کہ شیعوں کے یہاں صرف انھیں سے احادیث اخذ کی جاتی ہیں جو قابل اعتبار، موثق اور مستند ہیں۔اسی لئے علم رجال کو ہمارے یہاں بڑی اہمیت حاصل ہے۔

ت: میں جدہ وارد ہوا تو میں نے اپنے ایک دوست بشیر سے ملاقات کی جو میری آمد سے بہت خوش ہوئے۔اور انھوں نے مجھے اپنے گھر میں مہمان کیا......میں نے ان سے اپنی تاخیر کی معذرت کرتے ہوئے سفر عراق کا تذکرہ کیا اور وہاں سے

حاصل ہونے والے جدید ترین انکشافات کا تذکرہ کیا، تو وہ اگر چہ روشن فکر اور باخبر آدمی تھے، لیکن انھوں نے برجستہ کہا کہ ہاں شیعوں کے یہاں بعض علماء بزرگ ہیں جن کا مسلک یہی ہے لیکن ان میں سے بعض فرقے بالکل منحرف اور کافر ہیں: .... یہ لوگ قبروں کے گرد نماز ادا کرتے ہیں۔ جنت البقیع میں گروہ درگروہ داخل ہوتے ہیں اور وہاں گریہ وبکا کرتے ہیں اور اپنے پاس پتھر کے ٹکڑے رکھتے ہیں۔ اور انھیں پر سجدہ کرتے ہیں اور جب احد میں حضرت حمزہؑ کی قبر پر جاتے ہیں تو وہاں گریہ وبکا اور سینہ زنی کرتے ہیں جیسے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حمزہ آج ہی شہید ہوئے ہیں اسی لئے حکومت سعودیہ نے مزارات میں ان کا داخلہ بند کر دیا ہے۔ میں یہ سن کر مسکرا دیا اور میں نے کہا کہ کیا انھیں اسباب کی بنا پر یہ لوگ دین سے منحرف ہو گئے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ نہیں اور بھی بہت سے اسباب ہیں مثلاً یہ لوگ زیارت قبر پیغمبرؐ کے لئے آتے ہیں تو حضرت ابوبکر وعمر کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر ان پر لعنت کرتے ہیں اور بعض ان قبروں پر غلاظت ڈال دیتے ہیں۔

ر: یہ منظر خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جب میں دوبار عمرہ کو گیا تو شیعوں کے گروپ کے کیا انداز اور کلمات تھے۔ جب وہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کی قبروں کے پاس سے گذرتے تھے۔ ہر شیعہ اللہ کو گواہ بنا کر کہے کہ جو میں کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے کہ نہیں؟ اس سے بڑھ کر ایک اور مثال دونگا، عید غدیر کی شب کو نماز میں لعنت علیٰ ثلاثہ کرتے ہیں یعنی اول دوم اور سوم۔ یہ کیا ہے؟ جب اپنی دعا میں یہ حالت اور الفاظ استعمال کرتے ہیں تو کیا انکی قبروں کو دیکھ کر ایسا نہیں کریں گے؟

د: محترم رزاق بھائی! یہاں دو باتیں ہیں: پہلی یہ کہ شیعہ لوگ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی قبر پر غلاظت ڈالتے ہیں اور دوسری یہ کہ لعنت علیٰ ثلاثہ کرتے ہیں۔ پہلی بات سے تو مجھے بالکل اتفاق نہیں ہے، یہ شیعوں سے نفرت پیدا کرنے کا

ایک جھوٹا پروپگنڈہ ہے۔ میں بھی شیعہ ہوں۔ میرے ساتھ حج کے سفر میں بہت سے شیعہ تھے اور ہر سال لاکھوں شیعہ حج وزیارات وعمرہ کے لئے مکہ اور مدینہ کا سفر کرتے ہیں، میں سب کی طرف سے ذمہ داری قبول کرتے ہوئے دعویٰ کر رہا ہوں کہ وہاں کسی شیعہ کے ذہن میں گندگی کرنے کا ہلکا سا تصور بھی نہیں پیدا ہوسکتا۔ اسلئے کہ وہاں سب کو ایک ہی فکر ایک ہی لگن ہوتی ہے کہ متوؤں کی نگاہ سے بچ کر اگر موقع مل جائے تو سرکار دو عالمؐ کے روضہ کی جالی کا بوسہ لے لیں یا کم از کم ہاتھوں سے مس کر لیں۔ علاوہ ازیں اگر قریب میں کہیں بیٹھنے کا موقع مل گیا تو قرآن کی تلاوت کر لی ورنہ کھڑے کھڑے صلوٰۃ وسلام اور دعائیں...... البتہ دوسری بات سے مجھے انکار نہیں ہے مگر طرز ادائیگی سے پوری طرح اتفاق بھی نہیں ہے۔ محترم! یہ پہلے ہی ثابت کیا جا چکا ہے کہ حضرات خلفاء ثلاثہ ہی امت کے مختلف فرقوں میں بٹنے کے ذمہ دار ہیں، غاصب حقوقِ آلِ محمدؐ ہیں، آنحضرتؐ کی لخت جگر خاتون جناں فاطمہ زہراؑ کو انھوں نے اذیتیں پہونچائیں، انھیں غضبناک کیا، یہانتک کہ بعد رسولؐ انکی مظلومہ بیٹی نے ساری زندگی ان خلفاء سے بات نہیں کی اور انکی دی ہوئی تکلیفوں سے بالآخر اپنے پروردگار سے جاملیں...... اسی لئے یقیناً شیعہ حضرات ان پر لعنت کہنا جائز سمجھتے ہیں۔ اسلئے قبروں کے پاس پہونچ کر ان پر لعنت بھیجنا بعید از امکان نہیں ہے۔ پھر بھی جان سب کو اپنی پیاری ہوتی ہے اس لئے لعنت بلند آواز سے نہیں بھیجتے ہوں گے کہ عام حجاج اور متوے سن سکیں، ورنہ ان کا بھی وہی حشر ہوگا جو بیچارے قے کرنے والے کا ہوا۔ یعنی سعودی حکومت کے ہاتھوں قتل۔ جابر اور ظالم حکومت کا اپنا ایک نظریہ ہوتا ہے اسکے خلاف وہاں کی رعایا خوف کی وجہ سے کوئی آواز نہیں اٹھا پاتی۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ خصوصاً اسکے نظریات کے مخالفین پر گہری نظر رکھی جاتی ہے ان حالات میں حجاز میں رہنے والے شیعہ حضرات کسی ظلم کے خلاف آواز اٹھائیں یا

قبر شیخین کے پاس لعنت بھیجنے کے الزام میں گرفتار شیعوں کو حکومت یا متولیوں کی سزا سے بچا سکیں، ناممکن ہے۔ وہ وہاں آباد ہیں، سلامت ہیں یہی بہت ہے اسکے علاوہ بلند آواز سے لعنت بھیجنے کا جوکھم کوئی شیعہ کیوں اٹھائیگا، جبکہ اُن کے یہاں تقیہ کا مسئلہ واضح ہے اور اس سے بچہ بچہ واقف ہے۔

ت: آخر اس امت کو کیا ہو گیا ہے کہ خیر الامم ہونے کے بعد بدترین امت ہوگئی ہے اور شرق وغرب عالم پر حکومت کرنے کے بعد اور لوگوں کو ہدایت علوم وفنون اور تہذیب وتمدن سے آشنا بنانے کے بعد قلیل ترین اور ذلیل ترین امت ہوگئی ہے۔ اس کی زمینیں غصب ہو چکی ہیں، اسکے قبائل آوارہ وطن ہو چکے ہیں، اس کی مسجد اقصیٰ پر یہودیوں کا قبضہ ہو چکا ہے اور وہ اس کی آزادی پر قادر نہیں ہے۔ اور آپ اسلامی ممالک کی سیر کریں تو آپ کو تباہ کن افلاس، قاتل بھوک، بنجر زمینوں اور موذی امراض اور بداخلاقی کے علاوہ کچھ نظر نہ آئیگا، فکری اعتبار سے پس ماندگی، ظلم واستبداد، گندگی اور حشرات الارض اس کی سرزمین کے امتیازات ہیں۔ حد یہ ہے کہ یورپ اور مشرق کے بیت الخلا کا بھی مقابلہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ یورپ کے بیت الخلا میں داخل ہونے والا صفائی اور بلور جیسی چمک کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور ہمارے ملکوں میں مسافر بیت الخلا میں داخل ہونے کی ہمت بھی نہیں کرتا، جبکہ اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی تھی کہ ''صفائی ایمان کا ایک حصہ ہے اور کثافت شیطنت کی پیداوار ہے''...... تو کیا یہ ایمان ہمارے یہاں سے منتقل ہو کر یورپ چلا گیا ہے اور یہاں صرف شیطان کا قبضہ رہ گیا ہے؟

ر: اس شخص نے خود اعتراف کیا ہے اپنی کتاب میں کہ حکومت یعنی تیونس کی حکومت سوشلسٹ (Socialist) تھی نہ کہ اسلامی۔ پھر اس میں لڑائی جھگڑا فساد ہو تو اسلام یا سنی حکومت کا کیا دوش۔ اس کا ثبوت خود یہ شخص ہے کہ وہ پڑھ لکھ کر پروفیسر بن گیا مگر اُسے اسلام کی معلومات بالکل نہیں تھی۔

د: محترم! یہاں تیجانی صاحب نے صرف اپنے ملک کی بات نہیں لکھی ہے بلکہ تمام مسلم ممالک کی بات کہی ہے۔ میرے سامنے تو اپنے ملک ہندوستان کی مثال موجود ہے (جس سے آپ بخوبی واقف ہیں) کہ جہاں جہاں زیادہ گندگی، فقرو افلاس کا منظر اور غیر مہذب ماحول نظر آئے، سمجھ لیجئے کہ یہ کوئی مسلم بستی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ اس دور میں خاص طور سے کچھ لفظیں مسلمانوں کی پہچان بن گئی ہیں، مثلاً جہالت، کثافت، نجاست، رقابت، غربت، قنوطیت، بیکاری، غیبت، مکر وفریب وغیرہ وغیرہ، اور اسکی خاص وجہ میں سمجھتا ہوں کہ علم کی کمی کے ساتھ حضور اکرمؐ کے اس فرمان سے دوری ہے جس میں آپؐ نے اپنی امت کی فلاح و بہبودی کے لئے فرمایا تھا کہ ''میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں، ایک تو اللہ کی کتاب ہے اور دوسرے میری عترت (اہلبیت اطہارؑ) ہیں، جبتک تم ان دونوں سے متمسک رہو گے کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔'' (ص م جلد ۷ ص ۱۲۲، سنن ابی داؤد جز ۲ ص ۳۰۷ ...... وغیرہ) سواد اعظم نے قرآن سے تمسک صرف ''حفظ وقرأت'' تک محدود رکھا اور **حسبنا کتاب اللہ** کے تحت اہلبیت اطہارؑ سے علمی وروحانی رشتہ توڑ لیا۔

ت: پاکیزہ ترین لباس پہننے کے بعد میں نے روضۂ اقدس کا رخ کیا اسوقت موسم حج کی نسبت سے زائرین کا مجمع کم تھا لہٰذا میں قبر رسولؐ اور قبر ابوبکر وعمر کے سامنے سکون سے کھڑا ہو سکا جو کام ایام حج میں ممکن نہ تھا، میں نے چاہا کہ تبرک کے طور پر کسی ایک دروازے کو ہاتھ لگاؤں کہ پہرے دار نے مجھے جھڑک دیا اور وہ ہر دروازہ پر قبضہ جمائے ہوئے تھے۔ اس کے بعد جب میں نے دعا میں طول دیا اور یہ چاہا کہ اپنے احباب کی امانت (سلام) صاحب قبر تک پہنچا دوں تو پہرے دار نے مجھے وہاں سے دور ہو جانے کا حکم دیا اور میں نے چاہا کہ اس موضوع پر گفتگو کروں لیکن بے فائدہ سمجھ کر خاموش ہو گیا۔ پھر میں روضۂ مطہر کی طرف واپس آیا.

اور وہاں بیٹھ کر بقدر امکان تلاوت قرآن میں مصروف ہوگیا۔ میں نے باقاعدہ قواعد و قوانین کے مطابق تلاوت شروع کی اور بار بار کلمات کی تکرار کرتا رہا اس احساس کی بنیاد پر کہ گویا مرسل اعظمؐ میری تلاوت کو سن رہے ہیں، اور میرا دل یہ پوچھ رہا تھا کہ کیا واقعاً رسول اکرمؐ دوسرے انسانوں کی طرح مردہ ہو چکے ہیں اور اگر ایسا ہے تو ہم اپنی نمازوں میں بطور خطاب ''السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته'' کیوں کہتے ہیں۔! اور اگر مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جناب خضرؑ زندہ ہیں اور ہر سلام کرنے والے کا جواب بھی دیتے ہیں بلکہ ہمارے صوفی مشائخ کا تو یہ ایمان ہے کہ ان کے شیخ حضرت احمد تیجانی یا حضرت عبد القادر جیلانی جیتے جاگتے ان کے پاس تشریف لاتے ہیں اور یہ کوئی خواب نہیں ہوتا ہے تو ہم سارا بخل رسول اکرمؐ ہی کے کرامات کے بارے میں کیوں کرتے ہیں، جبکہ وہ تمام کائنات اور مخلوقات سے بہر حال افضل ہیں۔

ر: کیا تیجانیہ یا جیلانیہ ہی اسلام ہے؟ جو بار بار انھیں کی مثال دی جا رہی ہے؟

د: محترم رزاق بھائی! صرف تیجانیہ یا جیلانیہ ہی دین اسلام میں مذہب اہلسنت کے فرقے نہیں ہیں، بلکہ یہ بھی مذہب اہل سنت والجماعت کے مختلف فرقوں میں شامل ہیں جو روحانیت، کرامات اور معجزات کے قائل ہیں مگر انکے نزدیک شیخ احمد تیجانی اور عبد القادر جیلانی کے معجزات و کرامات حضور اکرمؐ کے معجزات سے بہت بڑھ چڑھ کر نظر آتے ہیں۔ دوسری طرف مذہب اہلسنت والجماعت میں کچھ فرقے جیسے وہابی، اہل حدیث، اہل قرآن وغیرہ ہیں جن کی نظر میں حضور اکرمؐ کی کوئی روحانی حیثیت نہیں ہے، بلکہ بقول ڈاکٹر تیجانی دوسرے انسانوں کی طرح انھیں بھی مردہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی لئے نہ ان کے وسیلہ سے دعا مانگی جا سکتی ہے نہ ان سے مسلمانوں کے حال زار پر فریاد کرنا درست ہے اور نہ انھیں مدد کے لئے پکارنا جائز ہے۔ جو کوئی رحمت دو عالمؐ یا انکی ذریت طیبہ کی قبر پر آنسوؤں کے ساتھ

اپنے دلی جذبات پیش کرنا چاہتا ہے اس پر حکومت کی طرف سے کوڑے پڑتے ہیں یا سخت وسست الفاظ کی بارش ہوتی ہے۔ان حقیقتوں کو تو آپ نے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا۔ڈاکٹر تیجانی چونکہ اب کنوئیں کے مینڈھک نہیں تھے۔وہ شانِ رسالت کو سمجھ چکے تھے، نبیؐ کی آغوش کے پروردہ علیؑ فاطمہ حسنؑ اور حسین علیہم السلام کے روحانی اختیارات کا مطالعہ فرما چکے تھے اس لئے باوجود اسکے کہ وہ ابھی سُنی المذہب تھے، انھیں وہابی نظریات سے نفرت پیدا ہو چکی تھی۔اس لئے جگہ جگہ پر وہاں کے سپاہیوں کے ظلم کے خلاف ان کے جذبات بھڑکتے تھے، جن پر انھیں قابو حاصل کرنا پڑتا تھا پھر بھی کہیں کہیں وہ روکنے ٹوکنے پر مجبور ہو جاتے تھے، جیسا کہ مندرجہ عبارت سے واضح ہے۔

ت: میں نے بقیع کی زیارت کی اور قبور اہلبیتؑ کے قریب کھڑے ہو کر انکی ارواح طیبہ کے لئے فاتحہ پڑھ رہا تھا اور میرے پاس ایک بہت ہی بوڑھا انسان کھڑا رو رہا تھا جس کے گریہ سے میں نے یہ اندازہ کیا کہ یہ شیعہ ہے اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے روبقبلہ ہو کر نماز شروع کر دی کہ اچانک ایک سپاہی دوڑ کر آیا اور گویا کہ وہ اس مومن کے حرکات کی مسلسل نگرانی کر رہا تھا۔اس نے آتے ہی اُسے ایک لات ماری جبکہ وہ غریب حالتِ سجدہ میں تھا اور وہ اسی حالت میں الٹ گیا اور چند منٹ تک بے ہوش پڑا رہا لیکن سپاہی کی مار پیٹ اور گالم گلوج کا سلسلہ جاری رہا۔مجھے اس بوڑھے پر بے حد رحم آیا اور میرا خیال تھا کہ وہ مر چکا ہے لہٰذا میری غیرت نے مجھے للکارا اور میں نے مداخلت کرتے ہوئے اس سپاہی سے یہ کہا کہ حالت نماز میں کسی نمازی کو مارنا حرام ہے تو اس نے مجھے یہ کہہ کر ڈانٹ دیا کہ خاموش رہو ان معاملات میں دخل نہ دو ورنہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کیا جائیگا۔اور جب میں نے اس کی آنکھ سے شرارت کے شعلے بھڑکتے ہوئے دیکھے تو خاموش ہو گیا۔اور اپنے نفس کی ملامت کرنے لگا کہ میں ایک مظلوم کی مدد بھی نہیں

کر سکتا اور پھر سعودی کے خلاف دل ہی دل میں اظہار غیظ وغضب کرنے لگا، جو لوگوں کے ساتھ آزادانہ طور پر ایسا برتاؤ کرتے ہیں اور انھیں کوئی ٹوکنے والا بھی نہیں ہے۔ اس مقام پر جو زائرین موجود تھے ان میں سے بعض نے اس واقعہ پر لاحول پڑھی اور بعض نے کہا کہ یہ اسی برتاؤ کا حق دار تھا اسلئے کہ یہ قبروں کے پاس نماز پڑھ رہا تھا جبکہ یہ عمل حرام ہے۔ میں اس بات کو برداشت نہ کر سکا اور میں نے ٹوک کر اس شخص سے کہا کہ یہ بات کس نے کہی ہے کہ قبروں کے پاس نماز حرام ہے۔ اس نے کہا رسول اکرمؐ نے ممانعت فرمائی ہے۔ میں نے بے خیالی میں یہ کہہ تو دیا کہ یہ رسول اکرمؐ پر الزام ہے، لیکن پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں حاضرین مجھ پر بھی نہ ٹوٹ پڑیں یا اس سپاہی کو نہ بلا لیں جو میرے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کرے جیسا اس مومن کے ساتھ کر چکا ہے، اس لئے میں نے نہایت نرمی سے یہ کہا کہ اگر رسول اکرمؐ نے اس بات سے منع فرمایا ہے تو لاکھوں حجاج اور زائرین آپؐ کے حکم کی مخالفت کیوں کرتے ہیں اور خود آپؐ کی یا حضرت ابوبکر وعمر کی قبروں کے پاس مسجد نبوی میں نماز کیوں پڑھتے ہیں یا دنیا کی دوسری اور مسجدوں میں ایسا کیوں ہوتا ہے اور اگر یہ طے بھی ہو جائے کہ قبروں کے گرد نماز پڑھنا حرام ہے تو کیا اس کا علاج اسی شدت کے ساتھ ہونا چاہیے۔؟"

ر: اس شخص کی عقل ماری گئی ہے، اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ قبریں جگہ کی وسعت کی وجہ سے مسجد میں شامل ہو گئیں۔

د: محترم رزاق بھائی! لاکھوں سال سے جس دنیا میں اربوں کھربوں لوگ دفن ہوتے چلے آرہے ہوں وہاں کون بتا سکتا ہے کہ کہاں قبر ہے اور کہاں نہیں۔ کسی کو کیا خبر ہے کہ کس مسجد کے نیچے کتنی میتیں دفن ہیں۔ لکھنؤ میں گذشتہ ۲۰ سال میں میرے سامنے دیکھتے دیکھتے کئی قبرستانوں پر زبردستی قبضہ کر کے یا متولی حضرات کی کرم فرمائی سے کالونیاں تعمیر ہو گئیں ہیں۔ ان کالونیوں میں آباد مرد اور عورتیں

ایرانی اسکول میں ہو رہی تھی۔ میرے اسکول اور محلے کے دوست زیادہ تر شیعہ تھے۔ ان سے میرا میل جول رہتا تھا۔ انھیں کے ساتھ مجھے پالا پوسا گیا۔ انھیں کے اسکول سے تعلیم حاصل کی، انھیں کے گھر میرا آنا جانا تھا۔ محرم کے مہینہ میں بھی میں ان کے ساتھ ہی رہتا تھا جب وہ امامیہ مسجد اور مغل مسجد میں وعظ سننے جاتے تھے۔ اسکول میں بھی تمام اماموں کی پیدائش اور برسی مناتے تھے۔ امامیہ مسجد سے امین (ایرانی) اسکول تک عاشورہ کے روز تعزیہ نکلتا تھا اور اس دن بھی میں اپنے شیعہ دوستوں کو ماتم کرتے دیکھا کرتا تھا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ انُیس (Nineteen) سال عمر تک، جب میں ہندوستان چھوڑ کر کویت گیا تو میرے اطراف و ماحول اور ذہن پر شیعوں کا ہی اثر تھا۔ انھیں کا ہی مشاہدہ رہا۔ مگر یہ سب دیکھ کر میں مطمئن نہیں تھا اور ہمیشہ تنہا رہنا پسند کیا اور تنہائی میں میں سوچتا اللہ مجھے راستہ دکھلا۔ یہ نہیں کہ میں سنی تھا، مجھے تو کبھی محسوس ہی نہیں ہوا کہ میں کون ہوں۔ مگر سنی شیعہ کرسچین ہندو اور دیگر مذہب کے لوگوں کو دیکھ کر مجھے گھبراہٹ ہوتی تھی کہ یہ سب کیا ہے۔ اللہ سے دُعا کرتا تھا کہ مجھے صحیح راستہ بتلا۔ اللہ نے مجھ پر مہربانی کی اور میں کام کے لئے کویت چلا گیا۔ کویت میں بنک میں کام ملا اور وہاں صرف آدھے دن ــــــ یعنی صبح سات سے دوپہر ایک بجے تک کام کرنا پڑتا تھا۔ اس کے بعد کچھ کام نہیں تھا۔ وہاں پر بھی میں تنہائی میں سوچتا اور دُعا کرتا کہ اللہ مجھے صحیح راستہ بتا۔ ایک دن اللہ نے میرے دماغ میں ڈالا کہ میں پہلے اپنے رب اور اپنے آپ اور اس دنیا کی خلقت کو جانوں جسکے لئے مجھے اپنا دین یعنی دین اسلام جاننا ضروری ہے۔ صحیح اسلام تو قرآن سے ہی مل سکتا ہے۔ اور قرآن عربی زبان میں ہے اور مجھے اپنی مادری زبان ہی نہیں معلوم تھی، اسلئے میں نے تہیہ کرلیا کہ پہلے عربی سیکھوں گا۔ اللہ نے ایک اور فضل مجھ پر کیا تھا کہ اس نے مجھے کتابیں پڑھنے کا شوق دیا تھا اسلئے مجھے عربی سیکھنے میں دشواری نہیں ہوئی اور پھر میں نے خود ہی قرآن کو پڑھ کر سمجھنا شروع کیا۔ کسی

کہاں نماز پڑھیں؟ جنکے نیچے قبریں ہیں، رہی بات مسجد نبویؐ کی توسیع کی، آپ بخوبی واقف ہونگے کہ مسجد النبیؐ کو وسعت دینے میں کئی قبریں مسجد کے حدود میں آگئیں، لیکن کیا وسعت دینے سے قبر پر یا قبر کے سامنے نماز پڑھنا جائز ہوگیا؟ وسعت اگر ناگزیر تھی تو وسعت کا مقصد پورا ہوگیا؟ کیا تمام نمازی مسجد میں نماز جماعت سے ادا کرلیتے ہیں؟ جب مسجد وسیع کرنے کے بعد بھی نمازی مسجد سے باہر میدان میں اور سڑکوں پر نماز پڑھتے ہیں تو مسجد کو انتا وسیع کیوں کیا گیا کہ اس کے حدود میں قبریں آگئیں جن پر نماز پڑھنا حرام ہے۔ بفرض محال حضور اکرمؐ کی طرف منسوب اس فرضی حدیث کو صحیح مان لیا جائے کہ قبروں کے پاس نماز حرام ہے تو مسجد کی توسیع (سنی علماء کی اجازت اور سنی حکومتوں کے زیر انتظام) اسطرح کیوں کی گئی جو قبر رسولؐ اور قبر ابو بکر و عمر مسجد کا جزو بن گئیں جسکے قریب لاکھوں حاجی دانستہ یا نادانستہ طور پر نمازیں پڑھ کر (العیاذ باللہ) حرام کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ محترم رزاق بھائی! اب آپ اپنی پسندیدہ دینی کتاب یعنی صحیح بخاری سے ایک روایت پڑھ لیجئے کہ حضور اکرمؐ نے ایک منبوذ کی قبر پر نماز پڑھی۔ ''شیبانی کہتے ہیں کہ میں نے شعبی سے سنا کہ نبی ﷺ ایک منبوذ کی قبر پر گئے۔ اپنے ہمراہیوں کے امام بنے اور لوگوں نے آپؐ کے پیچھے اسکی قبر پر نماز پڑھی۔ شیبانی نے ابو عمر سے پوچھا کہ تم سے کس نے بیان کیا؟ انھوں نے کہا ابن عباس نے۔'' (کتاب الجنائز ص ۲۹۵) محترم! چاہے قبر کے قریب ہو یا قبر پر، نماز کی نیت ''قربۃً الی اللہ'' ہوتی ہے نہ کہ ''قربۃً الی القبر''۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی قربت اور رضا حاصل کرنے کے لئے ملائکہ کی پیشانیاں حضرت آدمؑ کے سامنے جھکوادیں اور شرک کا کہیں سے کوئی شائبہ نہیں پیدا ہوا تو قبر کے پاس نماز پڑھنے سے شرک کیسے پیدا ہوسکتا ہے! نماز میں نیت بہرحال قربۃ الی اللہ ہونی ضروری ہے۔

آیۂ تطہیر کی وضاحت

ت: میں نے تمام دن حرم پیغمبرؐ میں زیارت اور نماز میں گذارا، صرف ضروریات اور وضو کیلیئے باہر نکلتا تھا اور پھر آ کر مصروف عبادت ہو جاتا تھا۔ نماز عصر کے بعد میں نے خطیب کو دیکھا جو نمازیوں کی ایک جماعت کو درس دے رہا تھا۔ میں ادھر متوجہ ہو گیا اور آثار سے یہ اندازہ کیا کہ یہ مدینہ کا قاضی ہے۔ وہ قرآن مجید کی بعض آیتوں کی تفسیر بیان کر رہا تھا اور جب درس تمام کر کے نکلنے لگا تو میں نے اسے روک کر سوال کیا کہ حضور کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس آیت کا مفہوم کیا ہے۔ ''انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (سورہ احزاب آیت ۳۲) یہ اہلبیت کون حضرات ہیں اس نے فوراً جواب دیا ازواج پیغمبرؐ اور پھر ابتدأ آیت کا حوالہ دیا ''یا نساء النبی'' میں نے کہا کہ علماء شیعہ کا کہنا ہے کہ یہ آیت علیؑ وفاطمہؑ اور حسنؑ وحسینؑ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور جب میں نے ان پر اعتراض کیا کہ آیت کی ابتدا نساء سے ہوئی ہے تو شیعہ علماء نے جواب دیا کہ جب تک ازواج مخاطب تھیں صیغے سب مؤنث کے تھے لستن، ان التقیتن، فلا تخضعن، وقلن، و قرن فی بیوتکن، ولا تبرجن، واقمن الصلوٰۃ، وآتین، واطعن اور جب آیت کا یہ ٹکڑا آیا جو اہلبیت کے ساتھ مخصوص تھا تو ضمیر بدل گئی اور مذکر کے الفاظ استعمال ہونے لگے ''لیذھب عنکم'' یطھرکم ...... اس نے ایک مرتبہ چشمہ اٹھا کر مجھے غور سے دیکھا اور کہا کہ ایسے زہریلے افکار سے ہوشیار رہنا، شیعہ ہمیشہ اپنے خواہشات کے مطابق کلام الٰہی کی تاویل کر لیتے ہیں۔ ان کے پاس علیؑ اور اولاد علیؑ کے بارے میں ایسی آیتیں ہیں جن کو ہم جانتے بھی نہیں ہیں۔ اور ان کے پاس ایک خاص قرآن ہے جس کو مصحف فاطمہ کہتے ہیں۔ لہٰذا خبردار ان کے دھوکے میں نہ آجانا۔

ر: سورۂ احزاب آیت رقم ۳۲ سے شروع کر کے آیت رقم ۳۳ پر ختم کریں تو معلوم ہوگا کہ آیت رقم ۳۲ آیت ۳۳ کے نصف تک عورتوں سے ڈائرکٹ تخاطب ہونے سے مونث طریقہ سے جملہ استعمال کیا گیا ہے اور آیت رقم ۳۳ کے باقی نصف سے اللہ تعالیٰ ایسے ذات کو شامل کر کے مذکر الفاظ استعمال کیا ہے۔

د: محترم! رزاق بھائی! آپ کی عبارت پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ بھی خطیب مسجد النبیؐ کے جواب سے متفق نہیں ہیں۔ مگر انکے احترام کا پاس کرتے ہوئے آپ کھل کر صاف صاف نہیں لکھ سکے کہ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ ''ایسے ذات کو شامل کر کے'' سے غالباً آپ کی مراد علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ علیہم السلام کی ذات ہے۔ یہ آپ کی اہلبیتؑ سے خوش عقیدگی ہے جو آپ نے پنجتنؑ پاک کو آیت میں شامل کرلیا ورنہ خطیب مسجد النبیؐ کے مطابق تو صرف ازواج ہی ''اہلبیت'' کی مصداق ہیں۔ بہر حال غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ جہانتک صرف ازواج سے خطاب تھا وہاں تک مؤنث کی ضمیریں استعمال ہوئیں، آپکے کہنے کے مطابق جب آلِ محمدؐ کو بھی شامل کرلیا تو ضمیر بدل کر مذکر ہوگئی۔ محترم! انھیں شامل کرنے کے بعد صرف ۹ یا گیارہ ازواج + حضرت فاطمہ زہراؑ = دس یا بارہ عورتیں ہوئیں اور انکے ساتھ صرف تین مرد (علیؑ اور حسنینؑ) یعنی اب بھی عورتوں کی تعداد مردوں سے کئی گنا زیادہ ہے۔ تو ان لوگوں کے شامل ہونے کے بعد بھی ضمیر مؤنث کی ہی استعمال ہونی تھی۔ کُنَّ کی جگہ کُم کی ضمیر کا صاف اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں سے خطاب کر رہا ہے ان میں مردوں کی تعداد زیادہ ہے۔ علاوہ ازیں ذرا اس پر غور کیجئے کہ آیۂ تطہیر، عصمت و طہارت کی واضح دلیل ہے جو کہ لفظ ''انما'' دلیل حصر سے شروع ہوتی ہے۔ جس کا مطلب ہے ''بس یہی'' اللہ نے ارادہ کرلیا ہے کہ اے اہلبیت رسولؐ تم سے ہر طرح کی رجس (یعنی تمام برائیاں اور گناہ) دور رکھے اور ایسا پاک و پاکیزہ رکھے جیسا کہ پاک رکھنے کا حق ہے یہ ترجمہ شیعہ علماء نے کیا ہے

اور یہی صحیح ہے کیونکہ اہلبیت طاہرینؑ (علیؑ فاطمہ حسن وحسینؑ) کے متعلق ولادت سے لیکر شہادت تک کوئی جھوٹی روایت تک نہیں ملتی جس سے ان پر کوئی گناہ یا رجس ثابت ہو سکے۔ ظاہری بات ہے کہ جب کوئی رجس یا گناہ کا دھبہ ان کے دامن پر تھا ہی نہیں تو انھیں "دور کرنے" کی بات بے معنی ہوگی۔ البتہ رجس کو دور رکھنے کا اعلان ضرور کیا جا سکتا ہے تا کہ اس اعلان کے بعد کسی ذہن میں یہ احتمال بھی نہ پیدا ہونے پائے کہ کبھی رجس وکثافت انکے قریب آسکتا ہے۔ (سنی حنفی شاعر) نذیر بنارسی نے شاید اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے ؎

یہاں پیوند ہیں دھبے نہیں ہیں الگ ہر اک سے دامانِ علیؑ ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے "اہلبیتؑ" کی عصمت وطہارت کی پوری ضمانت لی ہے اب اگر ان کے کردار میں کوئی نقص نکالتا ہے تو وہ خدا کی قدرت کا منکر ہے، کہ اللہ اپنے ارادے میں ناکام رہا۔ اسلئے اپنے ایمان کی حفاظت کیلئے ضروری ہے کہ پہلے اسے اچھی طرح سمجھ لیں کہ اہلبیت وہ ہیں جو ہر طرح کے رجس (گناہ صغیرہ وکبیرہ، ظلم وزیادتی، احکام خدا کی نافرمانی وغیرہ) سے پاک ہیں۔ اگر قرآن کے حکم قرن فی بیوتکن (اپنے گھر میں قرار اختیار کرو) کے خلاف کسی بیوی کے قدم اٹھتے ہیں تو وہ رجس کی مرتکب ہوگی اور اہل بیت کی فہرست میں داخل نہ ہو سکے گی۔ جب ام المومنین حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ جنکے دلوں کی کجی کی گواہی قرآن دے رہا ہے، وہ اہلبیت میں داخل نہیں ہو سکتیں تو دوسری ازواج کی بات ہی کیا ہے۔ اور دیگر کے لئے تو کوئی دعویٰ کرنے والا بھی نہیں ہے۔ یاد رکھئے کہ اللہ نے اہلبیتؑ کو تمام برائیوں سے دور رکھا ہے اور خوب پاک و پاکیزہ رکھا ہے۔ ایسی صورت میں جو بھی ان کے مقابل آئیگا، ان کی مخالفت کریگا یا ان کا حق چھینے گا وہ بلاشک وشبہ پیکر رجس ہوگا اور باطل پر ہوگا۔ وہ خلافت کا مسئلہ ہو یا باغ فدک کا، شوریٰ کی بات ہو یا جمل وصفین ونہروان کی، خلافت سے بجبر دست

برداری کا مسئلہ ہو یا بجبر بیعت لینے کا اہلبیتؑ کے مقابل جو بھی ہوگا وہ باطل پر ہوگا اسلئے کہ اہلبیتؑ طاہرین کے عصمت وطہارت کی ذمہ داری اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔

ت: میں نے اس طولانی اور دشوار گذار وادیٔ بحث میں قدم رکھتے ہوئے یہ عہد کرلیا کہ میں صرف انھیں صحیح احادیث پر اعتماد کرونگا جن پر اہلسنت اور شیعہ دونوں کا اتفاق ہو اور ان احادیث کو نظر انداز کردونگا جن کو کسی ایک فریق نے بیان کیا ہوگا۔ اس معتدل اور درمیانی انداز بحث سے تمام جذباتی محرکات، مذہبی تعصّبات اور قومی یا وطنی رجحانات ومیلانات سے دور رہ سکوں گا۔ اور شک کی راہوں کو طے کرکے یقین کی بلندیوں تک پہونچ سکونگا جو حقیقتاً طریق حق اور صراط مستقیم ہے۔

ر: مجھے پھر وہی بات دہرانی پڑی کہ بھئی سنیؔ تو ابوبکر صدیقؓ سے لیکر امام حسینؓ تک کو مانتے ہیں۔ شیعہ ابوبکرؓ سے لیکر عثمانؓ اور انکے ساتھیوں کو نہیں مانتے صرف اہلبیت کو ہی مانتے ہیں تو یقیناً سنی اور شیعہ کی حدیث صرف اہلبیت والی ہی یکساں پائی جائینگی۔ پھر یہ کیسا انصاف؟ اور ہر فریق کی حدیثیں ان سے مروی ہیں جن کو وہ مانتے ہیں۔ یا ان کے ساتھیوں کے ذریعہ مروی ہیں پھر یہ کس حدیث کو نظر انداز کریں گے؟

د: عزیز محترم رزاق بھائی! برانہ مانئے تو دو ایک مثالوں سے بات واضح کردوں۔ غور کیجئے، فکر کیجئے اور بتایئے یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی انصاف پسند انسان ایک ہی وقت میں خدا کو بھی مانے اور خدا کے دشمن نمرود اور فرعون سے بھی عقیدت رکھے؟ انبیاء کرام پر ایمان لائے اور ان کے دشمنوں کا بھی دم بھرے؟ آنحضرتؐ کا فدائی بھی ہو اور آپؐ کے قتل کا منصوبہ بنانے والوں کا ہمدرد بھی؟ اسی طرح ایک سچے اور مخلص صاحب ایمان کیلئے کیسے ممکن ہے کہ وہ ان احادیث وروایات کو بھی صحیح تسلیم کرے جو آلِ محمدؐ کی شان میں ہوں اور ان احادیث وروایات پر بھی ایمان لائے

جو اہل بیتؑ سے دشمنی اور بغض رکھنے والوں کی مدح سرائی میں ہوں یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک دیانتدار مسلمان جس کا آخرۃ پر یقین ہو وہ ایک طرف آلِ محمدؐ کی محبت کا دم بھرے اور دوسری طرف ان لوگوں کو دین کا رہبر تسلیم کرے جنھوں نے ان کا حق غصب کیا، جنھوں نے دربار خلافت میں انھیں جھوٹا قرار دیا، جو صدیقہؑ مباہلہ کی شہادت کا سبب بنے، جن کے اقدام کے نتیجہ میں واقعہ کربلا رو پذیر ہوا......؟ ایسی دورنگی چال کوئی منافق ہی کھیل سکتا ہے یا کوئی علم اور حالات سے بے بہرہ مسلمان۔ محترم! حقیقت یہ ہے کہ برادران اہل سنت کی اکثریت وہ ہے جو دانستہ یا نادانستہ طور پر مانتے انھیں کو ہیں جو اہلبیتؑ کے دشمنوں کی فہرست میں آتے ہیں اور بادل ناخواستہ اہلبیتؑ سے بھی محبت کی باتیں کرتے ہیں۔

احادیث کی قبولیت کا جہاں تک سوال ہے، میرے خیال میں تیجانی صاحب کا فیصلہ درست ہی ہے کہ جو احادیث شیعہ اور سنی دونوں فرقوں کی کتب میں ملیں اسی کو صحیح مانا جائے اور قبول کرلیا جائے۔ آپ کا اعتراض یہ ہے کہ شیعہ صرف اہلبیتؑ کو مانتے ہیں اور سنی خلفاء ثلاثہ اور اہلبیتؑ دونوں کو مانتے ہیں اس لئے صرف اہلبیتؑ والی حدیثیں یکساں ملیں گی، خلفاء سے متعلق حدیثیں یکطرفہ ہونگی۔ آپ کا خیال مغالطہ پیدا کررہا ہے مثال دوں تو شاید بات واضح ہوجائے اور مغالطہ دور ہو۔ مثال: زید اور بکر دونوں الگ الگ عقیدے کے انسان ہیں زید اور بکر دونوں متفق ہیں کہ خدا ایک ہے جسم و جسمانیات سے منزہ ہے، لطیف ہے، خبیر ہے اور اسکے ہر حکم پر عمل کرنا بندگان خدا پر واجب و لازم ہے...... یہاںتک دونوں متفق ہیں مگر...... زید کا اسی کے ساتھ یہ عقیدہ بھی ہے کہ شیطان ہمارا رہنما ہے، اس نے خدا کے سجدہ کا انکار نہیں کیا بلکہ آدم کے سجدے سے انکار کرکے شرک سے بچ گیا، وہ جسے چاہیگا جہنم میں بھیجے گا جسے چاہے گا جہنم سے بچالے گا وغیرہ وغیرہ...... تو ایمان سے بتایئے دونوں کے درمیان جو یکساں بات ہے اسے مانئیے

یا زید کی کل بات پر یقین کرلیں گے جو اللہ اور شیطان دونوں پر عقیدہ رکھنے والا ہے۔ ہر ذی عقل یہی کہیگا کہ اللہ پر ایمان رکھنے والا صرف انھیں باتوں کو تسلیم کریگا جو اللہ کی عظمت والوہیت کے مطابق ہیں۔ بکر زید کو قائل کرنا چاہے گا تو زید کے ان اقوال کو دلیل بنا کر پیش کریگا جو اللہ کی عظمت وجلالت کو پیش کرتی ہونگی، نہ کہ شیطان کی برتری والے اقوال کو۔ محترم! اس مثال کو پیش نظر رکھ کر ذرا ٹھنڈے دل سے غور فرمایئے کہ ایک وہ فرقہ ہے جو صرف ان لوگوں کی مدح وثنا کرتا ہے جو قرآن کی نظر میں، مرسل اعظمؐ کی نظر میں اور علماء اہلسنت کی نظر میں بھی تمام رجس وکثافت اور گناہوں کی آلودگی سے پاک وپاکیزہ ہیں، ساتھ ہی ان پاک و پاکیزہ مقدس اور برگزیدہ ہستیوں کے جو دشمن ہیں اُن سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے...... مگر دوسرا فرقہ وہ ہے جو زبان سے تو ان پاک وپاکیزہ ہستیوں سے بھی محبت کا دعویٰ کرتا ہے مگر ان کے جو مخالفین اور دشمن تھے ان کی مدح سرائی اور تاسی میں بہت بڑھ چڑھ کر نظر آتا ہے۔ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یا تو وہ قرآن کی آیتیں، تفسیریں اور احادیث کتب اسلام سے نکال دیجیۓ جو عظمت اہلبیتؑ میں ہیں۔ اور اگر انھیں تسلیم کرتے ہیں تو انکی مخالفت میں جو احادیث وروایات ہیں ان سے انکار کرنا ضروری ہوگا۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ حق بھی درست ہو اور باطل بھی۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ صاحب مـاینطق عن الھویٰ کو افضل المرسلین پیغمبر بھی مانئے اور ان پر ہذیان بکنے کا الزام رکھنے والے کو ان کا خلیفہ بھی مان لیجیۓ۔ جو بھی نبی کی شان میں گستاخی کریگا اُسے شیعہ فرقہ نفرت کی نظر سے دیکھے گا چاہے فرقہ مخالف اسے کتنا ہی ارفع واعلیٰ درجہ کیوں نہ عطا کردے۔ اسلئے یہ انصاف پسند فرقہ ان تمام فرضی اور وضعی احادیث وروایات کو نظر انداز کردیتا ہے جو دشمن محمد وآلِ محمدؐ کی مدح وسرائیں ہوتی ہیں۔ اور جو قرآن وسیرت کے مطابق ہوتی ہیں انھیں اپنالیتا ہے۔

ت: اس مقام پر سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ سابق علماء عام طور سے تاریخ

وتحریر میں وہ انداز اختیار کرتے تھے جو اموی اور عباسی حکام کے خیالات کے مطابق ہوں جنکی دشمنیٔ اہلبیتؑ شہرہ آفاق حیثیت رکھتی ہے۔اس بنا پر انتہائی ناانصافی ہے کہ انکے بیانات پر اعتماد کرلیا جائے اور دوسرے علماء اسلام کے بیانات کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے جنھیں ان حکومتوں نے پامال کیا ہے یا موت کے گھاٹ اتار دیا ہے صرف اس لئے کہ یہ حضرات اہلبیتؑ کے پیرو تھے اور انھوں نے ان ظالموں اور بے راہ رو حکومتوں کے خلاف صدائے انقلاب بلند کی تھی۔

ر: مجھے بڑا تعجب ہے کہ یہ شخص (ڈاکٹر تیجانی) سنیوں کی کتاب اور انکی حجت قبول کرنا ہی نہیں چاہتا ہے تو پھر یہ فیصلہ بھی کس طرح سے کرسکتا ہے کہ کون صحیح ہے اور کون غلط۔اور دوسری بات یہ کہ (جیسا کہ یہ شخص دعویٰ بھی کرتا ہے) کہ سارے علماء اپنی تحریر میں وہ انداز استعمال کرتے ہیں جو اموی یا عباسی حکام کے ہم خیال ہیں۔حتیٰ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حدیث کی کتابوں میں بھی انھوں نے کھلواڑ کیا ہے اور کئی حدیثیں یا بدل دیا ہے یا جان بوجھ کر بھر دیا ہے۔تو پھر یہ سوال کرونگا کہ ان کو کس طاقت نے روکا تھا کہ حدیثوں میں سے ہر حدیث جو اہلبیتؑ سے تعلق رکھتی ہیں انھیں سرے سے ہی نکال دیں؟

د: ایسا نہیں ہے کہ ڈاکٹر تیجانی نے سرے سے علماء اہلسنت کی کتاب اور ان کی حجت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہو، یہ تو آپ نے خود ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ انھوں نے اپنی تحریر میں تمام تر حوالے علماء اہلسنت کی کتابوں سے ہی دیئے ہیں۔اس حقیر کی تحریر میں بھی آپ کو یہی بات ملیگی کہ تمام حوالے علمائے اہلسنت کی کتابوں سے ملیں گے۔ایسا بھی نہیں ہے کہ ڈاکٹر تیجانی نے ”سارے علماء اہلسنت“ کی تالیفات کو اموی اور عباسی حکام کے زیر اثر قرار دیا ہو، بلکہ انھوں نے یہ لکھا ہے کہ ”سابق علماء عام طور سے تاریخ وتحریر میں وہ انداز اختیار کرتے تھے جو

اموی اور عباسی حکام کے خیالات کے مطابق تھے۔'' رہی حدیثوں کے ساتھ کھلواڑ کرنے کی بات تو محترم! مجھے یقین ہے کہ میری تحریر کو پڑھ لینے اور پرکھ لینے کے بعد آپ بھی یہی کہیں گے کہ'' بے شک دور بنی امیہ اور بنی عباس میں حدیثوں کے ساتھ کھلواڑ کیا گیا ہے اور کئی حدیثیں یا تو بدل دی گئی ہیں یا جان بوجھ کر گڑھ لی گئی ہیں'' یہانتک کہ پیغمبر اکرمؐ کی بھی عزت وحرمت کا پاس ولحاظ نہیں رکھا گیا۔

آپ کا یہ کہنا کہ ان علماء اہلسنت کو کس طاقت نے روکا تھا کہ وہ اہلبیتؑ سے متعلق احادیث کو سرے سے ہی نہ نکال سکے؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ'' جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے'' یعنی **الحق یعلو ولا یعلی** ۔ محترم! باطل کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اگر حق کی کچھ شمعیں روشن نہ ہوتیں تو صاحبان تحقیق وجستجو کی حق تک رسائی بے حد دشوار ہو جاتی۔ اسلئے قادر مطلق نے جس طرح حضرت موسیٰؑ کی فرعون کی آغوش میں پرورش کی، شب ہجرت مرسل اعظمؐ ننگی تلواروں سے مسلح دشمنوں کے درمیان سے نکل گئے مگر محفوظ رہے'' حضرت علیؑ شب ہجرت کھنچی ہوئی تلواروں کی گھیرابندی میں چادر تان کر سوتے رہے اور دشمن انھیں کوئی نقصان نہ پہونچا سکے، قرآن مجید سے سخت ترین دشمنی کے باوجود کوئی کافر قرآن سے کوئی ایک لفظ نہ ہٹا سکا اور نہ اس میں اضافہ کر سکا...... ٹھیک اسی طرح پروردگار عالم نے ذکر محمدؐ وآلِ محمدؐ کو ان کے مخالفین کی کتب میں بھی محفوظ کرا دیا تا کہ'' جویائے حق'' انھیں کتابوں سے حق وباطل کو اچھی طرح پہچان لیں۔ محترم رزاق بھائی! انشاء اللہ حق پسند افراد کے ساتھ آپ بھی جلد ہی انھیں کتابوں کے حوالہ جات سے حق وباطل میں امتیاز پیدا کر لیں گے اور پھر حق کے طرفدار بن کر اپنے ہم مشربین سے کہیں گے

دورنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا　　سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

ت: حقیقت امر یہ ہے کہ اگر صحابہ نہ ہوتے تو مسلمانوں میں نہ کوئی اختلاف ہوتا نہ کوئی تفرقہ اور جو کچھ بھی کوئی تفرقہ پیدا ہوا ہے یا پیدا ہوگا سب کا تعلق انھیں صحابہ کے بارے میں اختلاف سے ہے ورنہ تمام مسلمانوں کا خدا ایک، رسول ایک قبلہ ایک اور قرآن ایک ہے۔ اور سب اس بات پر متفق ہیں کہ اختلاف کا سلسلہ روز اول وفات پیغمبرؐ کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں صحابہ کے اختلاف سے شروع ہوا ہے اور آج تک جاری ہے اور نہ جانے کب تک جاری رہیگا۔

ر: کیا یہ شخص صحیح بیان دے رہا ہے؟ اگر صحابہ نہ ہوتے تو کیا اسلام یورپ کے دروازہ تک پہونچ سکتا؟ صرف اسلام کے پھیلاؤ کا اندازہ اور تخمینہ ان سارے صحابیوں کے دور سے کیجئے، پھر آپ بتائیں کہ کس صحابی نے کیا کام کیا اور دنیا کے کس کونے تک اسلام اور وحدہٗ لاشریک کو پہونچا دیا۔ یہ موازنہ میں کسی کی کمزوری ظاہر کرنے کیلئے نہیں کر رہا ہوں، بلکہ صرف حقیقت سے آشنا ہونے کیلئے۔ جو یہ شخص دعویٰ کرتا ہے کہ وہ سچائی کی تلاش میں ہے۔

د: محترم رزاق بھائی! آپ تاریخ اسلام سے بخوبی واقف ہیں، ذرا غور کیجئے اور بتایئے کہ مسلمانوں کے درمیان کھلے ہوئے اختلاف کی ابتدا ''سقیفہ بنی ساعدہ'' سے ہوئی یا نہیں کون حق پر تھا اور کون باطل پر اسے بعد میں تلاش کیجئے گا، پہلے یہ دیکھئے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف کی بنیاد کہاں پڑی اور اس کا ردِ عمل آج تک ہے یا نہیں؟ بلکہ اگر آپ انصاف کے ساتھ کھلے دل سے اختلاف کی تہہ میں جائینگے تو اختلاف کی پہلی اینٹ پیغمبر اسلامؐ پر ''ہذیان'' بکنے کے الزام کی شکل میں نظر آئے گی۔ رحمۃ اللعالمین فرما رہے تھے کہ..... ''ایسا نوشتہ لکھ دوں کہ تم میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے۔'' مگر پیغمبر اسلامؐ سے اختلاف کیا گیا اور کہا گیا ''حسبنا کتاب اللہ'' (ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے) کاش! وہ نسخہ حضور اکرمؐ سے لیا گیا ہوتا تو آج واقعی سارے عالم پر اسلام کا پرچم لہرا رہا ہوتا۔ ڈاکٹر تیجانی نے

اسکول اور کسی عالم کے پاس نہیں گیا۔ یہاں تک کہ آجتک میں کسی تقریر میں جا کر نہیں بیٹھا۔ قرآن خود ہی پڑھ کر سمجھا اور ختم کیا۔ پھر میں نے حدیثیں لیں انکو پڑھا اور اسکے علاوہ دنیا کے مختلف مسلم وغیر مسلم علماء کی کتابوں کا مطالعہ کیا تا کہ جان سکوں کہ اسلام کے بارے میں اور اپنے دین کے بارے میں نظریہ کیا ہے۔ میں نے ان سے کوئی بھی اثر قبول نہیں کیا۔ میرا اثر اور قبولیت صرف قرآن ہے اور میرے ٹیچر صرف اللہ اور رسول ہیں۔ باقی سب تاریخ ہے اس دنیا کو سمجھنے کے لئے۔

یہ مختصر سی اپنی تاریخ بتا کر آپ کو یہ احساس دلانا چاہتا ہوں کہ میں آپ سے اتنا نزدیک ہوں کہ آپ میری سچائی کی تصدیق بہ آسانی کر سکتے ہیں ـــــ میری باتوں کی سب سے بڑی ثبوت آپکی بہن سینہ ہیں، جو میری بیوی ہیں ـــــ وہ میری بات کی گواہی دیں گی۔

معاف کرنا میں اب اور زیادہ نہیں لکھ سکتا ہوں، تھک گیا ہوں ـــــ

فقط آپ کا ناچیز عزیزدار

عبدالرزاق کاظم

نوٹ: آپ کی بھیجی ہوئی کتاب کا جو نسخہ (فوٹو کاپی) اس خط کے ساتھ روانہ کر رہا ہوں اسکے آخری صفحہ پر اس کتاب کے مترجم ذیشان حیدر جوادی ـــــ کے وعظ کا وہ حصہ جو میں نے اور میری بیوی نے ٹیلیویژن پر محرم کے مہینہ میں سنا تھا، بیان کر دیا ہے، یہ وعظ بتاریخ 24-4-2000 کو اسلامی ٹیلیویژن نیٹ ورک سے منتشر کیا گیا تھا۔

(تبصرہ غور طلب ہے)

عبدالرزاق کاظم

ایسے ہی صحابہ کے لئے لکھا ہے کہ اگر یہ نہ ہوتے تو مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ آنحضرتؐ کی آخری خواہش کوٹھکرا دینا حادثہ نہیں بلکہ منصوبہ تھا۔ یہ درحقیقت ''مقدمہ بنی ساعدہ تھا'' جس کا نتیجہ ''اختلاف امت'' کی شکل میں ظاہر ہوا جو آج تک جاری ہے۔ محترم! جب کبھی آپ تنہائی میں ہوں، آپ کی نظر میں دنیا ہیچ ہو، عقبٰی کی فکر غالب ہو تو اسوقت جب آپ غور کریں گے تو آپ کو اس نتیجہ تک پہونچنے میں دشواری نہ ہوگی کہ مسلمانوں کا مختلف فرقوں اور مسلکوں میں تقسیم ہونا، انکے درمیان مذہب کے نام پر جنگ وجدال کا بازار گرم ہونا، برادران اہل سنت کے تیسرے خلیفہ کا قتل، چوتھے خلیفہ پر یورش، ان سے مسلسل جنگ (جنگ جمل وصفین ونہروان) ستر ہزار منبروں سے ان پر لعنت کہا جانا، خلافت راشدہ کے پانچویں اور آخری خلیفہ کے خلاف مکر وفریب کا جال بچھا کر انھیں خلافت سے دست بردار ہونے کے لئے مجبور کرنا، واقعہ کربلا، واقعہ حرہ، تاراجی مدینہ وغیرہ وغیرہ...... یہ سب انھیں صحابہ کے ذریعہ رسول اکرم کی آخری فرمائش پوری نہ کرنے کا نتیجہ ہے جس کے لئے جناب ابن عباسؓ برابر کہا کرتے تھے ''سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ لوگ پیغمبر اسلامؐ اور اس نوشتہ کے درمیان حائل ہوگئے جو اختلاف اور گمراہی سے بچانے والا تھا'' (صحیح بخاری جلد ۲ قول المریض قوموا عنی)

محترم! یہ تو تھی ڈاکٹر تیجانی کے ''حقیقت امر'' کی مزید وضاحت، اب آپ کے ذہن ودماغ پر جو ایک بہت بڑا سوال چھایا ہوا ہے، جو صرف آپ ہی نہیں بلکہ اکثر سُنی حضرات اس سوال کی آڑ میں غلط فہمی کا شکار بنے ہوئے ہیں، اس پر گفتگو کرنا ہے، یعنی ''اگر صحابہ نہ ہوتے تو کیا اسلام یورپ کے دروازہ تک پہونچ سکتا؟'' محترم! آپ مسلمانوں کے پھیلاؤ کو وسعت اسلام سمجھ رہے ہیں! یہی وہ بڑی غلط فہمی ہے جو کم وبیش تمام برادران اہل سنت کے ذہن وفکر پر اس طرح

مسلط کردی گئی ہے کہ وہ قرآن مجید کی اس آیت کو بھی فراموش کر بیٹھے قالت الاعراب آمنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما ید خل الایمان فی قلوبکم ان تطیعو الله ورسولهٔ لا یلتکم من اعمالکم شیئاان الله غفور الرحیم ☆ (حجرات ۱۴) یعنی عرب کے بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ آپ کہہ دیجئے کہ درحقیقت تم لوگ ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہوگئے، کیوں کہ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔ تم اگر اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کروگے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہیں کریگا بے شک اللہ بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

محترم رزاق بھائی! تلوار کے زور پر ''مسلمانوں کا پھیلاؤ'' تو ہوسکتا ہے لیکن ''حقیقی اسلام یا ایمان کا پھیلاؤ'' نہیں ہوسکتا۔ اسکے لئے عقیدہ کی پختگی اور آہنی کردار کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلامی رنگ میں رنگا ہوا آہنی کردار ڈنڈا تلوار یا گرینڈ چلانے سے نہیں حاصل ہوتا بلکہ اسکے لئے علم وحکمت، عزم وہمت، ایمان واخلاص، صبرواستقلال، راست گوئی وپرہیزگاری نیز ایثاروقربانی کا جذبہ ضروری ہے۔ محترم! آپ نے کبھی اس پر غور فرمایا کہ نبی رحمتؐ کی حیات طیبہ میں جتنے بھی غزوات وجہاد ہوئے وہ سب کے سب دفاعی نوعیت کے تھے، ایک بھی ایسی جنگ آپ کی حیات طیبہ میں نظر نہیں آتی جسمیں آپ نے خود کسی ملک، قبیلہ یا گروہ پر حملہ کرنے میں پہل کی ہو۔ اسلامی نظریات کی توسیع ضرور دوسرے ممالک میں کی جارہی تھی جس کے نتیجہ میں دور دراز سے کھنچ کر لوگ آنحضرتؐ کے پاس آرہے تھے اور اسلام قبول کررہے تھے۔ آپ کا فرمانا ہے کہ اگر صحابہ نہ ہوتے تو کیا اسلام یورپ کے دروازہ تک پہونچ سکتا؟ میں آپ سے اور تمام مسلمانوں سے یہ پوچھتا ہوں کہ وہ امریکہ جس سے صحابہ کے زمانے میں کوئی واقف نہیں تھا آج وہاں اسلام ہے یا نہیں؟ وہاں کس صحابی یا خلیفہ کی فوج تلوار لیکر ''اسلام کے پھیلاؤ کے لئے

گئی''؟ محترم! اسلام فوج اور تلوار کا مرہون منت نہیں ہے بلکہ کردار اور عمل کے ذریعہ اسلام کو وسعت حاصل ہوئی ہے۔ ہاں جاہل اور بے عمل مسلمان ضرور تلوار کے زور سے پھیلے جنھیں آج بھی اسلام اور اسلامی تعلیمات سے واقفیت حاصل نہیں ہے۔ رہی موازنہ کی بات کہ ''کس صحابی نے کیا کام کیا اور دنیا کے کس کونے تک اسلام اور اللہ وحدہٗ لاشریک کو پہونچا دیا''...... تو یاد رکھیے کہ ایک نوزائیدہ بچہ کی پرورش وہ بھی ایسے ماحول میں کہ جب گھر میں بھی دشمن موجود ہوں، بہت مشکل ہے، مگر جب وہی بچہ پل کر جوان رعنا ہو چکا ہو تو اسکے لئے آگے بڑھنا، وسعت اختیار کرنا اور دور دراز تک اپنا اثر قائم کرنا مشکل امر نہیں ہے۔

دعوت ذوالعشیرہ میں نبیؐ کی آواز پر لبیک کہنا، شعب ابوطالب میں چراغ نبوت کو گل ہونے سے بچانا، ہجرت کی شب اپنی جان جوکھم میں ڈال کر، نبیؐ کی شبیہ بن کر نبی کے بستر پر سو رہنا، جنگ بدر میں صرف ۳۱۳ مسلمانوں کا دو ہزار کی فوج سے مقابلہ کرنا اور اسلام کے بڑے بڑے دشمنوں کو تہہ تیغ کرنا، جنگ احد میں بے وفا صحابہ کے فرار اختیار کرنے کے بعد بھی شمع نبوتؐ کی حفاظت کرنا، خیبر میں یہودیوں کے ہاتھوں ۳۹ دن تک پیہم شکست کے بعد پرچم اسلام سرنگوں ہونے سے بچانا، جنگ احزاب میں دشمنِ اسلام عمرا ابن عبدود کا اسلامی بہادروں (صحابہ) کو چیلنج دینا کہ ''آؤ مجھے قتل کرو اور غازی بنو یا میرے ہاتھ سے قتل ہو کر شہید بنو'' مگر اس آواز پر حضورؐ کی فہمائش کے بعد بھی کسی صحابی کا مقابلہ کے لئے نہ اٹھنا اور پھر کسی اسلامی جانباز کا عمرو ابن عبدود کے مقابلہ پر جانا اسکا سر قلم کر کے لانا اور اسلام کو ہزیمت سے بچانا...... یہ ہے اسلام کی سچی خدمت اور صحیح معنی میں ''اسلام کا پھیلاؤ'' آپ خود ہی ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیے اور انصاف سے بتایئے کہ اگر مکہ میں یا مدینہ کی کسی جنگ میں مرسل اعظمؐ شہید کر دئے جاتے تو کیا ہمیں اسلامی پیغام، آنحضرتؐ کی سیرت، قرآن کی تعلیم مل سکتی تھی؟ اگر حضورؐ کی شہادت واقع

ہو جاتی تو اسلام نامکمل رہ جاتا، ایسی صورت میں صحابۂ کرام خلفاء اور امراء یوروپ کے دروازہ تک کیا لیجاتے؟...... اسلئے محترم! کھلے دل سے تسلیم کیجئے کہ اصل شجاع، بہادر اور محسنِ اسلام وہ ہے جس نے اپنی جان خطرہ میں ڈال کر اسلام کے نرم و نازک پودے کی داخلی اور خارجی دشمنوں سے حفاظت کی اور اپنی اولاد کی بیش بہا قربانی دے کر اس کی آبیاری کی۔ جب یہی نرم و نازک پودا ایک تناور درخت بن گیا تو دنیا پرست صحابہ نے ایک طرف اسکے سایہ میں پناہ لی تو دوسری طرف اُسے مال غنیمت حاصل کرنے کا ذریعہ بنالیا اور ساتھ ہی اسلامی دبدبہ جو کہ پہلے ہی قائم ہو چکا تھا، اسکے سہارے دوسرے ممالک پر فوج کشی کر کے (مگر خود تخت خلافت پر مسند نشین رہتے ہوئے) فتحیابی کا سہرا اپنے سر بندھوالیا۔ جن صحابہ کا ذکر آپ کر رہے ہیں انھیں آپ کہیں میدان جنگ میں نہیں پائیں گے۔ البتہ اُحد سے فرار کی تفصیل ضرور قرآن میں مل جائیگی۔ آپ نے لکھا ہے کہ ''کسی کی کمزوری ظاہر کرنے کیلئے یہ موازنہ نہیں کر رہا ہوں'' محترم! اُحد، خیبر، خندق...... میں فرار اختیار کرنے والے صحابہ کے مقابلے میں کسے کمزور کہنا چاہتے ہیں؟ کیا اسے جسے قرآن مجید میں **کانھم بنیان مرصوص** کہا گیا ہے؟ ''کسی کی کمزوری'' سے آپ کا کیا مفہوم ہے؟ کیا اسد اللہ الغالب علی ابن ابیطالبؑ کو کمزور بتانا چاہتے ہیں؟ ابھی تک کسی بڑے سے بڑے بہادر مورخ یا سیرت نگار کی بھی جرأت نہیں ہوسکی کہ وہ حضرت علیؑ کی شجاعت پر انگلی اٹھا سکے۔ کسی بہادر کی بہادری پر کوئی بہادر ہی سچا تبصرہ کرسکتا ہے۔ لیجئے ایک سنی سپہ سالار جنرل محمد اکبر خاں آف پاکستان کی کتاب ''Hazrat Ali As Amir'' پڑھئے:

" It is a mamtter a serious consideration for every intelligent and sincere student of Islamic History that the first choice of the Holy Prophet in regard to the one to serve as to govern his

affairs to execute all his duties in his absence fell on none else but the great general Ali. The world around had already witnessed the unique qualities Ali exclussively possessed to act in place of Holy Prophet, with the same wisdom,courage,justice and sacrifice needed to defend the rights of the Muslims and manage their affairs, both spritual and secular. When the Holy Prophet led the expedition to Tabuk,Ali was appointed by the Holy Prophet to the important post of the Amir or his viceroy at Madina, saying ,"OAli! thou are to me as Haroon to Moses". This is undoubtedly an open declaration of clearest guidance to the Muslims as to who they shuold trust in his absence.

Circumstances and the state of affairs fully justify the decission of the Holy Prophet that the state first formed constituted by the converts to Islam who were mostly half hearted and hypothetical, needed only a Military genius like Ali combined with the unique personal qualities which he and none else possessed" (Page16& 17)

ترجمہ: ''تاریخ اسلام کے ہر زیرک اور سنجیدہ طالب علم کے لئے یہ مسئلہ انتہائی قابل غور وفکر ہے کہ پیغمبر اسلام کی غیر موجودگی میں اُن کے منصبی فرائض کی ادائیگی اوراُن کے احکام کے نفاد کے لئے آنحضرت کی پہلی نظرانتخاب عظیم سپہ سالار علی

ہی پر پڑی اور کسی پر نہیں۔ گردو پیش کی دنیا پہلے ہی اُن منفرد صلاحیتوں کا مشاہدہ کر چکی تھی جو جناب رسالتمآبؐ کی جگہ پر اُنھیں جیسی عقل و دانش، جرأت وہمت عدل وانصاف اور ایثار وقربانی کیساتھ مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ اور اُن کے دنیاوی وروحانی معاملات کی انجام دہی کے لئے علیؑ اور صرف علیؑ ہی کی ذات میں محدود تھیں۔ جب پیغمبر اسلامؐ تبوک کی مہم پر روانہ ہوئے تو اُنھوں نے مدینہ کے امیر اور اپنے وائسرے کی اہم جگہ پر علیؑ ہی کا تقرر کیا اور کہا کہ "اے علیؑ میرے ساتھ تمہاری وہی حیثیت ہے جو موسیٰؑ کے ساتھ ہارون کی تھی۔ بلا شک وشبہ (نبی کا یہ ارشاد) ایک کھلا ہوا اعلان اور مسلمانوں کو اس امر کے لئے ایک واضح ہدایت ہے کہ آنحضرتؐ کی عدم موجودگی میں وہ کس ذات پر اعتماد کریں۔

اسوقت کے حالات اور معاملات کی نوعیت پیغمبر اسلامؐ کے اس فیصلہ کو پوری طرح صحیح اور حق بجانب قرار دیتے ہیں۔ اسلئے کہ اُسوقت جو اسلامی ریاست قائم کی گئی تھی وہ اُن نومسلموں پر مشتمل تھی جنھوں نے زیادہ تر نیم دلی سے (بادل ناخواستہ) صرف رسمی طور پر اسلام قبول کیا تھا۔ اس ریاست کو علیؑ ہی ایسے شخص کی ضرورت تھی جو ماہر جنگ ہونے کے علاوہ اور بہت سی نایاب ذاتی صلاحیتوں کا تنہا مالک تھا، کوئی دوسرا نہیں۔"

دوسرا اقتباس: "Even as Field Marshal or the Commander-in-chief of the Muslim Army, in the worst of circumstances, Ali demons trated the qualities of matchless gentleness and marvellous nobility and fellow feeling along with his mighty strenght, martial sprit, inimatable valour and dauntless venture. Ali

was a great personality with matchless strength of determination and blotless purity of character, always ready to lay down his life and secrifice his all for the cause of Islam and to protect the holy prophet. History proves him to be the one who has always stood by the Holy prophet even when most of companions had deserted the cause and the leader in the worst situation in the battle fields.

ترجمہ: ''میدان جنگ کا بادشاہ یا مسلمانوں کی فوج کا سپہ سالار ہونے کی حیثیت سے اور بدترین حالات میں علیؑ نے اپنی بے پناہ قوت، جذبہ حرب وضرب، یگانہ روزگار جرأت وہمت اور بے خوف وخطر حالات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیتوں کے ساتھ اپنی بے مثال رحم دلی، اعلیٰ ترین شرافت اور انسانی ہمدردی کا مظاہرہ کیا۔ علیؑ ایک عظیم شخصیت تھی جس میں عدیم المثال قوت ارادی اور کردار کی بے داغ پاکیزگی تھی۔ جو نہ صرف اپنی زندگی، بلکہ اپنا سب کچھ اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی حفاظت کے لئے قربان کرنے کو ہمہ وقت تیار رہتا تھا۔ تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ علیؑ وہ پیکر ثبات تھا جو ہمیشہ رسولؐ کے پہلو میں ثابت قدم رہا، اُس نازک ترین وقت میں بھی جب تقریباً تمام صحابہ رسولؐ نے خود اسلام کو اور رسول اسلامؐ کو میدان جنگ میں تنہا چھوڑ دیا تھا۔''

محترم! حضرت علیؑ کے بارے میں کمزوری کا ایک ہلکا سا خیال پیدا ہونا بھی بالکل ایسا ہی ہے جیسے چلچلاتی دھوپ میں کوئی شخص کھڑا ہوا یہ کہے کہ سورج میں روشنی نہیں ہے۔ مزید اطمینان کیلئے چند اقتباسات نہایت اختصار سے پیش ہیں

ملاحظہ ہوں:

جنگ بدر: ''ابن عمر سے روایت ہے کہ سوا اس کے کچھ نہیں کہ غیر حاضر رہے عثمان بدر سے بوجہ بیوی کی علالت کے، حضرت ابو بکر نہ تو جنگ کی صفوں میں شریک ہوئے نہ تلوار چلائی اور نہ کسی کے مقابلہ میں گئے۔ لشکر کفار سے اولاً ہندہ کا بھائی، باپ اور چچا یعنی ولید، عتبہ اور شیبہ نکلے اور مبارز طلبی کی۔۔۔ یہ سن کر بجز قرابتداران رسولؑ کے کوئی نہ نکلا یعنی علی مرتضیٰؑ، حضرت حمزہؓ اور ابو عبیدہؓ بن حارث بن عبد المطلب نکلے۔ علی مرتضیٰؑ نے ایک وار میں ولید کو واصل جہنم کیا اور حضرت حمزہؓ نے ایک وار میں عتبہ کا خاتمہ کر دیا اور شیبہ نے ابو عبیدہ ابن حارث کو زخمی کر دیا مگر شیر خدا نے اسکی پہلوانی کا بھی خاتمہ کر دیا، اب عام جنگ شروع ہوئی، مگر حیدر کرار کے مردانہ وار حملوں نے کسی کی بہادری کا چراغ جلنے نہ دیا اور (۳۶) نامور پہلوانوں کو دم کے دم میں کاٹ کر پھینک دیا جن میں حنظلہ ابن ابو سفیان، نوفل بن خالد، عاص ابن سعد، عمر بن عثمان، عم طلحہ بن عبداللہ، عثمان و مالک برادر طلحہ شامل تھے جنکے مرنے سے مکہ کے ہر گھر میں صف ماتم بچھ گئی...... جیسا کہ اوپر ذکر ہوا حضرت عثمان اس جنگ میں شریک نہ تھے، حضرت ابو بکر و عمر نے کسی پر تلوار لگائی نہ خود کوئی زخم کھایا۔ جب (۷۰) افراد اسیر ہو کر لشکر مخالف سے آئے تو حضرت عمر تلوار لے کر کہتے رہے کہ رسول اللہ صلعم حکم دیں کہ ہر شخص اپنے اپنے عزیز کو قتل کرے۔ حضرت رسولؑ نے اس سے اتفاق نہ فرمایا''

(فیض الباری پارہ ۱۲ص ۱۳۱، ماخوذ از کلمۃ الحق)

" On this battle (Badr) and all the subsequent ones Ali singly stood by the holyProphet braving the enemy with military genius manifesting his devotion and loyalily to the

leader, demonstrating the most talented application of the ground principle of meritorious war-fare" (Hazrat Ali As An Amir: by Gen. Mohd. Akbar Khan)

ترجمہ: اس جنگ (بدر) میں اور اس کے بعد کی تمام جنگوں میں، پیغمبر اسلامؐ کے پہلو میں صرف علی موجود تھے جو اپنے رہبر (پیغمبر اسلامؐ) سے اپنی محبت اور وفاداری کے ساتھ ساتھ بہترین فن سپہ گری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کا مقابلہ کررہے تھے اور فن حرب کے اعلیٰ ترین اصولوں کا نمونہ پیش کررہے تھے۔"

کنزالعمال جلد۵ ص ۲۷۰ میں سعد سے مروی ہے کہ بدر میں علیؑ نر گھوڑے کی طرح آواز کرتے تھے اور رجز پڑھتے تھے اور اسوقت تک واپس نہ ہوتے جب تک تلوار خون سے رنگین نہ ہو جاتی۔

جنگ احد: تاریخ طبریؔ، تاریخ کاملؔ ابن اثیر اور مدارجؔ النبوۃ عبدالحق محدث دہلوی کی تحریر کا خلاصہ پیش ہے کہ جب مسلمانوں کی احد میں شکست ہوئی تو تمام صحابہ آنحضرتؐ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اسوقت آپؐ غضبناک ہوئے یہانتک کہ پیشانی مبارک سے پسینہ ٹپکنے لگا۔ چار دانت آپؐ کے شہید ہو گئے پھر دیکھا تو صرف علیؑ کو اپنے پہلو میں کھڑا پایا۔ اسی وقت ایک جماعت کفار کی آنحضرتؐ پر حملہ آور ہوئی۔ رسول خداؐ نے فرمایا اے علیؑ! میرے ناصر و مددگار علیؑ! مجھے ان دشمنوں سے بچاؤ۔ باوجود شدت زخم ذوالفقار حیدری نے وہ جوہر دکھائے کہ کئی حملہ آوروں کو جہنم واصل کیا اور ما بقے کفار کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔" علامہ شبلی نعمانی اس موقع پر لکھتے ہیں کہ: "دل کا دل ہجوم کر کے بڑھتا تھا لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ کر رہ جاتا تھا" تاریخ خمیس میں ہے کہ "حضرت علیؑ دشمن کی فوج میں

گھس کر داد شجاعت دیتے رہے۔ علمدار لشکرِ کفار طلحہ ابن ابی طلحہ حضرت علیؑ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ دوسرا علمدار عثمان ابن ابی طلحہ حضرت حمزہ کے ہاتھ سے مارا گیا پھر اسکا ایک بھائی ابوسعید ابن طلحہ علم لیکر بڑھا حضرت علیؑ نے اسے بھی ایک وار میں ٹھکانے لگایا۔ پے در پے دس علمدار علیؑ کے ہاتھ سے مارے گئے۔ ابی ابن خلف غل مچاتا ہوا آگے بڑھا کہ محمدؐ کہاں ہیں اور نیزہ کا وار کرنا چاہا، آنحضرتؐ نے وہی نیزہ چھین کر اس کو ہلاک کر دیا۔ کسی نے چھپ کر ایک پتھر مارا جو دہن اقدس پر لگا، ہونٹ کٹ گیا اور چار دانت شہید ہو گئے اور پیشانی مبارک زخمی ہو گئی۔ مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ آنحضرتؐ بے ہوش ہو کر گر پڑے تو کسی نے صدا بلند کی قد قتل محمد فارجعوا الیٰ ادیانکم ☆ یعنی محمدؐ مارے گئے پس تم لوگ اپنے اپنے (سابقہ) مذہب پر پلٹ جاؤ۔" محترم قارئین کرام! اسی مسند احمد ابن حنبل میں یہ بھی درج ہے کہ جنگ ختم ہو چکنے کے بعد حضرت علیؑ نے حضرت عمر سے پوچھا الست منادی قد قتل محمد فارجعوالیٰ ادیانکم یعنی کیا تم نے ایسی صدا بلند کی تھی کہ محمدؐ مارے گئے اپنے اپنے دین کی طرف پلٹ جاؤ؟ اس سوال کے جواب میں حضرت عمر نے کہا بہ تحقیق ایسی صدا تو حضرت ابوبکر نے بلند کی تھی" ......

طبری، ابن اثیر اور روضۃ الاحباب میں تحریر ہے کہ "جب مسلمان بھاگ رہے تھے تو آنحضرتؐ کو غصہ آیا، پیشانی اقدس سے پسینہ ٹپکنے لگا، اتنے میں دیکھا تو علیؑ کو زخموں سے چور پہلو میں کھڑا پایا۔ اتنے میں کافروں کا ایک گروہ پھر حملہ آور ہوا۔ حضرتؐ نے فرمایا علی! ان سے میرا تحفظ کرو۔ حضرت علیؑ نے اتنا زوردار حملہ کیا کہ تلوار ٹوٹ گئی ...... اسی موقع پر آنحضرت نے بحکم پروردگار ذوالفقار عطا کی۔ جسے لیکر شیر خدا نے کچھ اس انداز میں حملہ کیا کہ لشکر کفار پسپا ہو کر بھاگا۔ علی مرتضیٰؑ کے شیرانہ حملہ نے جماعت مخالف کے پاؤں اکھیڑ دئے۔ اسوقت فرشتۂ غیبی مابین زمین و آسمان کہتا پھرتا تھا لا فتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار ☆

جواب خط

باسمہٗ سبحانہٗ

برادر محترم عبدالرزاق کاظم صاحب زاد توفیقاتکم

سلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہٗ ۔ امابعد……

محترمی ظفر حسین صاحب نے آپ کا خط مورخہ ۱۵/مارچ ۲۰۰۰ء اور ڈاکٹر محمد تیجانی کی کتاب ''مجھے راستہ مل گیا'' پر آپ کا تبصرہ میرے حوالہ کیا کہ میں اس کے تشفی بخش جواب سے آپ کو مطلع کروں۔ ناچیز نے اپنی مصروفیتوں کے باوجود اس خدمت کو قبول کرلیا تاکہ اسی بہانے ایک مسلم بھائی سے قربت حاصل ہوسکے نیز حق کی ''جستجو'' میں ہم دونوں ہمسفر بن کر ''منزل نجات'' کو حاصل کرلیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے کچھ بنیادی باتیں اپنے خط میں تحریر کی ہیں جس سے مجھے (یعنی شیعہ مذہب کو) پورا اتفاق ہے۔ (یہاں یہ بات واضح کردینا مناسب ہوگا کہ یہ حقیر جو کچھ لکھ رہا ہے ذمہ داری کے ساتھ شیعہ مذہب کی نمائندگی کرتے ہوئے لکھ رہا ہے) اس گفت وشنید کے درمیان ایک وضاحت اور ضروری معلوم ہوتی ہے، وہ یہ کہ جب ہمارے اور آپ کے مذہب میں فرق ہے تو بہت ممکن ہے کہ کہیں آپکی تحریر سے مجھے ٹھیس لگے اور میری گذارش سے آپ کو، تو ایسی صورت میں ہم دونوں کو صبر وتحمل سے کام لے کر ٹھنڈے دل سے حقائق پر غور کرنا ہوگا اور سفر جستجو کو برابر جاری رکھنا ہوگا تاوقتیکہ منزل نجات سے ہمکنار ہوجائیں۔

آپ نے خط میں جو باتیں تحریر کی ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ اللہ تعالےٰ نے سب سے پہلے قرآن میں اس بات پر زور دیا ہے کہ ''ہر شخص کو اپنے اعمال کا حساب خود ہی کو دینا ہے''۔ بیشک قرآن کریم کے مطابق لاتزر وازرۃ وزر اخریٰ (کوئی ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیگا) (انعام ۱۶۴۔ بنی اسرائیل ۱۵۔ فاطر ۱۸ وغیرہ)۔

آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے پوچھا اے علیؑ! سب بھاگ گئے مگر تم نہ بھاگے؟ علیؑ نے جواب دیا أاکفر بعد الایمان ...... یارسولؐ اللہ! کیا ایمان کے بعد پھر کفر اختیار کرلیتا؟ میں تو آپؐ کے نقش قدم پر چلنے والا ہوں۔ آپ ہی کی تاسی سے سبق حاصل کرتا ہوں...... تفصیل ملاحظہ ہو: مدارج النبوۃ جلد۲ ص ۱۶۷، تاریخ کامل جلد ۲ ص ۵۸، کنز العمال جلد۳ ص ۱۵۵ وروضۃ الاحباب وغیرہ۔ علیؑ کی شان میں اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ''الذین استجابو اللہ والرسل...... ونعم الوکیل ☆ (آل عمران ۱۷۲ و۱۷۳) یعنی جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی خدا اور رسولؐ کا کہنا مانا ان میں سے جن لوگوں نے نیکی اور پرہیزگاری کی ان کے لئے عظیم اجر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے مقابلہ کے واسطے بڑا لشکر جمع ہے پس ان سے ڈرو، تو (بجائے خوف زدہ ہونے کے) اس کا ایمان اور زیادہ ہوگیا اور کہنے لگے خدا ہمارے واسطے کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے'' اور جنگ سے فرار اختیار کرنے والے صحابہ کی منظر کشی قرآن ان لفظوں میں کررہا ہے اذتصعدون ولا تلوون علیٰ احد والرسول یدعوکم فی اخراکم ...... یعنی جس وقت تم پہاڑ پر چڑھتے چلے جارہے تھے اور کسی کی طرف مڑ کر دیکھ تک نہیں رہے تھے اور رسول خداؐ تمہارے پیچھے سے تمہیں آواز پر آواز دے رہے تھے......'' مولانا یوسف صلاح الدین مصحف سعودی کے تفسیری حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ ''کفار کے اچانک حملہ سے مسلمانوں (صحابہ) میں جو بھگدڑ مچی اور مسلمانوں (یعنی صحابہ) کی اکثریت نے راہ فرار اختیار کی یہ اس کا نقشہ بیان کیا جارہا ہے...... نبیؐ اپنے چند ساتھیوں سمیت پیچھے (جنگ میں گھرے) رہ گئے اور مسلمانوں کو پکارتے رہے ''الیّ عباد اللہ! الیّ عباد اللہ !!'' اللہ کے بندو میری طرف لوٹ کر آؤ، اللہ کے بندو میری طرف لوٹ کر آؤ! لیکن سراسیمگی کے عالم میں یہ پکار کون سنتا؟''...... محترم رزاق بھائی!

بھاگنے والوں میں کون کون نامور صحابہ تھے۔ اور جنگ ختم ہونے کے بعد کیا کیا بہانے تلاش کررہے تھے اور علیؑ کس طرح کانھم بنیان مرصوص کی عملی تفسیر بنکر رسولؐ کی حفاظت کر رہے تھے، اسکی تفصیل مندرجہ ذیل کتابوں میں پڑھئے اور اسکے بعد ''علیؑ کی کمزوری کا موازنہ کسی کی شجاعت سے کیجئے''...... ملاحظہ فرمایئے: مدارج النبوۃ جلد۲ ص ۱۶۷، تاریخ کامل جلد۲ ص ۵۸، کنز العمال جلد۳ ص ۱۵۵، روضۃ الاحباب جلد۱ ص ۱۷۷، معارج النبوۃ رکن رابع ص ۱۰۷، ترجمان القرآن مولفہ صدیق حسن خاں جلد۱ ص ۵۱۳، درمنثور سیوطی جلد۲ ص ۸۱، تاریخ طبری ص ۱۸۷، تاریخ الامم والملوک طبری طبع مصر جلد۳ ص ۱۷ وغیرہ وغیرہ۔

جنگ احزاب: اسے جنگ خندق بھی کہتے ہیں ۵ھ میں یہ جنگ واقع ہوئی کفار قریش کی یہ زبردست کوشش تھی جس میں جتنی بھی اسلام دشمن طاقتیں تھیں اُن سب کو متحد کیا گیا، یہودیوں کو بھی سازباز کر کے ملایا گیا اور اس طرح اجتماعی طاقت سے دس ہزار کا لشکر ابوسفیان کی قیادت میں نکلا اور مدینہ کا محاصرہ کرلیا۔ جناب سلمان فارسیؓ کی رائے کے مطابق آں حضرت نے اطرافِ شہر میں خندق کھدوائی۔ ایک روز عمروابن عبدود اور اس کا بیٹا حسل بن عمرو بن عبدود، عکرمہ ابن ابی جہل، عبد اللہ بن مغیرہ ضرار بن خطاب، نوفل بن عبد اللہ اور بیرہ ابن ابولہب وغیرہ گھوڑوں کو مہمیز کر کے خندق کے اس پار آگئے اور خندق کے اس پار دوسرے کنارے پر ابوسفیان، خالد بن ولید (جنھیں بعد میں دور خلافت حضرت ابوبکر میں ''سیف اللہ'' کا خطاب عطا کیا گیا) اور دیگر سالارانِ لشکر کفار خندق کے برابر پرے جما کر کھڑے ہوگئے۔ عمرو ابن عبدود بڑے ہی جوش و خروش سے مبارز طلب ہوا۔ اور کہا کہ اے مسلمانو! تمہارے نبی کا قول ہے کہ جو جہاد میں مارا جاتا ہے وہ سیدھے بہشت میں جاتا ہے تو آؤ لگے ہاتھوں تمام مسلمانوں کو بہشت میں

بھجوادوں"۔ عمرو ابن عبدود اپنی شجاعت کے لئے بہت مشہور تھا اور ایک ہزار آدمیوں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اسکے مبارزطلبی پر کسی صحابی کی لبیک کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ بجز علیؑ مرتضیٰ کے کوئی نہ تھا۔ آنحضرتؐ نے علیؑ کو بٹھا دیا صحابہ کی طرف دیکھا، حضرت عمر کہنے لگے کہ اس دیوزاد پہلوان کے مقابلہ پر بھلا کون جا کر اپنی جان دے گا اور ایک واقعہ سنایا کہ زمانہ جاہلیت میں ایک بار وہ عمرو ابن عبدود کے کے ہمسفر تھے۔ راستہ میں ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے حملہ کر دیا۔ عمرو نے ایک اونٹ کے بچہ کو سپر بنالیا اور بیشتر ڈاکوؤں کو تن تنہا قتل کر ڈالا، باقی ماندہ بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ واقعہ سن کر مسلمانوں پر اور دہشت طاری ہو گئی۔ عمرو ابن عبدود نے جب تیسری بار مبارزطلبی کی تو پھر بجز علیؑ کے کوئی نہ اٹھا تو آں حضرتؐ نے علیؑ کے سر پر اپنا عمامہ باندھا، دوش پر اپنی ردا ڈالی اور اپنی تلوار عنایت کی اور فرمایا برز الایمان کلہ الی الکفر کلہ یعنی ایمان مجسم کل کفر کے مقابلہ میں جا رہا ہے۔ حیدر کرارؑ نے عمرو ابن عبدود کے سامنے دو شرطیں رکھیں (۱) اسلام کو قبول کرلے، یا (۲) گھوڑے سے اتر کر عرب کے دستور کے مطابق مجھ سے جنگ کر، میرے پاس گھوڑا نہیں ہے۔ عمرو ابن عبدود نے کہا کہ اے بھتیجے میں نہیں چاہتا کہ تجھ کو قتل کروں۔ علیؑ نے جواب دیا لیکن میں چاہتا ہوں کہ تجھے قتل کر دوں، عمرو نے غصہ میں گھوڑے کے پیر قلم کر کے خندق میں پھینک دیا اور شیر خداؑ کے مقابلہ پر آ گیا۔ کچھ دیر ردو بدل ہوتی رہی، یکبار غبار بلند ہوا اور فضا میں علیؑ مرتضیٰ کا نعرہ تکبیر گونجنے لگا۔ جب گرد و غبار چھٹا تو دنیا نے دیکھا کہ دیو پیکر عمرو ابن عبدود مع زرہ بکتر کے دو ٹکڑے ہو کر زمین پر پڑا ہے۔ یہ جنگ احزاب کی تلخیص ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: سورہ احزاب آیت ۱۸ تا ۲۵ (آیت ۲۵ کے متعلق ابن طلحہ شافعی مطالب السؤل میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں علیؑ کا نام تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود کے جمع کردہ قرآن کے نسخہ میں یہ آیت اس طرح درج تھی:

وكفى الله المومنين القتال بعلى كان الله قويا عزيزا ☆ یعنی اس جنگِ احزاب میں اللہ تعالیٰ مومنوں کے لئے علیؑ کے ذریعہ کافی ہوگیا، اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا اور غالب ہے) کنز العمال کتاب الغزواۃ جلد ۵ ص ۲۷۹، مواہب لدنیہ جلد ۲ ص ۱۱۸، تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۴۰، مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۳۹۲، تاریخ کامل جلد ۲ ص ۶۹، طبری جلد ۳ ص ۵۲، والمعلم ترجمہ صحیح مسلم جلد ۵ ص ۱۹۶، شرح مقاصد تفتازانی ص ۳۰۱، ۳۰۰، درمنثور سیوطی ص ۱۸۵، مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۲۳۲، خصائص سیوطی جلد ۱ ص ۲۳۱۔ (یہ ابن طلحہ شافعی کی تحریر ہے شیعہ حضرات بہر حال قرآن میں کسی تحریف کے قائل نہیں ہیں، خواہ اس سے فضیلت حضرت علیؑ کیوں نہ ثابت ہوتی ہو)

جنگ خیبر: تلخیص۔ جنگ خیبر ۷ھ میں واقع ہوئی، یہودیان خیبر کی تعداد دس ہزار تھی۔ قلعہ خیبر مرکزی قلعہ تھا۔ مرحب سردار قلعہ تھا۔ حارث اس کا بھائی اور ہم پلہ پہلوان تھا۔ انہی کا ہم پلہ سردار لشکر عنتر تھا۔ آنحضرتؐ دردشقیقہ میں مبتلا تھے اور یہ سلسلہ بہ مشیت الٰہی ۴۰ دن تک رہا حضرت علیؑ آشوب چشم میں مبتلا تھے اور پہلی منزل پر رہ گئے تھے۔ ۳۹ دن تک لشکر اسلام مختلف سرداروں کی سربراہی میں، جن میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر بھی شامل تھے قلعۂ خیبر پر جاتا رہا اور شکست کھا کر پلٹ آتا تاریخ طبری ص ۵۷۹ اور مستدرک میں درج ہے کہ بھاگ کر واپس آنے پر حضرت عمر نے لشکر پر نامردی کا الزام لگایا اور لشکر نے یہی الزام سردار لشکر (حضرت عمر) پر لگایا۔ ۳۹ دن کی ہزیمت کے بعد رسول خداؐ نے فرمایا لاعطين الرايت غداً رجلا كرارا غير فرار يحبه الله ورسوله يفتح الله على يديه یعنی ضرور کل کے دن میں ایسے شخص کو علم دونگا جو مرد ہوگا اور بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہوگا، جسے اللہ اور اسکے رسولؐ دوست رکھتے ہونگے اور اسکے ہاتھ پر اللہ فتح عطا کریگا۔'' اس اعلان کے بعد شکست خوردہ لوگوں کے دل میں پھر سے

تشویق پیدا ہوئی کہ کاش ان صفات کے حامل ہم قرار پا جاتے۔ چونکہ حضرت علیؑ موجود نہیں تھے اس لئے لوگوں کو میدان اور بھی صاف نظر آیا اور خیال گذرا کہ پے در پے شکست کے باوجود علم ہم میں سے ہی کسی کو ملیگا۔ جب صبح ہوئی تو بڑے بڑے صحابہ ہتھیار سجا کر سامنے آئے۔ حضرت عمر کہتے تھے کہ مجھے لشکر کی سرداری کی کبھی ایسی خواہش نہیں پیدا ہوئی جیسی خیبر کے دن۔ آنحضرتؐ نے ایک نظر مجمع پر ڈالی اور فرمایا این علیؑ ابن ابیطالب (علی ابن ابیطالب کہاں ہیں) لوگوں نے کہا کہ وہ تو آشوب چشم میں مبتلا ہیں اور پہلی منزل پر رہ گئے ہیں۔ آپؐ نے سلمان فارسیؓ سے کہا کہ جاؤ اور علیؑ کو لے آؤ۔ حضرت علیؑ آشوب چشم کے عالم میں تشریف لائے۔ آنحضرتؐ نے اپنا لعاب دہن انکی آنکھوں میں لگایا، آشوب جاتا رہا، حضرت علیؑ کو اپنے ہاتھوں سے سجا کر قلعہ خیبر کی طرف روانہ کیا۔ قلعہ خیبر کے گرد خندق تھی۔ قلعہ کا دروازہ لوہے کا تھا جسے اسی ۸۰ آدمی مل کر کھولتے اور بند کرتے تھے۔ دروازہ سے باہر حارث ومرحب وعنتر ایک عظیم لشکر کے ساتھ کھڑے تھے، تاریخ الخمیس بکری، حبیب السیر اور روضۃ الصفا وغیرہ میں درج ہے کہ قلعہ قموس کے نیچے پتھر پر حضرت علیؑ نے علم گاڑ دیا۔ مرحب کا بھائی سب سے پہلے نبرد آزما ہوا۔ شیر خدا نے ایک ہی وار میں اسکا کام تمام کردیا۔ مرحب جو اپنی بہادری کے لئے بہت مشہور تھا، یہ منظر دیکھ کر آگ بگولہ ہوگیا۔ بھائی کا بدلہ لینے کیلئے رجز پڑھتا ہوا آگے بڑھا۔ حضرت علیؑ نے جواب میں رجز پڑھتے ہوئے کہا: انا الذی سمیتنی امی حیدرہ (میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدرؓ رکھا ہے) مرحب نے آتے ہی اپنی تین بھال والے نیزے سے شیر خدا پر وار کیا۔ آپ نے اس کا وار رد کیا اور نعرہ تکبیر کے ساتھ ذوالفقار سے ایک بھرپور وار مرحب پر کیا۔ ذوالفقار حیدری اسکے خود، دُہری بکتر، جسم اور گھوڑے کو برابر سے کاٹتی ہوئی نیچے اتر آئی۔ اسکے بعد مرحب کا ہم پلہ عنتر غصہ سے بل کھاتا ہوا نکلا اور

دیکھتے ہی دیکھتے لقمۂ اجل بن گیا۔ اسکے بعد غصہ میں بپھرے ہوئے یہودیوں کے مشہور پہلوان ربیع اور یاسر وغیرہ یکے بعد دیگرے مقابلے پر آئے اور ایک ایک ضرب میں موت سے ہمکنار ہو گئے۔ شیر خدا درِ خیبر پر پہونچ گئے اور اس تاریخی در کو جس کا وزن تین ہزار من لکھا گیا ہے، آن واحد میں اکھاڑ کے سپر بنالیا۔ اکھاڑتے ہی پورا قلعہ خیبر لرز گیا۔ حضرت صفیہ جو حضرت موسیٰؑ کے خاندان سے تھیں اور بعد میں زوجیت رسولؐ میں آئیں، اسی لرزش سے تخت سے نیچے گر پڑیں۔ درِ خیبر کو مولا علیؑ نے خندق میں کود کر اپنے ہاتھوں پر لے لیا اور مسلمانوں کو اس پر سوار کر کے خندق پار قلعہ میں داخل کر دیا۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے درِ خیبر اکھاڑا مگر ان کے ہاتھ میں جنبش تک نہ ہوئی۔ بعد میں اس گرے ہوئے دروازہ کو ۸۰ (اسّی) آدمیوں نے ہٹانا چاہا مگر حرکت تک نہ دے سکے۔ مشکوٰۃ المصابیح کے مطابق اسی موقع پر آنحضرت نے فرمایا یا علی انت منی وانا منک (یا علی تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں) (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مدارج النبوۃ جلد ۶ ص ۳۲۲، صواعق محرقہ ص ۷۲، تاریخ الخلفاء ص ۱۱۴، روضۃ الاحباب جلد اول ۲۶۳، خصائص سیوطی جلد ا ص ۲۵۱، مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۵ ص ۵۶۷، کنز العمال جلد ۶ ص ۳۹۰، سیرت ابن ہشام برحاشیہ روض الانف طبع مصر جلد ۲ ص ۲۳۹، سیرۃ الحلبیہ جلد ۳ ص ۴۴، مواہب لدنیہ طبع مصر جلد ۲ ص ۲۵۷، تاریخ طبری جلد ۲ ص ۹۳، ۹۴، خصائص نسائی طبع مصر ص ۳۳ وغیرہ)

محترم رزاق بھائی! حضرت علیؑ کی شجاعت کا نہایت مستند اور مختصر سا خاکہ پیش کر دیا ہے تاکہ کسی صحابی کی بہادری کو حضرت علیؑ کے مقابلہ میں پیش کرنے سے پہلے ذرا مندرجہ بالا حقیقت پر غور کر لیجئے۔ تاریخ کے تلخ پہلوؤں کو ضبط تحریر میں لانے سے حتی الامکان گریز سے کام لیا ہے۔ اسی لئے جنگ جمل اور جنگ صفین کا ذکر نہیں چھیڑا اور نہ آپ کے ممدوح صحابیوں کے جنگ سے بھاگنے کا

نقشہ کھینچا جیسا کہ علمائے اہلسنت نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے...... اور خود قرآن نے بھی منظر کشی کی ہے۔

اہل البیتؑ کون؟

ت: پہلی قسم ان اصحاب کی ہے جو نیک کردار، خدا اور رسول کو مکمل طور پر پہچاننے والے اور رسولؐ کے ہاتھوں پر 'مر مٹنے کے لئے بیعت کرنے والے، اقوال میں ان کے ساتھی اور اعمال میں ان کے مخلص تھے۔ ان میں کسی طرح کا اختلاف نہیں پیدا ہوا حضورؐ کے بعد بھی اپنے عہد پر قائم رہے۔ دوسری قسم ان اصحاب کی ہے جنھوں نے اسلام کو گلے لگایا، خوف سے یا رغبت سے رسول اسلامؐ کا اتباع کیا، اور برابر آپؐ پر اپنے اسلام کا احسان جتاتے رہے۔ تیسری قسم ان منافق اصحاب کی ہے جو مکاریوں کی بنا پر رسول اکرمؐ کے ساتھ رہے، اسلام کا اظہار کیا اور باطن میں کفر کو چھپائے رہے۔ ان تینوں قسموں کے علاوہ صحابہ کی ایک اور قسم بھی ہے جنھیں قرابت اور جسمانی وروحانی فضیلت کا امتیاز بھی حاصل ہے۔ انھیں خدا ورسولؐ نے ان خصوصیات سے نوازا ہے جہاں تک کوئی دوسرا نہیں پہونچ سکتا۔ انہی کو اہلبیتؑ کہا جاتا ہے جن سے خدا نے ہر رجس کو دور رکھا ہے اور انھیں مکمل طریقہ سے پاک اور پاکیزہ بنادیا ہے۔ (سورہ احزاب ۳۳)

ر: اہل البیت کے معنی عربی میں گھر والے یعنی بیوی، بیٹے، بیٹیاں، مرد اور عورت ہیں یعنی اہل البیت میں حضرت عائشہ بھی شامل ہیں۔

ت: محترم رزاق بھائی! عربی زبان آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں، لغوی اعتبار سے ''اہل بیت'' کے معنی ''اہل خانہ'' یعنی گھر کے عام افراد ہوسکتے ہیں لیکن جب ''بیت'' پر الف لام تخصیصی لگ گیا تو ''اہل البیت'' ہوگیا جسکے معنی ہوئے ''گھر کے مخصوص افراد۔'' اسکے علاوہ اللہ کی نظر میں انبیاء کے گھر کی ہر فرد کو

اہلبیت نہیں کہتے۔ فرزند نوحؑ کا واقعہ قرآن مجید میں موجود ہے کہ...... جب حضرت نوحؑ کا ''نافرمان'' بیٹا طوفان سے بچنے کے لئے پہاڑ پر بھاگ رہا تھا، محبت پدری کے جوش میں نوحؑ نے آواز دی ''اے بیٹا آؤ ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ آج امرالٰہی سے کوئی بچ نہیں سکتا بیٹے نے نبیؑ کے حکم سے انحراف کیا تو جناب نوحؑ نے اللہ سے التجا کی ان ابنی من اھلی ...... (اے پالنے والے! میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور تیرا وعدہ حق ہے...... قدرت نے آواز دی یا نوح انہ لیس من اھلك...... (اے نوح! یہ تمہارے اہل سے نہیں ہے کیوں کہ اس کا عمل غیر صالح ہے) یہاں قرآن نے واضح کردیا کہ اگر عمل غیر صالح ہوگا تو گھر کے دیگر افراد تو درکنار، صلبی بیٹا بھی ''نبی کے اہلبیت'' میں نہیں داخل ہوسکتا۔ چہ جائیکہ غیر مستحکم رشتہ رکھنے والی بیوی جسے اِدھر طلاق کا صیغہ جاری ہوا اُدھر رشتہ منقطع۔ نبیؐ کے اہل بیت میں داخل ہونے کے لئے کم از کم عمل صالح کا حامل ہونا ضروری ہے۔ یہ فیصلہ اب میں آپ پر چھوڑ رہا ہوں کہ اللہ اور نبیؐ کے حکم قرن فی بیوتکن (نبی کی بیبیو اپنے گھروں میں قرار اختیار کرو) سے بغاوت اختیار کر کے ایک ''خلیفہ راشد'' کے خلاف صحابہ اور مسلمانوں کو ورغلا کر جنگ کی آگ میں جھونکنا اور خود میدان جنگ میں جانا ''عمل صالح'' ہے یا ''عمل غیر صالح'' ہے؟ آپ ہی نہیں تمام کلمہ گویانِ اسلام اسے ''عمل غیر صالح'' ماننے پر مجبور ہیں۔ جب یہ عمل غیر صالح صادر ہوگیا تو لن تجد لسنت اللہ تبدیلا (اللہ کی سنت کبھی بدلتی نہیں) کے تحت پسر نوح کی طرح ام المومنین حضرت عائشہ بھی ''اہل بیت'' میں داخل نہیں ہوسکتیں۔ آیۂ تطہیر پر تفصیلی گفتگو ''ضمیمہ جستجو'' میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

آیۂ خمس اور آیۂ صلوٰۃ

ت: انھیں پر (اہلبیت رسولؐ پر) رسول اکرمؐ کی طرح صلوٰۃ کو واجب قرار دیا ہے

اورانھیں کے لئے خمس میں ایک حصہ قرار دیا ہے (انفال ۴۱)

ر: سورہ انفال کے نمبر ۴۱ میں صرف خمس کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ انھوں نے شرارتاً صلوٰۃ کہاں سے جوڑ دیا۔ خمس کیا ہے؟ چونکہ حضورؐ جنگ میں مصروف رہتے تھے تو ان کے خاندان کے افراد اور دوسرے لوگ جو حضورؐ کی کفالت پر منحصر تھے، انکے اخراجات کیلئے اللہ نے اس میں رسولؐ کا حصہ مقرر کیا تھا مگر جنگ ختم ہونے کے بعد رسول اللہؐ نے خود کیا اعلان کیا تھا: یہ غنائم تمہارے لئے ہی ہیں میری اپنی ذات کا کوئی حصہ نہیں بجز خمس کے، اور وہ خمس بھی تمہارے ہی اجتماعی مصالح پر صرف کر دیا جاتا ہے۔ یعنی صرف اپنے اہل وعیال پر نہیں۔

د: محترم رزاق بھائی! آپ نے تیجانی صاحب کی غلطی پکڑی۔ سورہ انفال آیۃ ۴۱ میں صرف خمس کا حکم ہے جو کہ اللہ اور اسکے رسولؐ کے لئے ہے، دوسرا حصہ رسول اللہؐ کے قربیٰ کا ہے، پھر یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا ہے، یہ آپ نے صحیح تحریر فرمایا ہے کہ ایک حصہ سرکار دو عالم کا ہے۔ اسی طرح ایک حصہ آپ کے قربیٰ یعنی اہلبیتؑ کا ہے جو کہ شیعہ فقہ میں اب حقِ سادات (یعنی حق اولاد فاطمہؑ) کہلاتا ہے۔ یہ بھی بجا ہے کہ حضور اکرمؐ اپنا حصہ بھی صحابہ کرام نیز ضرورتمندوں کی پرورش پر خرچ کر دیتے تھے اور اکثر وبیشتر خود شکم مبارک پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے۔ یہی صورت اہل بیت طاہرینؑ کی بھی تھی کہ جو کچھ گھر میں ہوتا تھا راہ خدا میں مسکین، یتیم اور اسیر کو کھلا دیتے تھے (ویطعمون الطعام علیٰ حبہ مسکیناً ویتیماً واسیرا☆) اور اہلبیت کرامؑ بذات خود نمک اور پانی پر اکتفا کر لیتے تھے۔ یہ انکا وہ جذبہ ایثار وقربانی تھا جس پر خود پروردگار عالم سورۂ دھر کی شکل میں ان کا مدح خواں نظر آتا ہے (تفسیر کشاف زمخشری جلد ۳ ص ۲۳۹ اور تفسیر کبیر امام رازی، سورۂ دھر کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں) اہلبیتؑ کی سخاوت مشہور عالم ہے، چنانچہ چین کی ایک خاتون مادام 'نو کے چائے چن' اپنی کتاب ''کاسائے چن'' (یعنی دنیا

کی منتخب ترین عورتیں) نامی کتاب میں تحریر فرماتی ہیں...... "اردو ترجمہ: فاطمہ عرب کے مقدس رسول کی محبوب اور اکلوتی صاحبزادی ہیں جو رسول اللہؐ کے وزیر ومشیر علی ابن ابیطالبؑ کی زوجہ اور امام حسنؑ وحسینؑ کی مادر گرامی ہیں۔ان کے لاتعداد فضائل اسلامی کتب تاریخ میں مذکور ہیں۔اور بہت سی کرامات بھی ان سے ظہور میں آئیں۔فاطمہؑ بہت ہی زاہدہ عابدہ، پاکیزہ، طاہرہ، صابرہ اور قانعہ خاتون تھیں،ان کے شوہر اسلام کے جلیل القدر امام ہونے کے باوجود مالدار نہ تھے،کبھی محنت ومشقت کر کے تھوڑا سا کما لاتے تھے۔مگر یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اتنی تنگدستی میں بھی جو کچھ گھر میں ہوتا فاطمہؑ اسے خیرات دے دیتیں اور معصوم بچوں کے لئے بھی کوئی چیز نہ چھوڑتیں۔اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ علیؑ اور فاطمہؑ اور ان کی اولاد کو ضروریات کی احتیاج ہی نہ تھی۔اور کیا عجیب کہ یہ سب نورانی ہستیاں نان ونفقہ یعنی خوراک وپوشاک بھی کہیں غیب سے پاتی ہوں۔ورنہ انسانی لوزمات اس امر کے مقتضی ہوتے ہیں کہ جب مالی مشکلات بھی حائل ہوں تو سخاوت سے دست کشی کی جائے،لیکن وہاں یہ حال کہ اپنے لئے کچھ نہیں۔مہینہ مہینہ بھر چولہا گرم نہیں ہوا ہے اور مٹھی بھر ستو یا چند کھجوروں کو تناول کر کے چار گھونٹ پانی پی لیتے ہیں مگر دنیا والوں کو مالا مال کیا جا رہا ہے۔کہتے ہیں فاطمہؑ کے گھر سے کبھی کوئی سوالی خالی نہیں گیا۔ایک دفعہ کسی سائل نے بی بی جیؑ سے ایک ہزار درہم طلب کیا تو انھوں نے اس سے بھی زیادہ رقم کا انتظام کر دیا۔انھوں نے مخلوق خدا کی خدمت بہت کی ہے اسی وجہ سے "مخدومہ عالم" کا لقب پایا ہے" (ماخوذ از کلمۃ الحق ص ۱۰۲ مصنفہ جسٹس حامد بن شبیر، چیف جسٹس حیدر آباد دکن بحوالہ ماہنامہ وائس آف اسلام بمبئی، انڈیا بابت ماہ دسمبر ۱۹۵۶) سورہ انفال کی آیت ۴۱ پر آج بھی شیعہ حضرات عمل کرتے ہوئے خمس نکالنا واجب سمجھتے ہیں اور توضیح المسائل میں اس پر تفصیلی احکام درج ہیں۔سوال یہ ہے کہ کیا کوئی سُنی شخص حتیٰ کہ اکابرین

۲۔ ''نجات کیسے ملتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جامع اور مکمل انداز میں ایک چھوٹی سی سورہ والعصر میں بیان کیا ہے۔ لاریب فیہ بے شک یہی ایمان کی جڑ ہے۔اسی پر عمل پیرا ہونے سے نجات ملیگی۔اس سورہ میں جو پہلی بات ہے وہ ہے ایمان یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک پر، اس کے احکام پر، رسول اللہ صلی اللہ وعلیہ وسلم پر، قرآن مجید پر اور اسکے احکامات پر...... جسکی تکمیل **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی** کے ذریعہ خاتم النبیین پر تمام ہوگئی—؟''

محترم رزاق بھائی! بیشک یہ وہ حقائق ہیں جس سے کوئی مسلمان انکار نہیں کرسکتا لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایمان کس اللہ پر؟ جو لطیف و یکتا ہے اس پر یا جو جسم وجسمانیات والا ہے اس پر، جو لا محدود ہے اس پر یا جو عرش کی کرسی پر متمکن ہے اس پر، جو لاتدرکہ الابصار کا مصداق یعنی غیر مرئی ہے اس پر یا اس پر جسے لوگ قیامت میں مع جسم وجسمانیات کے دیکھیں گے، جس نے گناہگاروں کے لئے جہنم خلق کیا ہے اس پر یا جو جہنم کے ھل من مزید کہنے پر جہنم میں خود اپنا ایک پیر ڈالدیگا اس پر......؟ اسی طرح سوچئے کہ کس رسول پر ایمان لانا ہے، اس رسولؐ پر جو ما محمد الا رسول کے مطابق عالم انوار سے لیکر ظاہری حیات کے ہر حصہ میں یعنی بچپن جوانی بڑھاپے، صحت و مرض، گھر اور گھر سے باہر، رزم بزم، مسجد منبر میدان غرض ہر جگہ اور ہر حال میں رسولؐ ہے یا اس پر جسے چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی اور جو معاذ اللہ اسکے بعد بھی ایک عرصہ تک ناپاکی کے ہی عالم میں تھا اور بتوں کو پوجتا تھا جسکے لئے اللہ تعالیٰ کو کہنا پڑا **والرجز فاھجر** (صحیح بخاری کتاب الوحی) کس نبیؐ پر ایمان لایا جائے، جو **ماینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ** کے تحت اپنی خواہش سے کوئی گفتگو نہیں کرتا یا اس نبی پر جو معاذ اللہ مرض کے عالم میں ہذیان بکنے لگتا ہے۔ محترم! کس قرآن پر ایمان لایا جائے؟ اس قرآن پر جس سے بالاتر کوئی کتاب نہیں ہے، یا وہ قرآن جس پر کسی غیر

علمائے اہلسنت میں بھی کوئی خمس کی اس آیت پر عامل ہوا؟ یا آج کوئی سنی خمس نکالتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ سُنی اکثریت لفظ ''خمس'' سے بھی واقف نہیں ہے۔

محترم رزاق بھائی! شیعہ حضرات کے نزدیک زکوٰۃ کی طرح خمس بھی واجب ہے، جسے مساجد، مدارس، سادات کرام اور غرباء ومساکین پر حکم قرآن وسیرت محمدؐ آل محمدؐ کے مطابق خرچ کیا جاتا ہے۔ کیا مذہب اہل سنت میں اب اس حکم پر عمل ہوتا ہے؟ لمحہ فکریہ ہے!! حکم الٰہی موجود ہے عمل مفقود!!!

سورہ انفال میں آیت صلوٰۃ نہیں ہے، یہ آپ نے بجا فرمایا لیکن صلوٰۃ کا حکم تو بہرحال قرآنِ حکیم میں موجود ہے سورۂ احزاب کی آیت ۵۶ میں صلوٰۃ کا واضح حکم موجود ہے جس پر تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے یہاں صرف اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ ''جب حاکم، ابوالقاسم ابن خزیمہ، ابن سعود بدری وغیرہ نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ آپ کو سلام کرنا تو ہم جانتے ہیں مگر ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں تو آپؐ نے فرمایا یوں کہو اللھم صل علیٰ محمد و آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم و آلِ ابراھیم'' ملاحظہ ہو صحیح بخاری باب ۱۹ اص ۲۰۵، سنن ابن ماجہ ص ۶۵، سنن نسائی جلد ا ص ۱۸۹، ترمذی شریف ص ۲۶ و ۲۹۵، تفسیر سیوطی ص ۲۱۶ وغیرہ وغیرہ)

اولی الامر کون ہیں؟

ت: ......اور یہی (اہلبیتؑ) وہ اولی الامر ہیں جنکی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے (نساء ۵۹)

ر: قرآن کھول کر ''اولی الامر'' کا معنی دیکھیں یا عربی ڈکشنری کھول کر دیکھیں کہ اولی الامر کے معنی سربراہ کے ہیں جو خاندان کا ہو یا حکومت کا، یعنی خاص اہلبیت کے لئے یہ مطلب نہیں نکلتا ہے۔

د: محترم رزاق بھائی! قرآنی الفاظ کا مفہوم ہر جگہ ڈکشنری سے نہیں طے کیا

جاسکتا، ورنہ (العیاذ باللہ من ذالک) جناب آدمؑ اور جناب یونس علیھما السلام ظالم قرار پاجائیں گے اور حضرت ابراھیم علیہ السلام غیر موحد۔ اسی طرح ''اولی الامر'' کا مفہوم ڈکشنری سے نہیں طے کیا جاسکتا ورنہ عدل الٰہی پر حرف آجائیگا، ''اولی الامر'' کا مفہوم قرآن حکیم کی یہی آیت خود طے کریگی۔ آیت میں دوبار لفظ ''اطیعوا'' آیا ہے یعنی اطاعت کا حکم دو ''اطیعوا'' کے تحت ہے...... پہلا حکم ''اطیعواللہ'' (اللہ کی اطاعت کرو) اور دوسرا حکم ''اطیعوالرسول واولی الامر منکم'' (رسول کی اطاعت کرو اور تم میں جو صاحب امر ہو اسکی)۔ اطاعت کا پہلا حکم مخصوص ہے ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے، جس میں کسی دوسرے کی شرکت نہیں ہے۔ شاید اسلئے کہ اسکی اطاعت کے کچھ مخصوص پہلو ہیں مثلاً اسکی عبادت کی جاتی ہے، اسے سجدہ کیا جاتا ہے، اسکی الوہیت تسلیم کی جاتی ہے...... دوسرا حکم رسولؐ کی اطاعت اور صاحب امر کی اطاعت کا ہے جسکے تحت آنحضرتؐ کے احکام اور سیرت کی پابندی ہے جو خود آنحضرتؐ سے ملے گی یا ان کے معصوم جانشینوں سے ملیگی، جنھیں قرآن نے ''اولی الامر'' کے لفظ سے متعارف کرایا ہے۔ محترم! اہلبیتؑ کے لئے دل میں اگر کہیں سے کھوٹ ہے تو تھوڑی دیر کے لئے غیر جانبدار بن کر لفظ ''اطیعوا'' کا تجزیہ کیجئے۔ ایک ہی ''اطیعوا'' کے تحت اطاعت رسول بھی ہے اور اطاعت اولی الامر بھی ہے۔ یعنی جس طرح رسولؐ کی اطاعت کیجائیگی بعینہ اسی طرح اولی الامر کی بھی اطاعت واجب ولازم ہوگی۔ لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب ''اولی الامر'' بھی مرسل اعظمؐ کی طرح تمام گناہوں، رجس وکثافتِ قلبی اور خوہشاتِ نفسانی سے منزہ اور مبرّیٰ ہوں۔ نبیؐ کی طرح طیب وطاہر اور گناہوں سے پاک ''اولی الامر'' افراد کی نشاندہی قرآن مجید نے واضح الفاظ میں آیۂ تطہیر میں کردی ہے کہ وہ صرف اور صرف اہلبیت طاہرینؑ ہیں۔

محترم! آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ''اولی الامر'' کے معنی سربراہ کے

ہیں۔''شاید لکھنے سے پہلے آپ نے اسکے نتائج پر غور نہیں فرمایا۔سربراہ مسلم بھی ہوسکتا ہے اور مشرک بھی، عادلانہ نظام کا حامی بھی ہوسکتا ہے اور چنگیزی نظام کا حامل بھی، اسلامی احکام کا پابند بھی ہوسکتا ہے اور اسلامی احکام کا دشمن بھی، اپنے اپنے دور میں شداد، ہامان، نمرود، فرعون اور اسکے بعد امت مرحومہ میں چنگیز خاں، ہلاکو، یزید...... یہ سب سربراہِ مملکت تھے، کیا ان تمام سربراہوں کو''اولی الامر'' مان کر اللہ تعالیٰ ہمیں حکم دے رہا ہے کہ ان کی اور ان کے جیسے دوسرے ظالم سربراہوں کی اطاعت اسی طرح کرو جس طرح پیغمبر اسلامؐ کی؟ اگر''اولی الامر'' کے لئے ایک''اطیعوا''اور استعمال ہوجاتا تو کسی حد تک تاویل کی گنجائش نکل سکتی تھی کہ جیسے اللہ کی اطاعت الگ ہے اسی طرح رسولؐ کی اطاعت بھی الگ ہوتی اور اس طرح رسولؐ کی اطاعت اور صاحب امر کی اطاعت میں فرق پیدا ہوجاتا۔لیکن جب تک قرآن حکیم میں ایک ہی''اطیعوا''کے تحت رسولؐ اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم موجود رہیگا، دونوں کی اطاعت میں فرق پیدا کرنا ناممکن ہے۔

جب ایک دردمند سُنی مسلمان وادیٔ تحقیق میں قدم رکھتا ہے اور ایسے بیانات پڑھتا ہے تو گھبرا کر''بھائی بھائی''......''دو اسلام''......اور......''دو قرآن'' جیسی کتابیں لکھ ڈالتا ہے۔ یہ دردمند اسلام ہیں محترم ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ آف پاکستان دیکھیے''اولی الامر'' کے متعلق برقؔ صاحب اپنی کتاب''دو اسلام'' میں کس طرح اپنے علماء کے عقیدے پر بجلیاں گراتے ہیں، ص ۸۸و۸۹، پر محترم لکھتے ہیں......''دنیائے اسلام میں لاکھوں مساجد، ان میں لاکھوں ملا اور ہر ملا صبح وشام مسلمانوں کے مندرجہ ذیل اسباق دے رہا ہے......کہ ہر نتھو خیرا خواہ وہ چنگیز ہو یا ہٹلر اگر وہ ہم پر حکومت کر رہا ہے تو وہ ہمارا''اولی الامر'' ہے اور اسکی اطاعت ہم پر فرض ہے۔ اگر رسولؐ کی طاعت کا بھی یہی مطلب ہے کہ آپؐ کے تمام اقوال

پر ایمان لاؤ تو پھر حاکم وقت کے اقوال پر بھی ایمان لانا پڑیگا کیوں کہ اللہ نے اس کی اطاعت کا بھی ویسے ہی حکم دیا ہے کئی بادشاہ مصنف بھی گذرے ہیں مثلاً بابر نے ''تزک بابری'' لکھی، جہانگیر نے ''تزک جہانگیری'' لکھی اور اورنگ زیب کی بھی ایک آدھ کتاب موجود ہے یہ اپنے زمانے میں ''اولی الامر'' تھے تو کیا ہم تزک بابری و تزک جہانگیری (جیسی کتابوں) پر بھی ایمان لاتے پھریں؟''...... محترم رزاق بھائی! ''اولی الامر'' اور ''سربراہ حکومت'' کی اگر دو متضاد تصویریں دیکھنا ہوں تو ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری کی کتاب ''فتنۃ الکبریٰ'' کا مطالعہ کیجئے اور خاص طور سے ان فقروں پر غور و فکر کیجئے۔ ''حضرت علی کے مسلک کی بنیاد خالص دین پر تھی اور امیر معاویہ کے مسلک کی بنیاد خالص دنیا پر'' (ص ۴۲۶) ''حضرت علیؑ خلافت چلا رہے تھے اور معاویہ حکومت'' (ص ۴۷۹) ''جس کو حق بات اور ہدایت اچھی معلوم ہوئی آپ (علیؑ) کے ساتھ رہا اور جسے باطل اور گمراہی بھلی معلوم ہوئی وہ معاویہ سے جاملا'' (ص ۴۶۵) یہ ہے ''اولی الامر'' اور سربراہ حکومت کی متضاد تصویر۔

ہمارے ملک ہندوستان میں سربراہانِ حکومت اور ان کے معاونین کی پوری کوشش ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اسلامی احکام سے دست بردار ہو کر ہندو تہذیب میں رنگ جائیں تو کیا مسلمانانِ ہند اسلامی احکام ترک کر کے ہر مسئلہ میں ان کی اطاعت قبول کرلیں......؟ محترم غیر مسلم سربراہوں کی بات چھوڑیئے، تابعین، تبع تابعین اور انکے بعد کے مسلم سربراہوں کی بھی بات پسِ مشت ڈالئے۔ دورِ صحابہ میں ذرا تلاش کیجئے کہ سربراہِ مملکت کی اطاعت سے گریز کرنے والی پہلی شخصیت کون ہے؟ تاریخ صحابہ میں سے پہلے ''ڈفالٹر'' (العیاذ باللہ) برادران اہلسنت کے چوتھے خلیفہ راشد حضرت علیؑ نظر آتے ہیں، جنھوں نے ''سربراہِ حکومت'' کی اطاعت یعنی بیعتِ حضرت ابوبکر سے انکار کیا۔ حضرت

علیؑ یا تو ''اولی الامر'' کے مفہوم سے ناواقف تھے یا حضرت ابوبکر کو ''اولی الامر'' کا مصداق نہیں سمجھتے تھے یا پھر (معاذ اللہ) وہ اسلام اور قرآن سے بغاوت کی مثال پیش کررہے تھے۔ شیعوں کے نزدیک دوسری بات صحیح ہے یعنی حضرت علیؑ ہر کس وناکس یعنی غیر معصوم کو ''اولی الامر'' کا مصداق نہیں سمجھتے تھے......اب آپ کا نظریہ کیا ہے اس پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ ام المومنین عائشہ نے تو نہ صرف ''سربراہ حکومت'' ''خلیفہ راشد'' اور ''اولی الامر'' کی اطاعت سے انکار کیا بلکہ انکے خلاف ایک بڑی فوج تیار کر کے ان پر فوج کشی بھی کی، فوج کی کمان خود سنبھالے ہوئے تھیں۔ قرن فی بیوتکن کی آیت کے خلاف قدم اٹھانے کا بھی خیال نہیں رہ گیا تھا۔

محترم میں سمجھتا ہوں کہ اب آپ مطمئن ہو گئے ہونگے کہ پیغمبر اسلامؐ کی اطاعت کی طرح ہر سربراہ کی اطاعت لازم نہیں ہوسکتی اسلیئے ہر سربراہِ حکومت و مملکت وخاندان ''اولی الامر'' نہیں ہوسکتا بلکہ ''اولی الامر'' صرف وہی ہوسکتا ہے جو نبیؐ کی طرح معصوم ہو......یعنی اہلبیت کرامؑ جن کی عصمت کی دلیل آیۂ تطہیر آج بھی قرآن میں دعوت فکر دے رہی ہے۔

راسخون فی العلم کون۔؟

ت: اور یہی (اہلبیتؑ) راسخون فی العلم ہیں جو تاویل قرآن سے باخبر اور محکم اور متشابہ کے جاننے والے ہیں (آلِ عمران ۷)

ر: میرے خیال میں مصنف (تیجانی) نے صحیح طریقہ سے متشابہ کی کھوج نہیں کی۔ اسکے معنی ہیں کہ اگر کھوج کریں تو معلوم ہوگا کہ ضروری نہیں کہ صاحب علم کو اس کے معنی معلوم ہوں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس متشابہ کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر یہ صاحب کس طرح کہتے ہیں کہ یہ یہی

صاحب علم ہیں جو متشابہ کے جاننے والے ہیں۔ یہ کون سی شرارت ہے؟

د: اس سلسلہ میں خادم الحرمین کے منتخب عالم دین مولانا صلاحؔ الدین یوسف کا تفسیری حاشیہ (ص ۱۳۱) ملاحظہ ہو: مولانا تحریر فرماتے ہیں...... "تاویل کے معنی تو ہیں کسی چیز کی اصل حقیقت، اس معنی کے اعتبار سے الا اللہ پر وقف ضروری ہے۔ کیوں کہ ہر چیز کی اصل حقیقت واضح طور پر صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ تاویل کے دوسرے معنی ہیں کسی چیز کی تفسیر وتعبیر اور بیان وتوضیح، اس اعتبار سے الا اللہ پر وقف کے بجائے والراسخون فی العلم پر بھی وقف کیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ مضبوط علم والے بھی صحیح تفسیر وتوضیح کا علم رکھتے ہیں۔ قرآن کے یہ دونوں معنی قرآن کریم کے استعمال سے ثابت ہیں (ملخص از ابن کثیر)" اس تفسیر کی روشنی میں جو لوگ راسخون فی العلم کے مصداق ہیں انھیں صحیح تفسیر وتوضیح کا علم حاصل ہے۔ یعنی یہ لوگ تاویل قرآن سے باخبر اور محکم آیتوں کے ساتھ متشابہ کے بھی جاننے والے ہیں۔ اب ضرورت اس کی ہے کہ راسخون فی العلم کون لوگ ہیں انھیں نیک نیتی اور صدقِ دل سے تلاش کیا جائے۔ جب ان کی نشاندہی ہو جائے تو انھیں سے قرآن اور دین اسلام کا عرفان حاصل کیا جائے۔ "انس بن مالک کہتے ہیں میں نے رسول اللہؐ سے پوچھا کہ راسخون فی العلم کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا جنکے ہاتھ نیکوکار، زبان سچی، دل مستقیم ہوں اور جو حرام پیٹ اور حرام فرج سے محفوظ ہوں......" (تفسیر سیوطی جلد ۲ ص ۷ مطبوعہ مصر) مجھے دامن اسلام میں آنحضرتؐ کے بعد اہلبیت طاہرینؑ کے علاوہ کوئی ایسی ذات نظر نہیں آتی جس میں یہ صفات کما حقہ پائے جاتے ہوں اور جس نے راسخون فی العلم ہونے کا دعویٰ کیا ہو یا جس نے اپنے علمی مکاشفات کے چند ایسے نمونے چھوڑے ہوں جسکی بنیاد پر انھیں راسخون فی العلم کی فہرست میں شامل کیا جا سکے۔ آنحضرت صلعم کے پانچویں جانشین، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اس دعوے کی دلیل پیش کرتے ہوئے

فرماتے ہیں کہ ''راسخون فی العلم'' کی پہچان یہ ہے کہ ان کے علم میں اختلاف نہیں ہوتا۔ (اصول کافی)'' علامہ نیشاپوری تفسیر صافی میں اور علامہ طبرسی مجمع البیان میں اہل بیتؑ کا بیان تحریر فرماتے ہیں کہ ''ہم راسخین فی العلم'' ہیں اور ہم اسکی تاویل جانتے ہیں۔ راسخین فی العلم میں سب سے افضل رسولؐ خدا ہیں جنھیں اللہ نے خود علم عطا کیا ان تمام چیزوں کا جو آپؐ پر نازل کی ہیں، تنزیل اور تاویل دونوں قسم میں سے۔ اور اللہ ایسا نہیں کہ کوئی شئے آپؐ پر اتارے اور آپؐ کو اسکی تاویل نہ بتائے۔ آپؐ کے بعد آپؐ کے اوصیاء اس علم کے حامل ہیں۔'' محترم رزاق بھائی! اب تو آپ مطمئن ہو گئے ہونگے کہ تیجانی صاحب نے اہل بیت کرامؑ کو ''راسخون فی العلم'' کا مصداق قرار دے کر کوئی شرارت نہیں کی ہے۔ حقیقت بیانی سے کام لیا ہے۔

آیئے اب دیکھیں کہ باب مدینۃ العلم امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام اس سلسلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ سید وسردار اہل بیت حضرت علیؑ فرماتے ہیں...... ''خدا کی قسم مجھے پیغاموں کے پہونچانے، وعدوں کے پورا کرنے اور آیتوں کی صحیح تاویل بیان کرنے کا خوب علم ہے۔ ہم اہل بیتِ نبوت وہ ہیں جن کے پاس علم ومعرفت کے ابواب (خزانے) ہیں اور امر الٰہی کی روشن راہیں ہیں۔'' (نہج البلاغہ خطبہ ۱۱۸)۔ دوسری جگہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں...... ''ہم اہل بیت، نبوت کے درخت، رسالت کی قیام گاہ، ملائکہ کی فرودگاہ، علم کا معدن اور حکمت کا سرچشمہ ہیں۔ ہماری نصرت کرنے والا رحمت کے لئے چشم براہ ہے اور ہم سے دشمنی وعناد رکھنے والے کو قہر الٰہی کا منتظر رہنا چاہئے.......... (نہج البلاغہ خطبہ ۱۰۷)

حق کی تلاش ضروری ہے......

ت: بحث سے پہلے (یعنی وادیٔ جستجو میں پیش قدمی سے پہلے) میرے اسلام کی بنیاد یہ ہے کہ میں اللہ ملائکہ، صحیفے اور رسولوں پر ایمان رکھتا ہوں۔ حضرت محمدؐ کو اس کا بندہ اور رسول سمجھتا ہوں اور اسلام کو اس کا پسندیدہ دین قرار دیتا ہوں۔ اس سلسلہ میں میرا اعتماد کسی صحابی پر نہیں ہے چاہے وہ کیسی ہی قرابت یا منزلت کا مالک کیوں نہ ہو۔ میں نہ اموی ہوں نہ عباسی، نہ فاطمی۔ میرا مسلک نہ سُنی ہے نہ شیعہ میں نہ ابوبکر وعمر عثمان سے عداوت رکھتا ہوں اور نہ علیؑ سے، حد یہ ہے کہ حضرت حمزہ کے قاتل وحشی سے بھی نہیں کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا اور اسلام پرانے معاملات کو ختم کر دیتا ہے۔ اور رسولؐ اکرم نے بھی اسے معاف کر دیا ہے؟ اور جبکہ میں نے حقیقت کو تلاش کرنے میں اپنے نفس کو اس مہلکہ میں ڈال دیا ہے اور پورے اخلاص کے ساتھ تمام سابق افکار سے آزادی حاصل کر لی ہے۔ تو رحمت خدا کے سہارے میری بحث کا آغاز صحابہ کے موقف اور انکے اعمال وافعال سے ہوگا۔

ر: اگر یہ شخص ایسے ہی خیالات حقیقت میں رکھنا چاہتا ہے تو پھر یہ کس طرح صحابیوں کے اندر کی اچھائی یا برائی تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسکا یہ مطلب ہے کہ یہ شخص صحابیوں کا درجہ تعین کرنا چاہتا ہے۔ کیا یہ تفریق کا راستہ نہیں ہے؟ اور کھوج بھی ایسی کھوج جو چودہ سو سال پہلے گذر چکی ہے۔ اور یہ شخص اپنی کتاب کے ابتدائی حصہ میں خود کہہ رہا ہے کہ تاریخ انسانوں کی لکھی ہوئی ہے اور اصل واقعہ حقیقت اور سچائی سے کوسوں دور چلا گیا کہ مضمون اور تاریخ کا چہرہ اور نقشہ بدل گیا یا بدل ڈالا گیا۔

د: محترم رزاق بھائی! ڈاکٹر تیجانی نے وادیٔ جستجو میں قدم رکھنے سے پہلے اپنے

کوحتی المقدور غیر جانب دار رکھنے کی بات کہی ہے۔ یہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ وہ خود اپنے مسلک سے مطمئن نہیں تھے۔ اسی شی نے ڈاکٹر صاحب موصوف میں ذوق تجسس پیدا کیا۔ وہ مختلف فکر ونظریات کا مطالعہ کرتے ہوئے شیعہ مسلک کے قریب پہونچے جب بغور تقابلی مطالعہ کیا تو حقائق منکشف ہونے لگے۔ وہ مذہب جو انکے سامنے سب سے زیادہ مکروہ بنا کر پیش کیا گیا تھا، اسے جب قریب سے دیکھا تو سب سے زیادہ پاک وصاف نظر آیا۔ "صحابہ کے اندر کی اچھائی یا برائی" تلاش کرنے کا جذبہ کیوں پیدا ہوا، اس سلسلہ میں موصوف نے اپنی کتاب کے ص ۷۸ پر خود ہی وضاحت کردی ہے کہ...... "گویا یہ ایک نئی دنیا تھی جس کا میں نے انکشاف کیا تھا اور خدا نے میرے لئے اسکے دروازے کھول دیئے تھے جبکہ اس سے پہلے میں اس سے (یعنی شیعیت سے) سخت متنفر تھا اور اب اپنے کو بالکل ہم آہنگ کردیا تھا۔ اس نئی دنیا نے میرے افکار میں انقلاب پیدا کردیا اور مجھ میں بحث وتمحیص اور فکر ونظر وتحقیق کا جذبہ پیدا ہوگیا تا کہ میں واقعی حقیقت کو دریافت کرسکوں۔ یہ جذبات میرے ذہن میں اسوقت سے گردش کررہے تھے جب میں نے سرکار دو عالمؐ کی یہ حدیث پڑھی تھی "عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہوجائیگی اور ایک کے علاوہ سب جہنمی ہوں گے"۔ تو اب ہمارے سامنے ایک ہی بات رہ گئی کہ ہم اس بات کا اقرار کرلیں کہ ایک فرقہ حق ہے اور باقی سب باطل...... گویا حدیث حیرت واستعجاب کے ساتھ بحث وتمحیص کی بھی دعوت دیتی ہے کہ ہر مدعیٔ نجات اپنے راستہ کے بارے میں تحقیق کرے اور اسکے بعد اس پر باقی رہنے کا فیصلہ کرے"...... محترم رزاق بھائی! حقیقت کو تلاش کرنا، خواہ وہ قدیم تاریخ سے متعلق ہو یا جدید سے "تفریق کا راستہ" نہیں کہا جاسکتا۔ حضور اکرمؐ کے سچے صحابہ کی تلاش، افراد اہلبیتؑ کا تعین یا منافقین کی نشاندہی اسکے لئے ضروری ہے اسلئے کہ انھیں کے ذریعہ حق وباطل کی شناخت

ہوسکتی ہے۔ کہیں غلطی سے منافق کو صحابی اور صحابی کو اہلبیت سمجھ لیا تو حقیقی اسلام تک پہونچنا مشکل ہوگا، عجب نہیں چنگیزی اسلام ہاتھ آجائے یا ایک سیدھا سادہ مسلمان اکہتر (۷۱) (جہنمی) فرقوں میں گم ہوجائے اور بہترویں (ناجی) فرقہ کی حصول سعادت سے محروم رہ جائے۔ اہلبیت اطہارؑ، صحابہ کرامؓ اور منافقین کو پہچاننے کے لئے قرآن، سیرت رسولؐ، احادیث پیغمبرؐ اور تاریخ کو بہر حال ذریعہ بنانا پڑیگا۔ لیکن احادیث و روایات و تاریخی بیانات کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھنا ہوگا۔ اگر وہ قرآن سے مطابقت نہ رکھتی ہوں یا عصمت نبی اکرمؐ کے منافی ہوں تو انھیں کوئی بھی سچا مسلمان کسی قیمت پر قبول نہیں کریگا۔ یہی تحقیق کا سچا اور پکا معیار ہے جسے ڈاکٹر تیجانی نے اپنایا اور مذہب شیعہ کی حقانیت قبول کر لینے کے بعد "مجھے راستہ مل گیا"...... "اہل الذکر" "کونوا مع الصادقین" وغیرہ جیسی گراں بہا کتابیں تحریر فرمائیں۔ اسمیں موصوف نے مذہب شیعہ کی حقانیت قرآنی آیات اور مستند علماء اہلسنت کی مستند کتابوں سے ثابت کیا ہے۔

ت: سبحان اللہ، میں تو ان باتوں کی تصدیق کی ہمت بھی نہیں کرسکتا تھا کہ صحابہ رسول اکرمؐ کے حکم کو نظر انداز کرنے میں اس منزل تک پہونچ جائیں گے۔ اگر یہ قصہ صرف شیعوں نے نقل کیا ہوتا تو میں اسے بھی صحابہ کرام کے خلاف ان کے الزامات کا ایک حصہ قرار دے دیتا، لیکن مشکل یہ ہے کہ قصہ اپنی شہرت اور صحت کے اعتبار سے اس منزل پر ہے کہ اہلسنت کے تمام محدثین اور مورخین نے نقل کیا ہے...... مجھے تو یہ بھی خیال پیدا ہو رہا ہے کہ عمر ابن خطاب ہی نے دوسرے حاضرین کو بھی مخالفت پر آمادہ کیا تھا جیسا کہ خود ان کا اقرار ہے...... (السیرۃ الحلبیہ باب صلح حدیبیہ جلد ۲ ص ۷۰۶)

ر: یہاں ٹہیا پھر سے دہرا رہا ہوں کیا قاتل اپنے آپ کو قاتل کہتے ہوئے کہیں سنا ہے، یا کوئی قاتل اپنے قتل کا ثبوت دشمنوں کے لئے چھوڑتا ہے؟ کیا یہ مصنف یہ

معصوم انسان کی لکھی ہوئی کتاب کو فوقیت حاصل ہو۔

یہ تو ہوئی ایمان کی بات جس پر آپ نے بجا طور پر اپنے خط میں زور دیا ہے۔ سورۂ عصر میں خسارہ سے بچنے کی دوسری شرط عمل صالح ہے۔ محترم! بیشک نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ عمل صالح ہیں لیکن اطاعت رسولؐ اور اتباع رسولؐ بھی ضروری ہے۔ جن سے نبیؐ نے پیار کیا ان سے محبت کرنا ہمارا فرض ہے، جسے نبی اکرمؐ نے آخری لمحۂ حیات میں قوموا عنی کہہ کر نکال دیا ہو اس سے برأت ہمارے لئے بھی لازمی ہے۔ عمل صالح کے ساتھ خسارہ سے بچنے کے لئے "حق" کی تلقین بھی ضروری ہے۔ شاید اسی لئے برادرم ظفر صاحب نے ڈاکٹر تیجانی کی کتاب آپ کو بھیجی تھی۔ نسبتی رشتہ قائم ہونے کے بعد فطری طور پر محبت بڑھ جاتی ہے۔ حقیقی محبت اور اخلاص کا تقاضہ ہے کہ یہ محبت کا رشتہ صرف دنیا تک محدود نہ رہے بلکہ آخرت میں بھی دونوں کی ایک ہی منزل ہو۔ یعنی ہمارا رشتہ کلھم فی النار سے نہ ہو بلکہ **الا واحدہ** کے ہم مصداق بنیں۔ آمین! یہ میں اپنی طرف سے نہیں لکھ رہا ہوں بلکہ گفتگو کے دوران جو میں نے ظفر صاحب کے دل میں آپ کے لئے تڑپ محسوس کی ہے اسی کی یہ ایک ہلکی سی ترجمانی ہے۔ بہر حال صحیح معنوں میں حق کی تلقین وہی کریگا جو حق کو پہچانتا ہو۔ اور حق کو وہی پہچان سکتا ہے جو خلوص نیت سے حق کا متلاشی ہوگا۔ سورہ کا آخری ٹکڑا ہے **وتواصو باالصبر** یعنی خسارہ سے بچنے کے لئے صبر اور صبر کی تلقین بھی ضروری ہے۔ "بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" قرآن مجید میں کم وبیش ۹۰ جگہ صبر کا ذکر ہے۔ انبیاء کا صبر اوصیاء کا صبر اولیاء کا صبر لیکن کربلا میں جس صبر کا مظاہرہ نبیؐ کے نواسے حسینؑ نے کیا تاریخ انسانیت میں اسکی نظیر نہیں ملتی۔ عصر کا وقت تھا تمام یزیدی فوج خسارہ کا مرقع تھی صرف حسینؑ اور انکے تھوڑے سے جانباز ایمان والے تھے جو عمل صالح بھی انجام دے رہے تھے یعنی ایک طرف تیروں کی بارش میں نماز ظہر ادا کر رہے تھے اور

سمجھتا ہے کہ وہی عاقل ہے اور کتابوں میں سے صحابیوں کی غلطیاں نکالتا رہتا ہے؟ کیا یہ صاحب گوارہ کرینگے کہ مجھے بتائیں کہ سنیوں نے یہ باتیں اپنی حدیث میں کیوں رہنے دیا؟ جبکہ یہ شخص سنیوں پر الزام تراشتا ہے کہ انھوں نے اپنی مرضی کے مطابق حدیث کے الفاظ بدل دیئے یا الفاظ کا مزید اضافہ کر دیا ہے۔

د: محترم! جب کسی سے عقیدت حد سے سوا ہو جاتی ہے تو اسکی خامیوں کی طرف کوئی انگلی اٹھاتا ہے تو اسکے عقیدتمندوں کو غصہ آتا ہی ہے۔ بلکہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب خود صاحب معاملہ ہی اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنے لگتا ہے تو یہ عمل اسکے عقیدتمندوں پر بار خاطر بن جاتا ہے، انکی جبین پر شکن پڑنے لگتی ہے اور کبھی کبھی جھنجلاہٹ ہوتی ہے کہ میرا محبوب، میرا ممدوح، میرا پیر و مرشد اپنی کارگزاریوں کا اعتراف کیوں کر رہا ہے ...... لیکن اگر کوئی عقیدتمند صاحب عقل وفکر ونظر ہوتا ہے نیز منصف مزاج ہوتا ہے تو ''پیرو مرشد'' پر دو چار دس جرائم ثابت ہو جانے کے بعد اُن سے رشتہ توڑ لیتا ہے جیسا کہ ڈاکٹر محمد تیجانی نے کیا۔ محترم! کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے غلطی کے اعتراف کے سلسلہ میں حضرت عمر کی مثال ایک قاتل سے کیوں دی؟ براہ راست تو تاریخ کی نظر میں وہ کسی کے قاتل نظر نہیں آتے۔ ہو سکتا ہے کہ سفترق امتی ...... کے تحت قتل ہونے والے لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمانوں تک آپکی غیر مرئی نظر پہونچ گئی ہو، یہ سچ ہے کہ قاتل آسانی سے اپنے آپ کو قاتل نہیں کہتا، مگر تاریخ میں کچھ ڈھیٹ قسم کے قاتل ایسے بھی ملیں گے جو بہانگ دہل قاتل ہونے کا اعلان کرتے ہیں، جیسے ''جیش محمدی'' نے کشمیر میں اسمبلی ہاؤس کی تباہی اور پچاسوں انسانوں کی ہلاکت کی ذمہ داری قبول کر لی۔ عموماً قاتل اپنے جرم کو چھپانے کی پوری کوشش کرتا ہے پھر بھی کوئی نہ کوئی نشان چھوٹ ہی جاتا ہے جس سے صاحبان تحقیق اصل قاتل تک پہونچ جاتے ہیں۔

ہم سے مت پوچھو خون بولے گا، کون کتنی سزا کا حامل ہے
دے گا آواز آستیں کا لہو، کون مجرم ہے کون قاتل ہے

اختر رضوی

میرا خیال ہے کہ اب آپ کی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ ''سنیوں نے یہ باتیں اپنی حدیث میں کیوں رہنے دیا۔'' پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر سنی دشمن اہلبیتؑ نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انصاف پسند سنی ضمیر اگر کسی وجہ سے شیعیت کو قبول نہ کر سکے تو کیا حق بات کو یا سچی حدیث اور مستند روایات کو اپنی کتاب میں جگہ بھی نہ دے؟ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ شیعیت کے خاص مخالف اور صحابہ کو کہیں کہیں حضورؐ سے بھی افضل و برتر بتانے والے امام بخاری بھی ''صلح حدیبیہ'' اور ''حدیث قرطاس'' کو اپنی منتخب ترین احادیث میں جگہ دیتے نظر آتے ہیں، جو کہ صحابیت کے نام پر ایک واضح سوالیہ نشان ہے!

واقعۂ قرطاس

ت: صحابہ اور حادثۂ روز پنجشنبہ: اس واقعہ کا اجمال یہ ہے کہ پیغمبرؐ کی وفات سے تین دن پہلے اصحاب آپؐ کے گھر میں جمع تھے تو آپؐ نے انھیں حکم دیا کہ قلم و دوات لے آئیں تا کہ ان کے واسطے ایک ایسا نوشتہ لکھدیں جو انھیں گمراہی سے محفوظ رکھے لیکن صحابہ نے اختلاف کیا اور بعض نے تو صرف نافرمانی ہی کی اور بعض نے آپ کے حکم کو ہذیان قرار دیدیا۔

اس واقعہ کی تفصیل ابن عباسؓ کے الفاظ کے مطابق یہ ہے کہ ''پنجشنبہ کا دن تھا اور کیا قیامت تھا پنجشنبہ کا دن جب پیغمبرؐ کے مرض میں شدت پیدا ہوئی اور آپؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا آؤ تمہارے لئے ایک ایسا نوشتہ لکھ دوں جس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہو۔ تو عمر نے کہا کہ پیغمبرؐ پر درد کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس

قرآن موجود ہی ہے جو ہمارے لئے کافی ہے جس پر گھر والوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض کا کہنا تھا کہ قلم دوات لے آؤ تا کہ پیغمبرؐ ایک ایسا نوشتہ لکھدیں جس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہو اور بعض نے وہی کہا جو عمر نے کہا تھا اور جب لڑائی جھگڑے میں شدت پیدا ہو گئی تو رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ ''میرے پاس سے نکل جاؤ''، جس کے بعد ابن عباس برابر یہ کہتے رہے کہ سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ لوگ پیغمبر اسلامؐ اور اس نوشتہ کے درمیان حائل ہو گئے جو اختلاف اور گمراہی سے بچانے والا تھا (صحیح بخاری جلد۲ باب قول المریض قوموا عنی)''

ر: یہ بڑی عجیب بات ہے کہ یہ شخص کسی بھی حدیث کو غلط ہی انداز سے دیکھتا ہے کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ جب حضرت ابن عباسؓ سے یہ قول مروی ہے تو یقیناً ابن عباسؓ، جو رسولؐ کے ہی خاندان سے ہیں انھوں نے کیوں قلم اور دوات رسول اللہؐ کو مہیا نہیں کیا کہ رسول کچھ لکھ لیں؟ جبکہ رسول اپنے ہی گھر میں تھے۔ دوسری بات یہ کہ رسول اسوقت حضرت عائشہ کے گھر میں تھے مگر اسطرح کی حدیث کہیں بھی انسے منقول نہیں ہے؟

د: محترم رزاق بھائی! یہ کوئی معمولی سانحہ نہیں ہے جسے کوئی درسگاہ اسلام کا محقق فراموش کر سکے۔ اگر آپ کبھی گوشۂ تنہائی میں ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے تو اسلام میں تفرقہ کی اصل اساس آپ کو یہی واقعہ نظر آئیگا۔ کیا وہ نبیؐ جو ما محمد الا رسول ہو، جو ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی کا مصداق ہو، جسکے عمل کو اللہ اپنا عمل بتا رہا ہو...... اسے اسکی ساری زندگی کی تبلیغ کا صلہ آخری نفس میں یہ دیا جا رہا ہو کہ (العیاذ باللہ) وہ ہذیان بک رہے ہیں، ان پر مرض کا غلبہ ہو گیا ہے، وہ دماغی توازن..... معاذ اللہ! معاذ اللہ!! ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے اور عدل وانصاف سے کام لیتے ہوئے جواب دیجئے کہ اگر اس جگہ پر آپ ہوتے تو آپ کے دل پر کیا گذرتی۔؟ یہ نبی رحمتؐ کا ہی قلب وجگر تھا کہ جو

تمام انبیاء ومرسلین علیہم السلام کا وارث بن کر آیا تھا، جس نے کانٹوں پر چل کر اور پیٹ پر پتھر باندھ کر اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں تک پہونچایا، جس نے تکمیل دین الٰہی پر الیوم اکملت لکم دینکم کی مہر ثبت کی وہی نبیؐ اپنے آخری لمحۂ حیات میں قریب سے قریب تر بیٹھنے والے صحابی کی زبان سے دل کو پاش پاش کر دینے والی ایسی گفتگو سن رہا ہے! کیا امت کی طرف سے کار تبلیغ رسالت کا یہی انعام ہونا چاہئے تھا؟...... یہ رحمت اللعالمینؐ کا صبر وتحمل ہی تھا جو آپؐ نے کسی کے لئے بد دعا نہ کی، بس اظہار بیزاری کرتے ہوئے قوموا عنی (میرے پاس سے نکل جاؤ) کہہ کر رہ گئے...... یہ ضروری بھی تھا تاکہ ہر دور کا حق پرست مسلمان انھیں اچھی طرح پہچان لے جنھیں مرسل اعظمؐ کی عصمت ونبوت پر آخری دم تک یقین واعتبار نہیں تھا۔ اور جن سے رحمت دو عالمؐ نے زندگی کے آخری لمحات میں قوموا عنی کہکر اپنی تکلیف اور ناراضگی کا اظہار کیا ہو۔ اسکے بعد قرآن کی یہ آیت پڑھ لیجئے...... والذین یوذون رسول اللہ لهم...... (توبہ ۶۱)

محترم! آپ نے ایک صحابی کی محبت سے مغلوب ہو کر حضرت ابن عباسؓ جیسے عظیم المرتبت صحابی اور ابن عم کو شک کے کٹھرے میں کھڑا کر دیا۔ رزاق بھائی! برا نہ مانئے تو ایک بات کہوں۔ آپ کے دل میں کتنی ہی حضرت عمر سے محبت وعقیدت کیوں نہ ہو، امام بخاری سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ ان کا صحیح بخاری میں اس واقعہ کو لکھنا خود اس واقعہ کے مستند ہونے کی دلیل ہے۔ مگر آپ نے یہ لکھ کر کہ ”رسول اسوقت حضرت عائشہ کے گھر میں تھے مگر اس طرح کی حدیث کہیں بھی ان سے منقول نہیں ہے“ جناب ابن عباسؓ کو مشکوک بنا دیا کہ ایسا واقعہ اگر رونما ہوتا تو ام المومنین حضرت عائشہ ضرور نقل فرماتیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر یہی ابن عباسؓ حضور اکرمؐ کو قلم ودوات دیدیتے اور نوشتہ ”تقیفہ پلان“ کے خلاف لکھ دیا گیا ہوتا تو کیا وہ تسلیم کر لیا جاتا؟ کیا اسے صحیح بخاری میں جگہ مل پاتی؟ کیا سواد اعظم

اسے اپنی اصلی حالت میں رہنے دیتے؟ یہ نہ بھولئے کہ نبی اکرمؐ کے "ہبہ نامہ" کو جب حضرت فاطمہ زہراؑ نے دربار خلافت میں پیش کیا تو اسے نہ صرف مسترد کر دیا گیا بلکہ چاک کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو صحیح بخاری جلد ۳ ص ۳۵ غزوہ خیبر، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۷ باب قول النبی لانورث...... مسند احمد بن حنبل جلد اول ص ۶، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی جز سادس عشر جلد ۲ ص ۳۰۷) اب ایسی صورت میں اس نوشتہ کا کیا حشر ہوتا جسے ابن عباسؓ یا حضرت علیؑ پیش کرتے اور نتیجتاً کتنا خون خرابہ ہوتا، اسے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ آج جب "حبر الامہ" حضرت ابن عباسؓ کے قول کو صرف اسوجہ سے مشکوک بنا دیا کہ وہ قول حضرت عمر کے خلاف جا رہا ہے، تو اس نوشتہ کا حشر یہ ہوتا کہ مرض کی شدت یا دیوانگی کی تحریر کہہ کر رد کر دیا جاتا یا حضرت علیؑ اور ابن عباسؓ کی سازش قرار دیا جاتا۔ محترم! واقعہ قرطاس کا حضرت عائشہ سے منقول نہ ہونے کا جہاں تک سوال ہے تو اسکی بھی بظاہر دو وجہیں ہیں، دونوں معقول ہیں۔ آپ جسے پسند فرمائیں اسے قبول کر لیں:

حدیث قرطاس کی راویہ حضرت عائشہ نہیں...... کیوں؟

پہلی وجہ: مذہب اہل سنت کے ایک ممتاز عالم قاری ملا علی متقی اپنی کتاب کنز العمال میں حضرت عمر سے روایت کرتے ہیں کہ "جب آنحضرتؐ مریض ہوئے تو فرمایا کہ میرے لئے دوات اور کاغذ لاؤ تاکہ ایک ایسی تحریر لکھ دوں کہ جس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے (اصحاب میں شور ہوا) تو عورتوں نے پردے کے پیچھے سے کہا کہ کیا تم لوگ سنتے نہیں جو رسول اللہؐ فرماتے ہیں تو میں نے (یعنی حضرت عمر نے) کہا کہ تم لوگ یوسف والی عورتیں ہو۔ جب حضرتؐ بیمار ہوئے تو رو رو کر اپنی آنکھیں نچوڑ ڈالیں اور جب اچھے ہوئے تو گردن پر سوار

ہوگئیں۔ حضرتؐ نے یہ سن کر فرمایا (اے عمر!) ان عورتوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ یہ تم سے بہتر ہیں۔" اس روایت کی روشنی میں ایک طرف عورتیں رونے دھونے میں مصروف تھیں اور دوسری طرف جب حضرت عمر نے آنحضرتؐ کے بابت ہذیان کی بات کہی تو وہاں موجود اصحاب میں قلم دوات دینے اور نہ دینے میں گرماگرم بحث چھڑ گئی شور و غل اتنا بڑھا کہ مزاج نبوت برہم ہوگیا اور پردہ کے پیچھے سے عورتوں کو ٹھوکا دینا پڑا۔ ان ہنگامی حالات میں ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ جو مبتلائے غم رہی ہوں گی ان کے مشاہدہ میں یہ واقعہ نہ آیا ہو...... حُسن ظن رکھنا بُری بات نہیں۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ جن عورتوں کو حضرت عمر نے کہا کہ تم لوگ یوسف والی عورتیں ہو، ان میں ام المومنین حضرت عائشہ بھی ہوں اور حضرت عمر کے خوف سے چپ ہوگئی ہوں۔ واللہ اعلم۔

دوسری وجہ: علامہ ابن ابی الحدید معتزلی جو کہ فرقۂ معتزلہ کے ایک عظیم سُنی عالم ہیں وہ شرح نہج البلاغہ جز ۱۲ ص ۶۱ پر بحوالہ تاریخ بغداد تحریر فرماتے ہیں کہ "خود حضرت عمر نے حضرت ابن عباسؓ سے اقرار کیا کہ حضرت رسول اللہؐ اپنے آخری وقت میں چاہتے تھے کہ علیؑ کی خلافت کی تصریح کردیں لیکن میں نے فتنہ کے خوف سے روک دیا"......

محترم رزاق بھائی! اب دوسری وجہ خود بخود سمجھ میں آگئی ہوگی کہ حضرت عائشہ نے اس حدیث کو کیوں نہیں نقل کیا۔ اگر نہیں سمجھ میں آئی تو سن لیجئے کہ حضرت عائشہ جب امیر معاویہ کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کو نہ برداشت کرسکیں تو وہ اپنے والد بزرگوار حضرت ابوبکر کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کو مسند خلافت پر کیسے دیکھ سکتی تھیں۔ اسلیئے اگر انھوں نے پورے واقعہ کا مشاہدہ کیا ہو جب بھی وہ کسی ایسی روایت کو کیسے نقل کرسکتی تھیں جس سے ان کے والد بزرگوار کی خلافت کے خطرہ میں پڑنے کا امکان ہو یا حضرت علیؑ کے مسند آرائے خلافت ہونے کا کہیں

سے شائبہ پایا جاتا ہو۔ ویسے ان کی خامشی اور ابن عباسؓ سے اس روایت کے خلاف کوئی احتجاج نہ کرنا خود اس واقعہ کی صداقت پر بہترین دلیل ہے۔

تلاش عذر برائے حضرت عمر

ت: میں نے بارہا چاہا کہ حضرت عمر کے لئے کوئی عذر تلاش کروں لیکن حادثہ کی نوعیت آڑے آگئی۔ یہاں تک کہ اگر میں لفظ ہذیان کو غلبہ مرض سے بھی تبدیل کردوں تو بھی اس لفظ کا جواز نہیں ملتا کہ ہمارے پاس قرآن موجود ہے اور وہ ہمارے لئے کافی ہے کیا حضرت عمر رسول اکرمؐ سے بھی زیادہ عارف قرآن تھے یارسول اللہؐ معاذ اللہ خود اپنے الفاظ کے معنی بھی نہیں سمجھ رہے تھے یا انھوں نے خود بھی امت میں کوئی اختلاف اور تفرقہ پیدا کرنا چاہا تھا" استغفر اللہ"

ر: اس شخص کو حضرت عمر کے لئے کوئی عذر پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ شاید اس شخص کو نہیں معلوم وہ واقعہ جب حضرت عمر نے رومی حکومت کو شکست دلوا کر شام کو فتح کیا تھا۔ اور رومی شہزادے نے شرط رکھی تھی کہ وہ خلیفہ وقت کے ہاتھوں میں شام کا ملک سپرد کردینگے۔ جسکی وجہ سے حضرت عمر کو شام جانا پڑا اس واقعہ میں کیا ہوا اسکے شاہد تو عیسائی لوگ ہیں جو آج بھی حضرت عمر کا نام عزت سے لیتے ہیں اور یہ تاریخ ہی حضرت عمر کے لئے ایک ثبوت ہے۔

د: محترم زراق بھائی! دیرینہ محبت وعقیدت جو دلمیں بیٹھا دی جاتی ہے وہ غلط ثابت ہونے کے بعد بھی بڑی مشکل سے نکلتی ہے۔ جو شخص بچپن سے حضرت عمر کا شیدائی رہا ہو وہ کیسے ایک دم سے انکی محبت سے منہ موڑ لیتا، یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر تیجانی اپنے دیرینہ محبوب (ہیرو) کے بچانے کے لئے عذر کی تلاش میں تھے۔ یہ انکے فطری جذبہ عقیدت ومحبت کا تقاضہ تھا، لیکن حقائق اسطرح کھل کر ان کے سامنے آچکے تھے کہ اب عذر یا دفاع کی کوئی صورت ممکن نہیں رہ گئی۔ میں سمجھتا

ہوں کہ آپ کو بھی نیز ہر ذی علم و عقل و شعور مسلمان کو کسی واقعہ کی حقیقت تک پہونچنے کے لئے اسے مندرجہ ذیل کسوٹی پر پرکھنا چاہئے......

(۱) قرآن حکیم (۲) سیرت پیغمبرؐ (۳) احادیثِ معتبرہ (جنکا قرآن اور عصمت پیغمبرؐ سے ٹکراؤ نہ ہو) اور (۴) تاریخ معتبر۔ ان میں قرآن سب سے زیادہ موثق و معتبر ہے اور تاریخ سب سے کم اعتبار کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ واقعات جنکی تصدیق چاروں ذرائع مل کر کریں وہ نہایت مستند اور ناقابل انکار ہونگے، مثلاً دعوت ذوالعشیرہ میں حضرت علیؑ کا سب سے پہلے اعلان ایمان (جو اعلان نبوت کے ساتھ بلا فاصلہ تھا) میدان مباہلہ میں جھوٹوں پر لعنت بھیجنے کے لئے پنجتن پاک جیسے صدیقین کا انتخاب، چادر تطہیر میں پنجتن پاک کا جمع ہونا اور آیۂ تطہیر کے ذریعہ ان کی عصمت وطہارت کا اعلان، تمام مسلمانوں سے محبت اہل بیتؑ کا سوال، جنگ احد میں اکثر صحابہ کبار کا فرار اختیار کرنا، شب ہجرت حضرت علیؑ کا اپنی جان جوکھم میں ڈال کر بستر رسولؐ پر سونا، میدان غدیر میں آخری حج کے بعد حضرت علیؑ کی ولایت کا اعلان، ہجرت کے سفر میں حضرت ابوبکر کا غار ثور میں گریہ کرنا اور وحی الٰہی کے مطابق نبی اکرمؐ کا انھیں سمجھانا بجھانا کہ **لاتحزن ان اللہ معنا** (روؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے)، حضرت عمر کا پیغمبر اعظمؐ پر ہذیان کی تہمت رکھ کر **من یشاقق الرسول** ...... کی پرواہ نہ کرنا' دربار خلافت میں صدیقین مباہلہ کو جھوٹا قرار دینا، نبیؐ رحمت پر ان کی دو بیبیوں کا اسکیم بنا کر جھوٹ باندھنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکی زجر و توبیخ کے لئے **فقد صغت قلوبکما** (تم دونوں بیبیوں کے دل ٹیڑھے ہوگئے ہیں) جیسی آیتوں کا اترنا، ازواج نبیؐ کے لئے **قرن فی بیوتکن** (اپنے گھروں میں بیٹھی رہو) جیسی آیت کے نزول کے باوجود حکم خدا کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے زوجۂ نبیؐ کا آکر میدانِ جنگ میں فوج کو کمانڈ کرنا...... وغیرہ وغیرہ وہ واقعات ہیں جنکی تصدیق قرآن، سیرت حدیث اور

تاریخ سبھی کرتے ہیں۔ البتہ کوئی تاریخ یا حدیث ایسی ہو جو قرآن سے ٹکراتی ہو تو اسے قرآن کے مقابلہ میں قبول نہیں کیا جا سکتا، جیسے صدیقین مباہلہ کو جھوٹا قرار دینے کے لئے نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ماترکناہ صدقہ (یعنی ہم گروہ انبیاء نہ کسی کو اپنا وارث بناتے ہیں اور نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے) جیسی لاوارث حدیث وضع کرکے پیش کرنا، کیوں کہ یہ قرآن کے سراسر خلاف ہے۔ سورہ مریم کی پانچویں اور چھٹی آیت پڑھیے انی خفت الموالی من ورائی ...... یرثنی ویرث من آل یعقوب حضرت زکریا فرماتے ہیں کہ (اپنے قرابت داروں سے میں ڈرتا ہوں کہ میرے بعد (میرے مال ومتاع کو برباد نہ کردیں) جبکہ میری بیوی بانجھ ہے پس تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما، جو میرا بھی وارث ہو اور یعقوبؑ کے خاندان کا بھی) اسی طرح وورث سلیمان داؤد (سلیمانؑ داؤدؑ کے وارث ہوئے) میں بھی انبیاء کی وراثت کا کھلا اعلان ہے۔ علامہ فخرالدین رازی آیت یرثنی ویرث من آل یعقوب کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ ''ابن عباس، حسن اور ضحاک کا قول ہے کہ میراث سے مراد ''وراثۃ المال'' ہے، اور وورث سلیمان داؤد کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''وراثت سے مراد مال ومتاع ہے اسلئے کہ نبوت تو وہ عطیہ ہے جو خداوند عالم سے براہ راست ملتا ہے نہ کہ وراثۃ'' (تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۴۰۲) ٹھیک اسی طرح اگر تاریخ اور متفق علیہ مستند حدیث میں ٹکراؤ ہو تو حدیث کو تسلیم کیا جائیگا اور تاریخی بیان ساقط الاعتبار ہوگا۔ اسکی مثال حضرت علیؑ کی خلافت وولایت کا کھلا اعلان ہے جو دعوتِ ذوالعشیرہ، شب ہجرت، حدیثِ منزلتِ ہارون من موسیٰ، حدیث غدیر وغیرہ سے واضح ہے اب ان احادیثِ متفقہ کے مقابلہ میں تاریخ کا یہ بیان کہ حضرت فاطمہؑ زہرا کے انتقال کے بعد حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکر کی بیعت کرلی تھی، بالکل

ناقابل اعتبار اور ایک تاریخی پیوند ہے۔ اسی طرح شام کی فتحیابی اور اس سے متعلق روایات کا تعلق بھی غیر معتبر تاریخ سے ہے جبکہ جنگ احد سے فرار، جنگ خیبر میں ناکامی، جنگ احزاب کا خوف، آنحضرتؐ پر ہذیان کا اتہام، قوموا عنی (میرے پاس سے نکل جاؤ) کی ڈانٹ پھٹکار وغیرہ قرآنی آیات واحادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اب کسے کس پر ترجیح دینا درست ہے اس کا فیصلہ آپ خود فرمائیں۔ مدینہ میں رہ کر فوجی سپاہ کے بل بوتے پر شام کو فتح کر لینا زیادہ قابل ستائش ہے یا احد کی پُرخطر جنگ میں دشمنوں کے درمیان نبی اکرمؐ کو چھوڑ کر فرار اختیار کرنا قابل مذمت ہے؟

اب رہی بات کہ "عیسائی لوگ آج بھی حضرت عمر کا نام عزت سے لیتے ہیں" یہ تو بالکل ایسا ہی ہے جیسے ہندوستان میں ہندو حضرات آج بھی اکبر کا نام عزت سے لیتے ہیں، کیوں؟ اسلئے کہ اس نے ماتھے پر تلک لگایا، جودھا بائی سے شادی کی جو شادی کے بعد بھی اپنے مذہب پر سختی سے قائم رہی۔ دین اسلام کے مقابلہ میں دین الٰہی ایجاد کیا...... مگر یہی ہندو حضرات بابر یا اورنگ زیب کا نام عزت سے نہیں لیتے کیونکہ ان میں دینی رجحان زیادہ تھا۔ البتہ اگر کسی پڑھے لکھے کسی عیسائی عالم نے حضرت عمر کے علم وکمالات کی تعریف کی ہو تو وہ یقیناً قابل فکر ہے۔ اگر کوئی کتاب، کتابچہ یا مضمون ہو تو ضرور اس کی نقل یا ناشر کا پتہ بھیجئے گا تاکہ مصنف کے علمی استعداد کا اندازہ لگایا جاسکے اور حضرت عمر کا عرفان باہر کی دنیا سے بھی حاصل کیا جاسکے۔ فی الحال ایک عظیم عیسائی مورخ "واشنگٹن ارونگ" کی مشہور زمانہ کتاب "لائف آف سیکسیزرس آف محمدؐ" ص ۵ سے اقتباس پیش ہے، جس سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ ایک پڑھے لکھے عظیم عیسائی مورخ کی نظر میں حضرات شیخین کیسے تھے؟ ملاحظہ ہو:

"He (Abu Baker) requested Omer to proceed with an armed band to the

دوسری طرف اہلبیت رسولؐ کی حفاظت کر رہے تھے، ساتھ ہی حق اور صبر کی تلقین بھی کر رہے تھے۔

محترم! آپ نے اپنے خط میں ایک سوال تحریر فرمایا ہے کہ ''حضرت امام علیؓ سے لیکر حضرت امام حسینؓ تک کے اختلافات اور لڑائیاں نیز حضرت ابو بکرؓ صدیق سے لیکر یزید تک مذہبی تھیں یا نظریاتی پہلو سے تھیں؟'' پھر اس سوال کا جواب دیتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ''یہ سمجھنے کے لئے آپ کو کئی سال ہمارے یعنی عربوں کے درمیان رہ کر ہماری عادات واطوار اور افکار کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی آپ کی سمجھ میں آسکے گا۔'' ___ محترم رزاق بھائی! ''حضرت امام علیؑ سے لیکر حضرت امام حسینؑ تک اور حضرت ابو بکر سے لیکر یزید تک'' یہ گروہ بندی آپ کے قلم سے کچھ عجیب سی لگ رہی ہے۔ شاید عدم توجہی کی بنا پر یا لاشعوری طور پر آپ نے یہ گروہ بندی کی ہو، جو بہر حال حقیقت سے تو بہت قریب ہے لیکن برادران اہلسنت کی اکثریت حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کو یزید کے گروہ میں رکھنا پسند نہیں کریگی۔ حالانکہ کچھ وسیع النظر اور کشادہ قلب سنی علماء نے بھی واقعہ کربلا کی ذمہ داری انھیں بزرگ اصحاب پر ڈالی ہے، گویا کہ انھیں یزید کے گروہ میں شامل کیا ہے مثلاً مشہور عالم اہلسنت شمس العلماء مولوی ڈپٹی نظیر احمد صاحب اپنی کتاب ''رویائے صادقہ'' فصل ۱۴ص ۱۵۲ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ''سخت افسوس کی بات ہے کہ اہلبیت نبوی کو پیغمبرؐ صاحب کی وفات کے بعد ہی سے ایسے ناملائم اتفاقات پیش آئے کہ ان کا وہ ادب اور لحاظ جو ہونا چاہئے تھا اس میں ضعف آگیا اور وہ شدہ شدہ منجر ہوا اس ناقابل برداشت واقعہ کربلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ وہ ایسی نالائق حرکت مسلمانوں سے ہوئی کہ اگر سچ پوچھو تو دنیا میں منھ دکھانے کے قابل نہیں ہیں۔'' شمس العلماء کی اس تحریر سے صاف واضح ہے کہ ایک طرف حضور اکرمؐ بی بی فاطمہ زہراؑ اور امیر المومنین حضرت علی علیہم الصلوٰۃ والتسلیم

mansion of Fatima and maintain tranquelity in that quarter. Omer surrounded the house with his followers announced to Ali the election of Abu Baker and demanded his concurrence. Ali attempted to remonstrate alleging his own claims,but Omer proclaimed the penalty of death..............and threatened to enforce it by setting fire to the house and consuming its inmates."(Life of successors of Mohd. p:5) یعنی ابوبکر نے عمر سے کہا کہ وہ ایک ہتھیار بند لشکر کے ساتھ فاطمہؑ کے گھر جائیں اور اس علاقہ میں سکون وامن قائم کریں۔عمر نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ فاطمہؑ کے گھر کا محاصرہ کیا،ابوبکر کے انتخاب کا اعلان کیا اور علیؑ سے تائید کا مطالبہ کیا علیؑ نے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے (خلافت کے لئے) اپنا حق ثابت کرنے کی کوشش کی۔لیکن عمر نے (بیعت نہ کرنے کی صورت میں) موت کی سزا کا اعلان کرتے ہوئے دھمکی دی کہ ہم گھر جلادیں گے اور گھر میں رہنے والے سبھی لوگ جل کر خاکستر ہوجائیں گے۔" یہ ہے ایک عیسائی مورخ کی شہادت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے بارے میں۔

ت: رسول اکرمؐ اس قسم کے الفاظ پہلے بھی استعمال کرچکے تھے،جب آپ نے فرمایا تھا کہ میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں "کتاب اللہ اور عترت

واہلبیتؑ'' کو چھوڑے جارہا ہوں۔ جبتک ان دونوں سے متمسک رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور آج یہ فرمارہے تھے کہ لاؤ ایک ایسی تحریر لکھ دوں کہ جس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے، تو حاضرین نے مع عمر کے یہ محسوس کرلیا کہ پیغمبرؐ اسی بات کی تحریری تاکید کرنا چاہتے ہیں جو غدیر خم میں کتاب وعترت کے بارے میں فرما چکے ہیں۔ اور عترت کی سب سے نمایاں فرد علیؑ ہیں۔ یعنی پیغمبرؐ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تم سب کو قرآن اور علیؑ سے تمسک کرنا ہے جیسا کہ محدثین کے بیان کے مطابق مختلف مقامات پر اشارہ بھی کرچکے تھے۔

ر: یہ شخص اس بیان کے حوالے میں کسی حدیث کا باب یا نمبر کیوں نہیں بتارہا ہے اگر یہ شیعوں کی کتاب سے ہے تو اس کا کوئی دوسرا مطلب نہیں نکل سکتا ہے؟

د: محترم رزاق بھائی! کبھی کبھی کچھ شیعوں کی بھی مان لیا کیجئے۔ دوسرا مطلب نہ نکالئے!! لیکن نہیں۔ ذرا ٹھہریئے۔ شیعہ حضرات بغیر دلیل کے کوئی گفتگو نہیں کرتے۔ اپنے مذہب کی حقانیت کے لئے شیعہ ہمیشہ علماء اہلسنت کی معتبر اور مستند کتابوں سے حوالہ پیش کرتے ہیں۔ حدیثِ ثقلین متواتر ہے جسے بقول علامہ ابن حجر مکی بیس سے زیادہ صحابیوں نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے حوالہ جات ملاحظہ ہوں: (۱) صواعق محرقہ ص ۸۹ و ۱۳۶ (۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۷۹ (۳) خصائص کبریٰ علامہ سیوطی جلد ۲ ص ۲۶۶ (۴) کنز العمال جلد ۱ ص ۴۴ (۵) درالمنثور سیوطی جلد ۲ ص ۶۰ (۶) تاریخ الخلفا سیوطی ص ۱۱۷، ۱۱۸ (۷) ازالتہ الخفاء جلد ۱ ص ۲۹۳ وغیرہ۔

ت: ......اور دوسری طرف قریش کی اکثریت علیؑ سے خوش نہیں تھی۔ اسلئے کہ وہ عمر کے اعتبار سے کمسن بھی تھے اور انھوں نے میدانوں میں ان کے بہادروں کو قتل کرکے ان کی ناک رگڑ دی تھی اور انکے غرور ونخوت کو چور، چور کردیا تھا۔

ر: تعجب ہے کہ قریش کے لوگ حضرت علیؑ سے کیوں ناراض تھے۔ اور کیا حضرت

د: بے شک حضرت علیؑ قرشی تھے اور ان کے قرشی ہونے کے باوجود قریش کے اکثر افراد ان کے دشمن تھے، ٹھیک اسی طرح جیسے حضور اکرمؐ قرشی تھے اور قرشی ہونے کے باوجود ابولہب و ابوجہل اور انکے ہمنوا آنحضرت کے دشمن تھے۔ جس طرح یہ دشمنی خاندانی یا ذاتی نہیں تھی بلکہ اسلام اور کفر کی بنیاد پر تھی اسی طرح حضرت علیؑ سے قریشیوں کی دشمنی بھی خاندانی یا ذاتی نہیں تھی بلکہ اسکی بنیادی وجہ اسلام اور نفاق و کفر کا نزاع تھا۔ دشمنی کی اصل وجہ ڈاکٹر تیجانی نے خود ہی واضح کردی ہے کہ لوگ حضرت علیؑ سے کیوں ناراض تھے، مختلف میدانوں میں انکے بہادروں کو یعنی کسی کے باپ، کسی کے چچا، کسی کے بیٹے، کسی کے ماموں، کسی کے بھائی کو حضرت علیؑ نے اسوقت قتل کر کے انکی ناک رگڑ دی جب یہ لوگ شمع رسالتؐ گل کرنے کے لئے حملہ آور ہوئے۔ اب آپ ہی بتایئے کہ علیؑ کے ہاتھوں مارے گئے کفار کے اعزا و اقربا ان سے ناراض نہیں تو کیا خوش ہونگے؟ کفار تو حیدر کرارؑ کے ہاتھوں پسپا ہو کر چور، چور ہو گئے مگر جنھوں نے ڈر کر مجبوراً یا مصلحتاً اسلام کی نقاب کو اپنے چہروں پر ڈال لیا تھا، ان کے دلوں میں نفرت و کدورت کا جوالامکھی پک رہا تھا اور وہ کسی حالت میں بھی حضرت علیؑ کو مسند خلافت وحکومت پر دیکھنا نہیں پسند کرتے تھے۔ وہ دشمنانِ اسلام (منافق) ایسے افراد کی تلاش میں تھے جو بظاہر حضور اکرمؐ سے بہت قریب نظر آئیں مگر ان کے نظریات و تفکر میں دنیا دین پر غالب ہو۔ تا کہ ان کے ہمدرد و ہم خیال بنکر آہستہ آہستہ اپنی خلافت وحکومت کی راہیں ہموار کرلیں۔ اور وقت آنے پر علیؑ اور اولاد علیؑ سے اپنے کافر مقتولین کا بدلہ لے سکیں۔ منافقینِ قریش کے ہاتھوں حضرت علیؑ کی شہادت، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی شہادت اسی مشن کا نتیجہ ہیں۔ جیسا کہ واقعہ کربلا کے بعد جب پیغمبر اعظمؐ کی نواسیاں گرفتار ہو کر، رسن بستہ بے مقنع و چادر کربلا سے کوفہ ہوتی ہوئی ملک شام

میں دربار یزید میں لائی گئیں تو یزید ملعون نے مندرجہ ذیل اشعار پڑھ کر اسے مسند خلافت تک پہونچانے والوں کے چہرے سے نقابیں الٹ دیں۔ اے کاش! نبی کے کلمہ گویوں کا احساس بیدار ہو جاتا اور غور کرتے کہ ہمارے نبیؐ کی عترت کے ساتھ ایسا سلوک کرنے والے کیا مسلمان ہو سکتے ہیں؟ اسے مسند خلافتِ رسولؐ تک پہونچانے والے کیا اسلام کے سچے ہمدرد ہو سکتے ہیں؟ اس سلسلہ میں اپنے قلم سے کچھ تبصرہ کرنے کے بجائے ایک بزرگ سُنی عالم دین مولانا سید شاہ محمد قائم صاحب رضوی چشتی نظامی سجادہ نشیں داناپور پٹنہ کے مقالہ ''کفر یزید'' سے ایک اقتباس پیش ہے:

''جب حضرت امام عالیمقام اور شہزادوں نیز رفقائے امام کے قتل کی خبر یزید پلید کو ملی تو اسکی خوشی کی کوئی حد نہ تھی۔ عجب اتفاق کہ اسوقت کوّے شور کر رہے تھے۔ یزید پلید نے اس وقت خوشی کے عالم میں چند شعر کہے ہیں اور جب اسکے سامنے حضرت امام عالی مقام کا سر اقدس لایا گیا تو وہ ملعون مارے خوشی کے جھومتا تھا اور اپنی چھڑی سے حضرت سید الشہدا کے دندان مبارک کو ٹھکراتا جاتا تھا اور اپنے وہی اشعار پڑھتا تھا۔ اس پلید کے اشعار ملاحظہ ہوں:

یا غراب ماشئت فقل	انما تندب امرا فقد حصل
لیت اشیاخی ببدر شهدوا	مصرع الخزرج من وقع الاسل
لاهلوا واستهلوا فرحا	ثم قالوا یا یزید لاتشبل
لست من خندف ان لم انتقم	من بنی احمد ماکان فعل
لعبت هاشم بالملك فلا	خبر جاء ولا وحی نزل

یعنی اے جنگلی کوّا! جو تمہارا جی چاہے بولو۔ بے شک میں نے اپنے مقصد کو حاصل کر لیا۔ اگر میرے وہ بزرگ جو مقتولِ بدر ہیں خزرج کے لوٹنے اور زخم کھا کر گرنے کی حالت کو دیکھتے تو خوشی سے جھوم

اٹھتے اور مبارکباد دیتے۔ اور مجھ سے للکار کر کہتے کہ اے یزید! رنجیدہ خاطر نہ ہو...... (پھر یزید کہتا ہے کہ) میں خندف سے نہ ہوتا اگر میں اولاد احمدؐ سے ان کے افعال (بدر وغیرہ) کا انتقام نہ لے لیتا۔ بنی ہاشم نے محض ملک گیری کے لئے ڈھونگ رچا تھا ورنہ نہ اُن پر کوئی وحی آئی اور نہ خبر (یعنی نہ ان پر قرآن نازل ہوا، اور نہ کوئی وحی) (طبری جلد۴ ص ۲۱۷، صواعق ص ۱۳۱)"

پھر مولانا قائم چشتی تحریر فرماتے ہیں...... "مسلمانو! یہ آخری شعر یزید پلید کے ایمان واسلام کا آئینہ ہے جس میں اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت نیز قرآن کریم سے انکار کیا ہے۔ قرآن عظیم کو، یزید کے شعرِ آخر سے ظاہر ہے کہ وہ وحی الٰہی نہیں جانتا، حضرت جبرئیل امینؑ کے آنے اور وحی لانے سے قطعی انکار ظاہر ہے۔ پس کیا اب بھی کفر یزید سے انکار ہوگا؟ کیا منکر وحی ومنکر رسالت بھی کافر نہیں؟ اس شعر کی موجودگی میں یزید کافر قطعی کافر" (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں تاریخ کامل جلد۴ ص ۴۷، صواعق محرقہ ص ۱۴۱، مروج الذہب جلد ۳ ص ۱۰، شذرات الذہب فی اخبار من ذہب مطبوعہ مصر جلد ۱ ص ۶۹)

تخلف جیش اسامہ اور صحابۂ کرام

ت: اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اکرمؐ نے اپنی وفات سے دو دن پہلے روم سے مقابلہ کرنے کیلئے ایک لشکر تیار کیا اور اس کا سردار اسامہ ابن زید ابن حارثہ کو قرار دیا۔ جن کی عمر اٹھارہ سال تھی اور اس لشکر میں ابوبکر عمر اور ابوعبیدہ جیسے مشاہیر اصحاب اور مہاجرین وانصار کے نمایاں افراد کو بھی شامل کردیا۔ جس پر ایک

جماعت نے اسامہ کی سرداری پر اعتراض کیا اور کہا کہ ہم پر ایسے جوان کو کیوں سردار بنا دیا گیا ہے جس کا سبزہ آغاز نہیں ہوا ہے......اور یہی بات اس سے پہلے ان کے باپ کی سرداری کے موقع پر کہی جا چکی تھی۔

چنانچہ صحابہ کے اس طنز وتنقید کو سن کر سرکار گو بیحد غصہ آیا اور آپؐ بخار کے عالم میں سر پر پٹی باندھے دو افراد پر تکیہ کئے ہوئے یوں بیت الشرف سے برآمد ہوئے کہ آپؐ کے پاؤں زمین پر خط دیتے جاتے تھے۔اور پھر ممبر پر جا کر حمد وثنائے الٰہی کے بعد فرمایا" ایھا الناس یہ اسامہ کی سرداری کے بارے میں میں کیا باتیں سن رہا ہوں۔اور آج یہ کوئی نیا اعتراض نہیں ہے۔تم ان سے پہلے ان کے باپ کی سرداری پر بھی اعتراض کر چکے ہو۔خدا کی قسم زید سرداری کے حق دار تھے اور ان کے بعد ان کا بیٹا اس منصب کا اہل ہے" (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۹۰، تاریخ ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۵، السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ ص ۲۰۷، تاریخ طبری جلد ۳ ص ۲۲۶)

ر: یہاں پر یہ شخص تاریخ کی کتابوں کو درمیان میں لے آیا۔کیا میں جان سکتا ہوں کہ تاریخ کی (کتاب) اور اسکے مصنف سو فیصد درست ہوا کرتے ہیں؟ اگر تاریخ کو سو فیصد معتبر قبول کرتے ہیں تو انھیں بہت سی تاریخ کی کتابیں ملیں گی جن میں خلفاء کو نیک اور وفادار ثابت کیا ہے۔کیا یہ شخص ان کتابوں کو صحیح مانیں گے؟

د: محترم رزاق بھائی! نہ تو تاریخ کی کتب کو سو فیصد درست کہا جا سکتا ہے اور نہ اسے صد فیصد غلط ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔تاریخ چونکہ غیر معصوم خطا کار انسان کی تصنیف ہوتی ہے اسلئے اسے قرآن یا مستند حدیث کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔پھر بھی اگر کسی واقعہ کو متعدد مورخین تحریر کریں تو اسے یکسر غلط بھی نہیں قرار دیا جا سکتا۔محترم! کسی تاریخی واقعہ کو غلط طور سے پیش کرنے کے پیچھے کوئی نہ کوئی سبب ضروری ہے۔میری نظر میں دو سبب ہو سکتے ہے (۱) لاعلمی (۲) جنبہ داری، ایک

پڑھے لکھے غیر جانبدار مورخ کے یہاں یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتیں۔ البتہ کسی مخصوص رجحان کے حامل مورخ کے یہاں جنبہ داری مل سکتی ہے اور وہ اپنے مسلک اور اعتقاد کے مطابق اصل واقعہ میں الٹ پھیر کر کے حقیقت واقعہ کو مشکوک بنا سکتا ہے اور حقیقت پر پردہ بھی ڈال سکتا ہے۔ اسکی بہترین مثال ابن خلدون کی ہے۔ تخلف جیش اسامہ'' کا واقعہ جن حوالوں سے نقل کیا گیا ہے ان سے جنبہ داری کی بنیاد پر یہ امید تو کی جاسکتی ہے کہ انھوں نے اپنے ممدوح صحابہ کرام کے احترام کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اس واقعہ کو ہلکا بنا کر پیش کیا ہوگا جیسا کہ بعض مورخین نے یہانتک لکھا ہے کہ آنحضرت کو ان اکابر صحابہ کے اسامہ کی سرداری میں نہ جانے سے اتنی تکلیف پہونچی کہ آپ نے ان پر لعنت بھیجی مگر لعنت والی بات اکثر مورخین نے حذف کردی۔ بہر حال واقعہ اتنا مستند ہے کہ جس سے انکار ناممکن ہے۔ تاریخ اگر مورخ کی فکر کا مجموعہ ہو تو قابل نظر ہے، اگر فرمان رسولؐ مقبول اور سیرت پاک پر مشتمل ہو تو ایک مسلمان اس سے انکار کا حق نہیں رکھتا، جبتک صحیح روایات سے اسکی رد ثابت نہ ہو جائے۔ اب اس واقعہ سے نتیجہ اخذ کرنا صاحبان عقل و فہم و فکر و نظر کا کام ہے...... بشرطیکہ توفیق الٰہی شامل حال ہو۔

جو رسولؐ دیں اسے لے لو اور......

ت: پھر میں نے اہل سنت کی یہ معذرتیں پڑھیں کہ یہ سب قریش کے شیوخ اور بزرگ تھے۔ انھیں اسلام میں سبقت حاصل تھی اور اسامہ بالکل نوجوان تھے، انھوں نے بدر احد و حنین جیسے عزت اسلام کیلئے فیصلہ کن معرکوں میں شرکت بھی نہیں کی تھی۔ ان کا اسلام میں کوئی سابقہ بھی نہیں تھا بلکہ وہ بالکل کمسن نوجوان تھے جسے فطری طور پر بزرگ اور بوڑھے افراد برداشت نہیں کرپاتے ہیں اور طبعی طور پر ان کے احکام کی اطاعت کے لئے تیار نہیں ہوتے ہیں اور اسی لئے ان

لوگوں نے اسامہ کی سرداری پر اعتراض کیا تھا اور یہ چاہا تھا کہ حضورؐ ان کی جگہ کسی بزرگ اور نمایاں صحابی کو سردار بنادیں۔ لیکن مجھے ان معذرتوں کی کوئی عقلی یا شرعی دلیل نہیں مل سکی۔ اور کسی قرآن پڑھنے والے اور اسکے احکام جاننے والے مسلمان کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ ان معذرتوں کو رد کردے۔ اس لئے کہ پروردگار نے فرمایا ہے (جو رسولؐ تمہیں دیدیں لے لو اور جس چیز سے روک دیں رُک جاؤ...... سورہ حشر آیت ۷)

ر: اس آیت کے مفہوم پر تو بہت طویل بحث کی ضرورت ہے، جو اس تھوڑے سے وقت میں نہیں ہوسکتی ہے اس پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ یہ بات مال کے لئے کہی گئی ہے یا عام طور پر بعض کہتے ہیں کہ عام طور پر (یعنی یہ حکم عام ہے) اور بعض کہتے ہیں کہ اس پوری آیت میں مال کے تعلق سے ذکر کیا گیا ہے۔ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ مسلموں کا ہر طبقہ چاہے سُنی ہو یا شیعہ، کیا وہ فرقہ رسول کی ہر بات قبول کرتا ہے؟

د: محترم رزاق بھائی! اک ذرا تحمل کے ساتھ غور وفکر کیجئے تو مجھے یقین ہے کہ آپ بھی اس نتیجہ تک پہونچیں گے کہ اس آیت کے مفہوم پر کسی طویل بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ رسالتؐ سمجھ میں آجائے...... یعنی یہ کہ نبیؐ ہر حال میں نبیؐ ہیں، معصوم ہیں، افضل المرسلین ہیں اور ہدایتِ خلق کے لئے مبعوث ہوئے ہیں، ان سے کسی قسم کی غلطی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ انکی ہر گفتگو اور ہر عمل مرضی الٰہی کا پابند ہے...... اگر ان باتوں پر دل سے ایمان پیدا ہوجائے تو چاہے یہ آیت نازل ہوتی یا نہ ہوتی ہر کلمہ گو کے لئے عقل وادراک کی روشنی میں خود بخود فرض بن جاتا کہ اسے نبیؐ برحق جو دیں اسے لے لے اور جس سے روکیں اس سے باز آجائے۔ اب وہ دی جانے والی شئے ''حکم'' ہو یا ''مال'' اسے قبول کرنا واجب ولازم ہے۔ یہاں قابل فکر بات یہ ہے کہ اس آیت کے مفہوم میں تاویل وتامل اہلسنت حضرات کی طرف سے کیوں ہوتا ہے؟ اس کا جواب بھی روز روشن کی طرح

واضح ہے کہ کچھ ایسے بڑے صحابیوں نے نبی اکرمؐ کے حکم سے سرتابی کی جنکی عقیدت ومحبت برادرانِ اہل سنت کے دل میں بچپن سے راسخ کردی گئی ہے......تو اب اپنے محبوب صحابہ کی ساکھ (عزت) بچانے کیلئے اُن کے حکم نبی پر اعتراض کی تاویل وتوجیہ ضروری محسوس ہوئی۔ جسکے نتیجہ میں توہین رسالتؐ کا بھی خیال نہ رہا المختصر اگر یہ یقین پیدا ہو جائے کہ ہر حال میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں جو اپنی خواہش سے گفتگو بھی نہیں کرتے......تو آیت کی تاویل کیلئے عام طور پر" اور" خاص طور پر" کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ چاہے مال ہو یا احکام شریعت، قرآن ہو یا حدیث، علم ہو یا عمل جو بھی مرسل اعظمؐ دیں اسے بے چوں چرا قبول کر لینا ہی ایمان ہے۔ البتہ اسکی تشریح یا وضاحت کی جاسکتی ہے۔

آپکا دوسرا سوال کہ کیا مسلمانوں کا ہر فرقہ رسولؐ کی ہر بات کو قبول کرتا ہے؟ محترم جہانتک شیعہ فرقہ کا تعلق ہے، یقیناً بے شک، لاریب شیعہ فرقہ رسولؐ اسلام کی ہر بات کو صدق دل سے قبول کرتا ہے۔ باقی فرقے کچھ باتیں قبول کرتے ہیں اور کچھ کی قبولیت میں" اگر مگر" لگاتے ہیں یا قبول ہی نہیں کرتے۔

ت: خدا اور رسولؐ اگر کسی امر کا فیصلہ کردیں تو کسی مومن مرد یا عورت کو کوئی اختیار نہیں رہ جاتا ہے اور جو خدا اور رسولؐ کی مخالفت کریگا وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہوگا (احزاب ۳۶)

ر: یہ آیت حضرت زیدؓ اور زینبؓ کی شادی کے تعلق سے ہے۔ بعض علماء عام حالت میں بھی اس کا اطلاق کرنے کے معنی لیتے ہیں اگر عام مطلب بھی لے لیں تو یہ امر یا حکم اس سے منع نہیں کرتا ہے کہ کسی بھی حکم پر لوگ اللہ کے رسول سے رجوع نہیں کر سکتے ہیں، یا رسولؐ سے اس پر گفتگو یا تبصرہ نہیں کر سکتے ہیں انسانی فطرت ہے کہ ہر حکم یا بات کو وہ فوری قبول نہیں کرتا ہے، جب تک کہ وہ مطمئن نہ ہو جائے اس کے جواب سے، یا اللہ اور اسکے رسولؐ اسکی وضاحت نہ کردیں۔

د: محترم! آپ کے مندرجہ بالا تبصرہ کے جواب میں ماقبل کا پیراگراف کافی ہے۔ بے شک افہام و تفہیم نیز اطمینان قلب کے لیئے لوگ اللہ کے رسولؐ سے رجوع کر سکتے ہیں، لیکن کسی حکم کی مخالفت نہیں کر سکتے۔ جب ان بزرگ اصحاب کو اسامہؓ کی سرداری میں جانے کا حکم مرسل اعظم نے دیا تو انھیں بحیثیت ایک خاطی انسان کے یہ حق تو حاصل تھا کہ بعجز و انکساری پوچھ لیتے کہ اے اللہ کے نبیؐ اس نوجوان کی سرداری میں ہم جیسے بڑے بوڑھے جہاندیدہ اصحاب کو کیوں بھیج رہے ہیں؟ کیا اس میں کوئی راز مضمر ہے؟ عجب نہیں کہ سرکارؐ خاطر خواہ وضاحت کر دیتے یا پھر حکم کو مزید مضبوطی عطا کرتے ہوئے فرماتے کہ منشاء الٰہی یہی ہے کہ بے چوں چرا حکم پر عمل کرو۔ لیکن اللہ اور اسکے نبیؐ پر ایمان لانے کے بعد ان کے حکم سے سرتابی کرنا کیا بغاوت نہیں ہے۔ یقیناً اسے کسی حالت میں بھی درست نہیں قرار دیا جا سکتا۔

ت: ہم اگر اس واقعہ (جیش اسامہؓ سے تخلف) میں مزید غور کرنا چاہیں تو یہ دیکھیں گے کہ اسکے سب سے زیادہ نمایاں عنصر اور اس سیاسی پیچ و خم کے سب سے بڑے قطب خلیفہ دوم تھے جنھوں نے وفات پیغمبرؐ کے بعد بھی ابو بکر سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اسامہ کو معزول کر کے کسی دوسرے کو سردار لشکر بنا دیں، جس پر ابو بکر نے بگڑ کر جواب دیا تھا کہ ابن خطاب! تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے، مجھے اس شخص کو معزول کرنے کا حکم دے رہا ہے جسے رسول اللہؐ نے حاکم بنایا ہے (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۹۰، تاریخ طبری جلد ۳ ص ۲۲۶) آخر عمر کو اس حقیقت کا ادراک کیوں نہیں ہوا جسے ابو بکر نے سمجھ لیا تھا یا پھر اس مسئلہ میں کوئی دوسرا ہی راز تھا جو مورخین پر واضح نہیں ہو سکا۔ یا انھوں نے اس راز کو عمر کی عظمت کے تحفظ کے لئے چھپا دیا جیسا کہ ان کی ایک عام عادت ہے اور اسی کے تحت لفظ ہذیان کو غلبۂ مرض سے تبدیل کر دیا ہے۔

کے جگر پارے معصوم اور مظلوم افراد تھے تو دوسری طرف مسند خلافت پر قبضہ کر کے رفتہ رفتہ یزید کے ہاتھوں میں خلافت کی باگ ڈور پہونچانے والے دوسرے گروہ کے افراد تھے۔ امام غزالی نے شاید اسی لئے فتویٰ دیا تھا کہ ''ذکر حسین حرام ہے کیونکہ اس سے بغض صحابہ کی بو آتی ہے۔''

البتہ آپ کا یہ فرمانا کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ ''مندرجۂ بالا دونوں گروہ کے اختلافات مذہبی تھے یا نظریاتی اسے سمجھنے کے لئے کئی سال عربوں کے درمیان رہ کر انکے عادات وافکار واطوار کا مطالعہ کرنا ہوگا تب سمجھ میں آسکے گا۔'' ___ محترم رزاق بھائی! یہ سچ نہیں ہے کہ ''عادات واطوار وافکار'' کا مطالعہ کرنے سے آپ کے سوال کا جواب مل جائیگا، بلکہ عربوں کے عادات واطوار وافکار کے مطالعے کیساتھ حضرت علیؑ سے لیکر امام حسینؑ تک اور حضرت ابوبکر سے لیکر یزید تک'' خود انھیں کے عادات واطوار وافکار کا جب آپ حق اور انصاف کو پیش نظر رکھ کر، یہ سوچتے ہوئے کہ قیامت میں رسول اللہؐ کو منھ دکھانا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہونا ہے ___ مطالعہ کریں گے اور تجزیہ فرمائیں گے نیز حق کو حق اور باطل کو باطل تسلیم کریں گے تو دودھ اور پانی کے طرح یہ بات واضح ہوجائے گی کہ ان کے درمیان اختلافات اور لڑائیاں مذہبی تھیں یا نظریاتی یا کسی اور مقصد کے تحت۔ علاوہ ازیں جہاں تک ''عادات واطوار وافکار'' کی بات ہے تو یہ باپ بیٹے کے الگ الگ ہوتے ہیں جیسے نوحؑ اور پسر نوحؑ محمد ابن ابوبکر اور ابوبکر، حضرت ابراہیمؑ اور آذر وغیرہ، بھائی بھائی کے نظریٔے الگ ہوتے ہیں جیسے جناب ابوطالبؑ اور ابولہب، ہابیل اور قابیل، میاں بیوی کے الگ ہوتے ہیں جیسے جناب نوحؑ اور انکی زوجہ، رسولؐ اکرم اور انکی دو بیویاں جنکے دلوں میں کجی تھی (فقد صفت قلوبکما...... سورۂ تحریم: آیت ۴)۔ جب باپ بیٹے، بھائی بھائی اور میاں بیوی کے عادات واطوار

دورِ خلافت حضرت عمر اور اسلام کا پھیلاؤ

ر: یہ شخص شاید سنیوں کو صرف عمر کا طرفدار مانتے ہیں اسلئے ان کا حملہ پورا خلیفہٗ دوم عمر ابن خطاب پر ہی ہو رہا ہے، کیا یہ شخص گوارہ کریں گے کہ حضرت عمر کے دور حکومت میں اسلام کا پھیلاؤ کہاں تک پہنچ گیا تھا، یہ فتوحات کس لئے تھے؟ کیا انھوں نے ان فتوحات سے کوئی محل تعمیر کئے یا شان وشوکت سے زندگی بسر کی؟ کیا اس میں ان کا کوئی ذاتی مفاد تھا؟

د: محترم! ناراض نہ ہوئیے بلکہ ذرا سنجیدگی سے غور کیجئے تو آپ خود محسوس کریں گے کہ حضرت عمر کے دور کی فتوحات سے اسلام کا پھیلاؤ نہیں بلکہ نام نہاد مسلمانوں کا پھیلاؤ زیادہ ہو رہا تھا مگر یہ انھیں ''اعراب'' جیسے مسلمان تھے جنکے لئے سورۂ حجرات میں پوری وضاحت موجود ہے قالت الاعراب آمنا قل لم تومنوا ولٰکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم وان تطیعو الله ورسولہٖ لایلتکم اعمالکم شیئا ان الله غفور الرحیم ☆ ۱۴

(اعراب، یعنی کچھ منافقین کے گروہ یا بادیہ نشین دیہاتی نئے مسلمان (دیکھئے تفسیر سعودیہ)...... کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے لیکن آپ اُن سے کہئے کہ تم حقیقت میں ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے کیوں کہ ابھی تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا۔ البتہ تم اگر اللہ اور اسکے رسول کی فرمانبرداری کروگے تو اللہ تمہارے اعمال میں کچھ بھی کمی نہیں کریگا۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے) حضرت عمر کے دور کے نئے مسلمان بھی اکثر وبیشتر وہی تھے جو تلوار کی زد پر آنے کیوجہ سے کلمہ پڑھ کر مسلمان تو ہو گئے لیکن ایمان کی روشنی ان کے دلوں تک نہیں پہونچی تھی۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ انھیں اپنے ہی چوتھے خلیفہ راشد کا اور جوانانِ

جنت کے سردار کا عرفان حاصل نہیں تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ، امیر معاویہ اور یزید انھیں "بے بہرہ" مسلمانوں کی فوج لیکر خلیفہ راشد حضرت علیؑ اور فرزند رسولؐ امام حسینؑ پر حملہ آور ہوئے۔ محترم! آپ صرف مسلمانوں کے پھیلاؤ کو دیکھ رہے ہیں...... وقت فرصت میں ذرا اس پر بھی غور کیجئے کہ حضور اکرمؐ کے "لن تضلوا بعدی" کہنے کے بعد حکم کی نافرمانی کر کے اسلام کو زخمی کس نے کیا جس کے نتیجہ میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مسلمان تہتر فرقوں میں بٹ گئے۔ اسلام کے متعدد فرقوں میں بٹنے کا ذمہ دار کون؟ آپ کو حضرت عمر سے عقیدت ہے، بے شک ہونی بھی چاہئے، لیکن آپ خود ہی بتایئے کہ اگر آپ حضورؐ کے زمانے میں موجود ہوتے تو کیا آپ اسطرح آنحضرتؐ پر (معاذ اللہ) ہذیان بکنے کے الزام کی جسارت کر سکتے تھے؟ یا حکم رسولؐ کی نافرمانی کی جرأت کر سکتے تھے؟ آپ کی طرف سے میرا جواب حاضر ہے "نہیں اور ہرگز نہیں" آپؐ کے اشاروں پر ہم اپنی جان تک نثار کر دیتے!"...... مگر محترم خطا معاف! اگر (خدانخواستہ) آپ کے پیش نظر مستقبل کی کوئی سیاسی پلاننگ ہوتی تو عین ممکن ہے کہ آپ بھی وہی کرتے جو حضرت عمر نے کیا۔ اب رہ گئی ذاتی مفاد کی بات، تو کیا یہ کوئی معمولی بات ہے کہ وہ دنیا سے اپنے کو خلیفۂ رسول منوالیں اور ہر سیاہ وسفید پر ان کی حکمرانی ہو۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ اورنگ زیب ہندوستان میں ایک بہت بڑا فاتح بادشاہ گذرا ہے جسے عالمگیر کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، وہ ایک طرف بیحد سادہ مزاج تھا، رہن سہن میں سادگی تھی، نمازی بھی تھا حافظ قرآن بھی، اس نے اپنے لئے کوئی محل بھی نہیں تعمیر کرایا تھا مگر ان تمام خوبیوں کے باوجود قرآنی احکام کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے (نمازی) باپ کو قید وبند میں ڈال دیا اور اپنے بھائیوں کو صرف حکومت کی لالچ اور حکمرانی کے نشہ میں قتل کروا دیا۔ محترم! سربراہی اور حکومت کا نشہ بہت برا ہوتا ہے...... یہاں تک کہ رسالتؐ کی عظمتوں کو بھی

فراموش کرادیتا ہے۔

ت: رسول اکرمؐ نے تمام مسلمانوں کو بلا امتیاز برابر کے عطیے دئے تھے اور یہی کام اپنے دور خلافت میں ابوبکر نے بھی کیا تھا، لیکن عمر نے تقسیم کا ایک نیا طریقہ ایجاد کر دیا اور سابقین کو غیر سابقین پر اور قریش کے مہاجرین کو غیر قریش کے مہاجرین پر اور عام مہاجرین کو تمام انصار پر اور تمام عرب کو تمام عجم پر اور صریح کو موالی پر۔ مضر کو ربیعہ پر فضیلت دیدی اور مضر کو تین سو اور ربیعہ کے لئے دو سو معین کئے اور پھر اوس کو خزرج پر فضیلت دے دی (تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۰۶، فتوح البلدان ص ۴۳۷)

ر: اپنی اس کتاب میں یہ شخص بار بار ابوبکر صدیق کی باتوں کو استعمال کر کے حضرت عمر کو برا ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ چلو اگر اس شخص کو یہ قبول ہے کہ حضرت ابوبکر انصاف کی باتیں کرتے تھے تو پھر یہ شخص کیسا شیعہ ہے؟ کیونکہ شیعہ تینوں خلفاء کو نہیں مانتے ہیں، ان میں ایک ابوبکر بھی تھے۔

د: محترم رزاق بھائی! ڈاکٹر تیجانی بار بار حضرت ابوبکر کا حوالہ اس لئے نہیں دے رہے ہیں کہ وہ انھیں ہر معاملہ میں منصف مزاج، عادل اور سچا مانتے ہیں بلکہ ان کا حوالہ اس لئے دے رہے ہیں کہ اکثر اہلسنت حضرات حضرت ابوبکر کو سرکار دو عالمؐ کے بعد افضل ترین انسان مانتے ہیں اور صدیق اکبر کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اسلئے ان کی سیرت برادران اہل سنت کے لئے حجت ہے۔ خلیفہ دوم نے حضور تو حضورؐ اپنے محبوب ہم مشرب حضرت ابوبکر کی سیرت پر بھی عمل نہیں کیا نبی کریمؐ کے مخصوص احکام کو پس پشت ڈالکر سیرت کے چند ایک گوشہ پر عمل کرنے سے کسی کو قابل تعظیم خلیفہ رسول کیسے مانا جا سکتا ہے؟

سقیفہ پلان کے تحت جب خلافت و حکومت حضرت ابوبکر کو مل گئی اور اس کا نشہ سوار ہو گیا تو وہ بھی وہ سب کچھ کر گئے جسکی ان سے امید نہیں تھی۔ ایک عزت

دار صحابی رسول مالک بن نویرہ پر چڑھائی، ان کے قبیلہ کا قتل عام، ان کی زوجۂ محترمہ سے خالد بن ولید کی زنا اور منافی اسلام حرکتوں کے باوجود خالد بن ولید کو سیف اللہ کا خطاب عطا کرنا، نبی رحمت کی لخت جگر خاتونِ جناں فاطمہ زہراؑ کی جائداد پر زبردستی قبضہ کرنا، صدیقین مباہلہ کو جھوٹا قرار دینا، مرسل اعظمؐ کی تجہیز وتکفین میں حصہ لینے کے بجائے خلافت کے جوڑ توڑ میں لگ جانا...... وغیرہ ایسے ناپسندیدہ اعمال ہیں جنکی وجہ سے شیعہ حضرات انھیں نہیں مانتے پھر بھی...... شیعہ چونکہ حق پسند ہیں اسلئے وہ ناپسندیدہ افراد کے بھی اچھے اعمال کو فراموش نہیں کرتے۔ عطئے دینے میں چونکہ انھوں نے سنت رسولؐ پر عمل کیا، حضرت عمر کی طرح اِس سنت رسول کو پس پشت نہیں ڈالا، اسلئے حضرت عمر کے مقابلہ میں (بطور حجت) ڈاکٹر تیجانی نے حضرت ابوبکر کے ایک مستحسن عمل کو پیش کیا۔

ت: عمر ابن خطاب کے علم کی بھی بیشمار داستانیں سنی جاتی ہیں یہاں تک کہ انھیں اعلم اصحاب بھی قرار دیدیا گیا ہے۔ اور یہ روایت بھی تیار کی گئی ہے کہ ان کے پروردگار نے اکثر مقامات پر ان کے اور پیغمبرؐ کے درمیان اختلاف رائے کی شکل میں ان کی تائید میں آیتیں نازل کی ہیں۔ حالانکہ صحیح تاریخ یہی ہے کہ انھوں نے نزول قرآن کے بعد بھی اس کا اتباع نہیں کیا ہے۔ اور جب ایام خلافت میں کسی نے سوال کیا کہ اگر حالت جنابت میں پانی نہ ملے تو کیا کیا جائے تو آپ نے فرمایا کہ نماز چھوڑ دو۔ اور عمار ابن یاسرؓ مجبور ہوئے کہ تیمم کا قانون یاد دلائیں لیکن عمر مطمئن نہ ہوئے اور کہا کہ ہم اتنا ہی بوجھ لادتے ہیں جتنا آدمی اٹھا سکے (صحیح بخاری جلد اص ۵۲)...... انھیں (حضرت عمر کو) مرتے مرتے کلالہ کا حکم نہ معلوم ہوسکا...... اور نہ تاریخ میں مشہور یا کسی غیر مشہور ایسے انسان کا نام ملتا ہے جسے عمر ابن خطاب نے کسی مقابلہ میں یا بدر واحد وخندق جیسے معرکوں میں قتل کیا ہو بلکہ اس کے برعکس تاریخ یہ ضرور بیان کرتی ہے کہ انھوں نے معرکۂ احد میں اور اسکے بعد

معرکہ حنین میں فرار اختیار کیا ہے، اور رسولؐ اکرم نے خیبر کو فتح کرنے کے لئے بھیجا تو شکست کھا کر واپس چلے آئے...... ان کی ہیبت اور ترشروئی کو دیکھ کر اکثر عورتوں کے حمل ساقط ہو جاتے تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان میں یہ خوف خدا اسوقت کیوں نہ پیدا ہوا جب تلوار لئے ہر اس آدمی کو قتل کی دھمکی دے رہے تھے جو پیغمبرؐ کے انتقال کا قائل ہو اور قسم کھا کر بیان کر رہے تھے کہ ان کا انتقال نہیں ہوا ہے بلکہ وہ حضرت موسیٰؑ کی طرح پروردگار سے مناجات کرنے گئے ہیں اور اگر کوئی ان کی موت کا نام بھی لے گا تو اس کا گلا کاٹ دیا جائیگا۔ (تاریخ طبری، تاریخ ابن اثیر)...... خوف خدا اس وقت کیوں نہیں پیدا ہوا جب بنت رسولؐ کے دروازہ پر یہ اعلان کر رہے تھے کہ اگر لوگ بیعت کے لئے باہر نہ آئے تو گھر میں آگ لگا دی جائیگی۔ (الامامتہ والسیاستہ) اور جب یہ کہا گیا کہ اس گھر میں دختر پیغمبر بھی ہیں تو صاف صاف کہہ دیا کہ کوئی بھی ہو۔ اور اسکے بعد کتاب خدا اور سنت رسولؐ کے خلاف جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے زمانۂ خلافت میں بے شمار ایسے فیصلے کردئے جو قرآن وسنت کے خلاف تھے۔

د: محترم! آپ نے ڈاکٹر تیجانی کی مندرجہ بالا تحریر پر کوئی اعتراض یا تبصرہ نہیں کیا۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ آپ اس سے متفق ہیں؟ بہر حال اگر ابھی نہیں تو انشاء اللہ جلد ہی حقائق و معارف کے انکشاف کے بعد آپ کا دل ضرور انھیں قبول کرنے پر مجبور ہوگا۔ آمین!

جنگ احد سے بھاگنے والے صحابہ یا منافق؟

ت: (۱) ارشاد رب العالمین ہے "محمد صرف اللہ کے رسول ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ کیا وہ مر جائیں یا قتل کردئے جائیں تو تم سب اپنے پرانے دین کی طرف پلٹ جاؤ گے تو جو بھی ایسا کریگا وہ خدا کو کوئی نقصان نہیں

پہونچا سکتا ہے۔ اور اللہ عنقریب شکر گذار بندوں کو جزا عنایت کرے گا۔ (آل عمران ۱۴۴)

(۲) اس آیت کریمہ میں وضاحت اور صراحت کے ساتھ اعلان کیا گیا ہے کہ ''بعض صحابہ عنقریب پرانے دین کی طرف پلٹ جائیں گے اور صرف چند افراد راہ حق پر ثابت قدم رہینگے جن کو شاکرین کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور شاکرین نگاہ قرآن میں بہر حال اقلیت میں ہیں۔'' سبا آیت ۱۳)

ر: (۱) یہ کس نے کہا کہ بعض صحابہ پرانے دین کی طرف پلٹ جائینگے۔ یہ تو اس شخص کو سمجھ لینا چاہئے کہ صحابہ کسے کہتے ہیں؟ لاکھوں لوگ رسول اللہؐ کے ہاتھوں مسلم ہوگئے اور ہزاروں نے جنگ میں حصہ لیا تو کیا اسلام میں لاکھوں لوگ صحابہ تھے؟ اس آیت کو اگر غور سے پڑھیں اور سمجھنے کی کوشش کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ جس جنگ کے وقت کا ذکر ہو رہا ہے اس جنگ میں منافقین بھی تھے، یہ ان کو خطاب ہو رہا ہے نہ کہ صحابہ کو پھر یہ شخص اسکی تفسیر سے کیوں جوڑ رہا ہے؟

(۲) یہاں پر سبحانہٗ تعالیٰ حضرت سلیمان یعنی آلِ داؤد کے دور حکومت کا نمونہ بیان کرتا ہے کہ وہاں کیسے انتظام ہوتا تھا کھانے اور نعمتوں کے لئے۔ اور جو بندہ اللہ کے نعمت عطا کرنے پر اللہ کا شکر نہ بجالائے تو وہ ناشکرہ ہوگا اور شکر کرنے والے کم ہیں۔ اس واقعہ کو اس کتاب کی بحث سے کیسے جوڑا ہے؟

د: محترم اس آیت کے ذیل میں تفسیر حکومت سعودیہ ص ۱۷۷ پر مندرجۂ ذیل عبارت ملاحظہ ہو...... ''جنگ احد میں شکست کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ رسول اللہؐ کے بارے میں کافروں نے یہ افواہ اڑادی کہ محمدؐ قتل کردئے گئے، مسلمانوں میں جب یہ خبر پھیلی تو اس سے بعض مسلمانوں کے حوصلے پست ہوگئے اور لڑائی سے پیچھے ہٹ گئے جس پر یہ آیت نازل ہوئی......'' یہ ''بعض مسلمان'' کون تھے ان کا تعارف بھی حاصل کریجئے۔ مولانا صلاح الدین یوسف

صاحب ماقبل کی آیت کے ذیل میں اسی صفحہ پر (۱۷۷) تحریر فرماتے ہیں "اشارہ ان صحابہؓ کی طرف ہے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے ایک احساس محرومی رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ میدان کارزار گرم ہو تو وہ کافروں کی سرکوبی کر کے جہاد کی فضیلت حاصل کریں۔ انہی صحابہؓ نے جنگ احد میں جوش جہاد سے کام لیتے ہوئے مدینہ سے باہر نکلنے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن جب مسلمانوں کی فتح، کافروں کے اچانک حملہ سے شکست میں تبدیل ہوگئی تو یہ پُر جوش مظاہرین بھی سراسیمگی کا شکار ہو گئے اور بعض نے راہ فرار اختیار کی۔ اور بہت تھوڑے لوگ ہی ثابت قدم رہے (فتح القدیر)"...... محترم رزاق بھائی! یہ تو آپ سمجھ ہی گئے ہونگے کہ اس آیت میں ان لوگوں سے خطاب ہے جو سرکار دو عالم کو جنگ احد میں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ جنگ سے فرار اختیار کرنے والے صحابہ ہیں یا منافقین، اسکے فیصلہ میں جلدی نہ کیجئے، پہلے یہ تو دیکھئے کہ بھاگنے والوں میں کون کون حضرات شامل ہیں۔ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں اور علامہ نیشاپوری تفسیر غرائب القرآن میں اور ازالۃ الخفا جلد ۱ ص ۱۶۸ میں بخاری نے ابن عمر اور حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ جنگ احد میں بھاگنے والوں میں سے جنھوں نے سبقت کی وہ ستر آدمی تھے ان میں حضرت ابوبکر و زبیر بھی تھے۔ تاریخ الخمیس جلد ۱ ص ۴۳۱ کی عبارت اسطرح ہے "قال ابوبکر انصرف الناس یوم احد من رسول اللہ صلعم فکنت اول من جاء" یعنی بروز احد جب لوگ رسول اللہؐ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تو پلٹ کر واپس آنے والوں میں پہلا میں تھا۔ حضرت عمر اپنے فرار کے سلسلہ میں خود فرماتے ہیں عن عمر قال لما احد هزمنا وفررت حتی سعدت الجبال (تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۱۲۰) یعنی حضرت عمر فرماتے ہیں کہ ہم بروز احد ہزیمت کے ساتھ (شکست کھا کر) بھاگے، یہانتک کہ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ پھر امام رازی تحریر فرماتے ہیں ومنهم

عثمان انهزم مع رجلين من الانصار ويقال لهما سعد وعقبة انهزموا حتى بلغوا موضعا بعيدا ثم ارجعوا بعد ثلاثة ايام۔ یعنی ان بھاگنے والوں میں عثمان بھی دو انصاریوں کے ساتھ تھے جنکے نام سعد اور عقبہ بتایا جاتا ہے، ہزیمت کے بعد بھاگ گئے اور بہت دور بھاگ گئے (موضع الموس میں پہونچکر دم لیا...... تاریخ کامل ابن اثیر) اور تین دن بعد واپس ہوئے۔ جنھیں دیکھتے ہی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے بھاگنے میں خوب لمبی تانی۔

اس سلسلہ میں میجر جنرل محمد اکبر خاں صاحب سابق سپہ سالار افواج پاکستان کی کتاب "Hazrat Ali an Amir" کے ص ٦ سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے، جس سے واضح ہو جائیگا کہ جنگ احد سے بھاگنے والے صحابہ تھے یا منافقین یا وہ منافقین جو صحابہ کی شکل میں تھے۔ ملاحظہ ہو:

He (Ali) held the banner of the Holy prophet aloft in the worst of cercumstances with wonderful faith, even when most of the prominent companions of the Holy Prophet had deserted him when there was the question of life and death for the faith and the faithful. یعنی جنگ احد کے بدترین حالات میں علیؑ نے حیرت انگیز یقین کامل کے ساتھ پیغمبر اسلامؐ کے علم کو اس وقت بھی بلند رکھا، جبکہ پیغمبر اسلامؐ کے مشہور و معروف صحابہ نے انھیں چھوڑ کر فرار اختیار کیا تھا، حالانکہ ایمان اور صاحبان ایمان ہر دو کے لئے زندگی اور موت کا سوال تھا"...... محترم! یہ

ہیں جنگ احد سے فرار اختیار کرنے والے حضرات اب آپ
انھیں صحابی کہئے یا منافق، آپ کو اختیار ہے۔

(۲) محترم رزاق بھائی! ڈاکٹر تیجانی نے پہلے آلِ عمران کی اُسی آیت نمبر ۱۴۴ کے آخری جز کو پیش کیا ہے، پھر نتیجہ کے طور پر سورہ سبا کی تیرہویں آیت کے آخری حصہ کو پیش کیا ہے کہ اللہ کے شکر گزار بندے اقلیت میں ہیں۔ سورہ آلِ عمران کی مذکورہ آیت کا آخری حصہ ہے: **ومن ینقلب علیٰ عقبیه فلن یضر الله شیئا و سیجزی الله الشاکرین** ☆ یعنی جو کوئی پھر جائے اپنی ایڑیوں پر (یعنی دین اسلام سے پلٹ جائے) تو ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑے گا، عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گذاروں کو نیک بدلہ دیگا۔

سعودی حکومت کے جاری کردہ قرآن کی تفسیر ملاحظہ ہو:

''(جنگ احد میں) ثابت قدم رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ نیک بدلہ دیگا، جنھوں نے صبر و استقامت کا مظاہرہ کر کے اللہ کی نعمتوں کا عملی شکر ادا کیا۔'' اسکے بعد کی آیت ۱۴۵ کی تفسیر بھی ملاحظہ ہو'' یہ کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ کرنے والوں کے حوصلوں میں اضافہ کرنے کے لئے کہا جارہا ہے کہ موت تو اپنے وقت پر آکر رہیگی، پھر بھاگنے یا بزدلی دکھانے کا کیا فائدہ؟ اسی طرح محض دنیا طلب کرنے سے دنیا تو مل جاتی ہے لیکن آخرت میں کچھ نہیں ملیگا، اس کے برعکس آخرت کے طالبوں کو آخرت میں اخروی نعمتیں تو ملیں گی ہی، دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ انھیں عطا فرماتا ہے''...... کاش یہ باتیں ان صحابہ کبار کی سمجھ میں آگئی ہوتیں جنھوں نے دنیا سے اسطرح لو لگائی کہ آخرت کو بھول گئے، اور حکم خدا و نبیؐ کے باوجود جنگ سے فرار اختیار کیا۔

محترم! جنگ سے فرار اختیار کرنے والوں سے متعارف ہونے کے بعد اب ذرا اسی تسلسل میں آیت ۱۶۵، ۱۶۶ بھی ملاحظہ فرمالیں جس میں اللہ تعالیٰ نے

مومن اور منافق کے درمیان امتیاز واضح کر دیا ہے۔ ارشاد رب العزت ہے: وما اصابکم یوم التقی الجمعٰن فباذن الله ولیعلم المومنین ☆ ولیعلم الذین نافقوا...... یعنی تمہیں (احد کے) دن، جبکہ دو جماعتوں کے درمیان مڈبھیڑ ہوئی تھی، جو مصیبتیں پہونچیں وہ خدا کے اذن سے تھیں تاکہ مومنوں اور منافقوں میں امتیاز پیدا ہو جائے۔ تفسیر سعودی میں ہے کہ ''اس کا ایک مقصد مومنین اور منافقین کو ایک دوسرے سے الگ اور ممتاز کرنا بھی تھا''...... یعنی جو جاں نثار ثابت قدم رہے وہ مومن تھے اور میدان جنگ سے فرار اختیار کرنے والے منافق تھے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہاں ''شکر گذار بندوں'' سے مراد جنگ احد میں ثابت قدم رہنے والے جاں نثارانِ رسولؐ ہیں جنکی تعداد بہت مختصر تھی۔ سورۂ سبا کے حوالے سے جو ڈاکٹر تیجانی نے لکھا ہے کہ ''شاکرین نگاہ قرآن میں بہر حال اقلیت میں ہیں'' غلط نہیں ہے۔ یہ حقیقت صرف جناب داؤدؑ کے زمانے سے متعلق نہیں ہے بلکہ اس دور کے حوالہ سے ایک عام بات کہی گئی ہے جسکا تعلق ہر زمانے سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے شکر گذار بندے اقلیت میں ہیں، اس حقیقت کو قرآن مجید میں مختلف مقامات پر پیش کیا ہے۔ مثلاً ولقد مکنکم فی الارض وجعلنا لکم فیها معایش قلیلا ماتشکرون ☆ یعنی ہم نے تمہیں زمین پر بسایا اور اسمیں تمہارے لئے اسباب زندگی مہیا کیا (مگر) تم میں شکر ادا کرنے والے بہت کم ہیں۔ (سورہ اعراف آیت ۱۰) پھر اسی سورہ کی ستر ہویں آیت میں شیطان اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے کہ تیرے بندوں کو آگے سے پیچھے سے داہنے سے بائیں سے بہکاؤں گا، تو ان میں سے اکثریت کو اپنا شکر گذار نہیں پائیگا۔ اسی طرح سورہ سجدہ کی نویں آیت اعلان کر رہی ہے ''تم میں اللہ کے شکر گذار بندے اقلیت میں ہیں، سورہ یوسف آیت ۳۸ اور سورہ مومن آیت ۶۱ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ولکن اکثر الناس لا یشکرون لیکن اکثریت ان

وافکار یکساں نہیں ہوسکتے تو بھلا آپ خود ہی غور فرمائیں کہ "تمام عربوں کے عادات واطوار وافکار" میں یک رنگی کیسے پائی جاسکتی ہے؟ آپ نے اپنے دعویٰ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "عرب ایک منصفانہ قوم ہے جو عدل وانصاف پر عمل کرتی ہے ان میں تعصب نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ کشادہ خیال کے لوگ ہیں، پست خیالی یا بدمزاجی انکی نسل میں نہیں ہے، بڑے فراخ دل ہیں، دشمنوں تک کو معاف کردیتے ہیں، سخی مزاج ہیں۔ ایسے ہی کئی خوبیاں ہیں جنکو بیان کرنے میں کئی صفحوں کی کتاب مکمل ہوسکتی ہے۔"
بیشک عرب قوم میں بہت سی خوبیاں ہیں لیکن محترم! ایسا نہیں ہے کہ تمام عرب انصاف پسند ہیں حضور اکرمؐ کو میدان جنگ میں تنہا چھوڑ کر فرار اختیار کرنا، صلح حدیبیہ کے موقع پر نبوت میں شک کرنا، حضور صلعم پر ہذیان کا الزام رکھنا، بی بی فاطمہؑ کو ان کے حق سے محروم کرنا، مالک ابن نویرہ صحابی رسولؐ کو بے گناہ قتل کرنا، انکی بیوی سے زنا کا ارتکاب، حضرت ابوذر غفاریؓ جیسے عظیم صحابی رسولؐ کو مدینہ بدر کرنا، احکام خدا اور رسولؐ میں رد وبدل کرنا، نبیؐ کے نواسے کو تین دن کا بھوکا پیاسا رکھ کر شہید کرنا، چھ ماہ کے معصوم بچہ کی سوکھی ہوئی زبان اور نیلا ہونٹ دیکھ کر پانی دینے کے بجائے تین پھل کے تیر سے پیاس بجھانا، نبیؐ کی نواسیوں کو بے جرم وخطا قید وبند میں رکھکر اذیتیں دینا، مدینہ کو تاراج کرنا، مسجد النبیؐ میں گھوڑے اور گدھے باندھنا، مدینہ کی بن بیاہی ـــــ کئی ہزار عرب لڑکیوں کے یہاں ناجائز بچوں کی پیدائش، کم وبیش ۹۰ سال تک ایک مسلّم خلیفہ رسولؐ پر ۷۰ ہزار منبروں سے سب وشتم کا جاری رہنا وغیرہ ـــــ وغیرہ ـــــ کیا یہی عرب قوم کے ہاتھوں عدل وانصاف کی مثالیں ہیں؟ یہ ظلم وبربریت کی ایسی مثالیں ہیں جنکی نظیر تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی؟ محترم! پوری قوم کو "منصفانہ قوم" سے یاد نہ کیجئے، بلکہ اگر فخر ومباہات کرنا ہے تو اس پر فخر کیجئے کہ عرب میں بڑے بڑے انبیاء کا ورود ہوا، مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ اللعالمین بن کر عرب میں تشریف لائے، امیر المومنین

لوگوں کی ہے جو اللہ کے شکر گذار نہیں ہیں۔ سورہ فرقان آیت ۵۰ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اکثریت ان لوگوں کی ہے جو ناشکرے ہیں۔ یہ چند آیتیں صرف اس لئے پیش کی ہیں کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ ہر دور اور ہر زمانے میں اکثریت اللہ کے ناشکرے بندوں کی رہی ہے اور شکر گذار بندے ہمیشہ اقلیت میں تھے اور آج بھی اقلیت میں ہیں۔ اسی لئے ہمیں اپنی حق شناس اقلیت پر ناز ہے۔ الحمد لله الذی عرفنی نفسی ولم یترکنی اعمی القلب، الحمدلله الذی جعلنی فی امة محمد ومن شیعة علیؑ ابن ابی طالب ولم یجعلنی من سائر الامم ☆

ت: ارشاد رب العزت ہے ''ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب راہ خدا میں جہاد کے لئے نکلنے کو کہا جاتا ہے تو زمین سے چپک جاتے ہو، کیا تم آخرت کے بجائے زندگانی دنیا سے خوش ہو گئے ہو، تو یاد رکھو کہ آخرت میں متاع دنیا بہت کم ہے۔ اگر تم گھر سے نہ نکلو گے تو اللہ تم پر دردناک عذاب کرے گا اور تمہارے بدلے دوسری قوم کو لے آئیگا اور تم اسے کچھ نقصان نہیں پہونچا سکتے ہو کہ اللہ ہر شئے پر قادر ہے (توبہ ۳۸، ۳۹)

آیت کریمہ اس مطلب میں صریح ہے کہ صحابہ نے جہاد راہ خدا میں سستی سے کام لیا ہے اور زندگانی دنیا کی طرف میلان کا اظہار کیا ہے جبکہ انھیں معلوم تھا کہ سرمایۂ دنیا بہت قلیل ہے......''

ر: جیسا کہ میں اس سے پہلے لکھ چکا ہوں کہ جنگ میں بہت سے لوگ شامل تھے مگر سب کے سب صحابہ نہیں مانے جاتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ منافقین اور عام مسلمانوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ پھر یہ مصنف نے اسے صحابہ سے کیسے جوڑ دیا۔ کیا اُن کے پاس علم غیب ہے؟

د: محترم اس آیت میں نہ منافقین سے خطاب ہو رہا ہے نہ عام مسلمانوں سے بلکہ

سبھی صاحبانِ ایمان سے عام خطاب ہے۔ جس میں مومن اور منافق دونوں شامل ہیں اب مسئلہ صرف صحابہ کا رہ جاتا ہے تو جنھیں صحابہ کہا جاتا ہے اُن کا شمار بھی صاحبان ایمان میں ہی ہوتا ہے، اسلئے انھیں اس حکم سے علٰحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ واقعہ جنگ تبوک کا ہے۔ اس کی تفصیل پڑھئے گا تو حقیقت واضح ہو جائیگی۔

دین اسلام میں تفرقہ کس نے پیدا کیا؟

ت: ہم اگر چاہیں کہ ان تمام آیات کا ذکر کریں کہ جن میں اس امر کی تاکید پائی جاتی ہے اور جو وضاحت کے ساتھ اس تقسیم صحابہ کی تائید کرتی ہیں جس کے شیعہ حضرات قائل ہیں تو ایک مکمل کتاب تیار ہو سکتی ہے اور قرآن مجید میں نہایت مختصر الفاظ میں اس حقیقت کی یوں نشاندہی کر دی ہے کہ "تم میں سے ایک قوم کو ہونا چاہئے جو خیر کی دعوت دے، نیکیوں کا امر کرے اور برائیوں سے نہی کرے اور یہی لوگ کامیاب ہوں گے۔ اور خبردار! ان افراد جیسے نہ ہو جانا جنھوں نے تفرقہ پیدا کیا اور واضح نشانیوں کے آجانے کے بعد بھی اختلاف کیا کہ ان کے لئے عذاب عظیم ہے جس دن کچھ چہرے روشن ہونگے اور کچھ سیاہ فام، جو چہرے سیاہ فام ہونگے ان سے کہا جائیگا کہ تم نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا ہے لہٰذا اپنے کفر کا عذاب برداشت کرو اور جن کے چہرے سفید اور روشن ہونگے وہ اللہ کی رحمت میں رہیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ رہینگے (آل عمران ۱۰۔۱۰۵۔۱۰۶)

ر: تفرقہ کس نے پیدا کیا؟ اس پر کافی لمبی بحث ہو سکتی ہے۔ رسول کی رسالت کو تمام عرب کے قبائل اور آبادی نے قبول کر کے ثابت کر دیا۔ یعنی انکی بھاری تعداد نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ رسول برحق ہیں۔ اس کو ہم دیکھیں کہ کس فرقہ کے لوگ یعنی کتنی تعداد میں لوگ کس کو صحیح مانتے ہیں؟

د: تفرقہ کس نے پیدا کیا؟ یقیناً اس پر لمبی بحث ہو سکتی ہے۔ لیکن میری نظر میں اگر

بحث برائے بحث کیجائے تو فضول ہے۔ ہاں اگر خلوص نیت، خوف خدا اور خشیت الٰہی دل میں ہو تو مندرجہ ذیل حقائق پر غور وفکر کرنے سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ تفرقہ کس نے پیدا کیا۔ یہ ملحوظ خاطر رہے کہ اسلام شہنشاہی، ملک گیری، ظلم و جور اور دنیا پرستی کا نام نہیں ہے بلکہ فلاح دنیا و آخرت، نجات اخروی اور مرسل اعظمؐ کے دیئے ہوئے پیغام کا نام اسلام ہے۔ اس معیار کو پیش نظر رکھتے ہوئے مندرجۂ ذیل باتوں پر غور کیجئے تو یقیناً آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ دین اسلام میں تفرقہ کس نے پیدا کیا:

(۱) جہاد کے میدان میں جو لوگ رسول اسلامؐ کو دشمنوں میں گھرا چھوڑ کر، شیطان کے بہکانے میں پیش پیش رہے۔ یعنی جنھیں نہ خدا پر یقین ہو اور نہ اسکے رسولؐ پر ان کے ایمان کی کمزوری تفرقہ کا سبب بنی۔

(۲) جس نے صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرتؐ کی نبوت پر شک کیا اور وقت آخر آنحضرتؐ پر "ہذیان" کا بہتان رکھ کر نبیؐ کی حقانیت پر حرف رکھنے کی کوشش کی...... وہ دین میں تفرقہ کا ذمہ دار ہے۔

(۳) جس نے نبی رحمتؐ کی آخری فہمائش، جس میں قیامت تک گمراہی سے بچنے کا یقین دلایا گیا تھا، اسے ٹھکرا دیا۔ سچ پوچھئے تو دین میں تفرقہ کا سب سے بڑا ذمہ دار وہی ہے، اے کاش! وہ نوشتہ لکھ گیا ہوتا تو آج اسلام میں اتنے فرقے نہ ہوتے۔

(۴) جس کو ایک طرف تو تیمّم کی آیت نہ یاد رہ سکی، مسئلہ کلالہ سمجھ میں نہ آسکا اور تا زندگی سورہ بقر نہ یاد ہو سکا اور دوسری طرف رسولؐ کی فہمائش کے جواب میں حسبنا کتاب اللہ (ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے) کہنے کی جسارت کی...... وہ تفرقہ کا ذمہ دار ہے۔

(۵) جن صحابہ نے غدیر خُم کے میدان میں نبی رحمتؐ سے من کنت مولاہ فھذا

علی مولاہ (یعنی میں جس کا مولا ہوں ان سب کے مولیٰ علیؑ ہیں) سنا، اس کا اقرار کیا، مولیٰ علیؑ کو مبارکباد دی اور پھر وفات پیغمبرؐ کے بعد اس حدیث کو فراموش کر دیا...... وہ لوگ تفرقہ کے ذمہ دار ہیں۔

(۶) محسن اعظم پیغمبر اکرمؐ کے وصال کے بعد جو لوگ انھیں بھول گئے اور بے وفائی نیز محسن کشی کی انتہا یہ کر دی کہ آپؐ کی تجہیز و تکفین و تدفین میں بھی شریک نہ ہوئے اور حکومت سازی کے جوڑ توڑ میں لگ گئے...... وہ لوگ دین میں تفرقہ کے ذمہ دار ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر مولانا سید بدرالحسن عابدی بدرؔ فیض آبادی نے اس حقیقت کو ایک بہت ہی خوبصورت شعر میں نظم کیا ہے، فرماتے ہیں ۔

ذوقِ وفا یہی ہے تو ایسی وفا پہ خاک
میت پڑی ہے شمع کی پروانے اُڑ گئے

مشہور و معروف (سنی) صوفی شاعر مولانا جلال الدین رومیؔ جو مولانا روم کے لقب سے مشہور ہیں، اسی منظر کو اس طرح پیش فرماتے ہیں ۔

اہل دنیا کار دنیا ساختند
مصطفیٰؐ را بے کفن انداختند

(۷) محترم! تفرقہ کی ذمہ داری اس کے سر ہے جو بعد پیغمبرؐ دو کردار پیش کرتا ہوا نظر آئے۔ ایک طرف انتقال کی خبر سن کر محبت رسولؐ میں دیوانہ ہو کر تلوار لیکر نکل پڑے اور مدینہ کی گلیوں میں اعلان کرے کہ نبیؐ کا انتقال نہیں ہوا ہے۔ اگر کوئی موت کا نام لیگا تو وہ قتل کر دیا جائیگا، گویا مدینہ میں کرفیو آرڈر لگ گیا۔ تمام صاحب عزت صحابی (چند جیالے صحابیوں کو چھوڑ کر) خوف و ہراس سے گھر میں چھپ گئے۔ پھر چند لمحوں کے بعد اسی شخص کا دوسرا کردار سامنے آتا ہے کہ اب نہ رسولؐ کی محبت میں آنکھوں میں آنسو ہیں، نہ کسی رنج و غم کا اظہار ہے، نہ تجہیز و تکفین کی فکر ہے، نہ تعزیت ادا کرنے کے لئے نبیؐ کے گھر کا رخ ہے...... بلکہ اب چند (مخصوص)

ساتھی ہیں اور سقیفۂ بنی ساعدہ کا رخ ہے اور وہاں دنیوی اقتدار کی ہوس رکھنے والے مسلمانوں کے درمیان...... مِنَّا...... مِنَّا کا شور اور ''ہو گیا'' ''ہو گیا'' کا جبریہ اعلان ہے۔

(۸) محترم! تفرقہ اس نے پیدا کیا جس نے نہ صرف دھمکی دی بلکہ خانۂ زہراؑ میں آگ لگا دی اُن کے پہلوئے مبارک پر دروازہ گرایا جو (بطن مادر میں) جناب محسنؑ کی شہادت کا سبب بنا اور پھر پہلوئے مبارک کا یہی زخم خود بنت رسولؐ کی شہادت کا سبب بن گیا۔

(۹) دین میں تفرقہ کا ذمہ دار وہ ہے جس نے اسوۂ حسنہ کو چھوڑ کر اللہ کے منتخب ''صدیقین مباہلہ'' کو باغ فدک کے مسئلہ میں بھرے دربار خلافت میں جھوٹا قرار دیا، جس نے مالک ابن نویزہ (صحابی رسولؐ) کو قتل کروایا، جس نے ایک زانی کو ''سیف اللہ'' کا خطاب دیا اور جس نے نفس رسولؐ، زوج بتولؑ، فاتح احد و بدر، خیبر و خندق، محافظ پیغمبرؐ، مولائے غدیر سے بہ جبر بیعت لینے کی کوشش کی۔

(۱۰) محترم! دین میں تفرقہ کا ذمہ دار وہ بھی ہے جس نے سیرت نبیؐ کو پس پشت ڈال کر اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عطیئے دیئے، جاگیریں دیں، منافقین کو حکومت و خلافت میں شریک کیا، حریر و دیبا کے لباس پہنے اور پہنائے، طرید رسولؐ کو اپنا مشیر خاص بنایا، ایک عظیم صحابیٔ رسولؐ حضرت ابوذر غفاریؓ کو ربذہ کے بے آب وگیاہ جنگل میں بھجوا دیا جہاں کسمپرسی کے عالم میں انکی موت واقع ہوئی...... تفرقہ کا ذمہ دار وہ ہے جسنے اسلام کے روحانی تقدس کو مٹا کر ملوکیت کی بنیاد رکھی۔

محترم! رزاق بھائی! یہ تلخ حقائق ہیں جن پر سنجیدگی سے غور وفکر کی ضرورت ہے۔ کاش مندرجہ بالا واقعات نہ پیش آئے ہوتے تو آج پرچم اسلام عزت و آبرو اور امن و آشتی کا پیغامبر بن کر پوری دنیا میں لہرا رہا ہوتا اور دنیا ادب

واحترام کے ساتھ اسے قبولیت کا شرف بخشتی ۔ اسلام تلوار کا مذہب نہ کہا جاتا بلکہ کردار کے لئے اسکی شہرت ہوتی اسمیں طالبان ،لشکر طیبہ، انجمن سپاہ صحابہ (ASS) جیسی دہشت گرد تنظیمیں نہ پیدا ہوتیں اور نہ اسلام کے دامن پر دہشت گردی کا دھبہ لگتا۔ سنی ہوتے ، نہ شیعہ ، وہابی ہوتے نہ صوفی ، دیوبندی ہوتے نہ بریلوی...... بلکہ ایک اسلام ہوتا اور سبھی چھوٹے بڑے اسکے سچے پیرو ہوتے۔

کیا کثرتِ تعداد دلیل حقانیت ہے؟

محترم رزاق بھائی! آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ رسولؐ کی رسالت کو تمام عرب قبائل اور آبادی نے بھاری تعداد میں قبول کر کے ثابت کر دیا کہ رسولؐ برحق ہیں۔ آپ نے پھر کثرتِ تعداد کو حق پر ہونے کی کسوٹی قرار دیا ہے۔ محترم صرف آپ ہی نہیں بلکہ اکثر برادران اہل سنت کو ان کے علماء نے ایک بڑی غلط فہمی میں مبتلا کر رکھا ہے کہ ان کا کثرت تعداد میں ہونا ان کے حق پر ہونے کی دلیل ہے۔ آپ نے کیا رسولؐ کی رسالت کو برحق اس لئے تسلیم کیا ہے کہ قبائل عرب کی اکثریت نے انھیں رسول مان لیا تھا؟ یعنی اگر عرب کے تمام قبائل اور آبادیاں سرکار رسالتؐ کا کلمہ نہ پڑھتے تو گویا آپ کی نظر میں آنخضرتؐ کی رسالت ثابت شدہ نہ رہ پاتی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اللہ کا رسولؐ ہر حال میں نبیؐ برحق ہے چاہے اُسے چند لوگ تسلیم کریں یا پوری دنیا تسلیم کرلے۔ اگر آپ کثرت تعداد کا جائزہ لیں گے تو اکثر وبیشتر اکثریت باطل کے ساتھ نظر آئے گی۔ نمرود، ہامان، شداد، فرعون اور یزید ان سب کے ساتھ آپ کو اکثریت ملے گی جبکہ نمائندگان الٰہی...... حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور امام حسینؑ علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھیوں کی تعداد بہت مختصر نظر آئے گی تو کیا (العیاذ باللہ) یہ حق پر نہیں تھے؟ یہ تو تاریخ کی بات ہے اب آیئے ذرا چمنستان قرآن کی سیر کی

جائے اور دیکھیں کہ جہل و کذب و کفر و نفاق اور ظلم کی جھاڑیوں میں پناہ لینے والی فوجیں ''اکثریت'' کی ہیں یا ''اقلیت'' کی اور دوسری طرف ''اقلیت'' کا بھی جائزہ لیا جائے کہ وہ کون لوگ ہیں جنھیں قرآن اقلیت کا درجہ دے رہا ہے۔

اکثریت قرآن حکیم کی نظر میں

۱۔اکثریت ناشکروں کی ہے: تفصیل پہلے ہی درج کی جا چکی ہے۔ملاحظہ فرمالیں۔سورہ اعراف ۱۰ و ۱۷، سجدہ ۹، یوسف ۳۸، مومن ۶۱، فرقان ۵۰۔

۲۔اکثریت بدکاروں (فاسقین) کی ہے: ہر دور اور ہر زمانے میں انبیاء کرامؑ کے ساتھ اکثریت فاسقین کی رہی ہے اور آج بھی فاسقین کی کثرت ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے۔سورہ مائدہ آیت ۵۹، سورہ حدید ۱۶، ۲۶ و ۲۷، سورہ توبہ ۸، سورہ آل عمران ۱۱۰۔

۳۔اکثریت لاعلم (یعنی جاہلوں) کی ہے: قرآن مجید میں مختلف مواقع پر بار بار انسانی اذہان کو ٹھوکا دیا گیا ہے ولکن اکثر الناس لایعلمون ☆ یعنی اکثریت انکی ہے جو علم نہیں رکھتے ہیں، تفصیل کے لئے دیکھئے سورہ اعراف ۱۸۷، یوسف ۲۱ (اللہ اپنے ارادے پر غالب ہے لیکن اکثریت اس سے ناواقف ہے) یوسف ۴۰ و ۶۸، نحل ۳۸، ۷۵ و ۱۰۱۔نمل ۶۱ و ۷۳۔ قصص ۵۷۔روم ۶ و ۳۰۔مومن ۵۷۔طور ۴۷۔یونس ۵۵۔لقمٰن ۲۵۔زمر ۲۹۔دخان ۳۸ و ۳۹ (ہم نے آسمان و زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیل کے طور پر نہیں پیدا کیا بلکہ ہم نے انھیں درست تدبیر کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے، لیکن اکثریت اس سے لاعلم ہے) انعام ۱۱۱ (اکثریت جاہلوں کی ہے)۔

۴۔ **مومنین اکثریت میں نہیں ہیں:** قرآن مجید میں کہیں یہ اعلان کیا گیا ہے وماکان اکثرھم مومنین (انکی اکثریت مومن نہیں تھی) اور کہیں یہ بتایا گیا ہے ولکن اکثرالناس لایومنون (مگر اکثریت ان لوگوں کی ہے جو صاحب ایمان نہیں تھے) تفصیل کے لئے دیکھئے سورہ مومن ۵۹۔ شعراء ۱۳۹، ۱۵۸، ۱۷۴، ۱۹۰۔

۵۔ **جن وانس کی اکثریت جہنمی ہے:** سورۂ سجدہ آیت ۱۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہورہا ہے لاملئن جھنم من الجنة والناس اجمعین یعنی میں ضرور جہنم کو جنوں اور انسانوں کی اکثریت سے بھر دونگا۔

۶۔ **اکثریت انکی ہے جو حق سے چڑھتے ہیں:** ولقد جئناکم بالحق ولٰکن اکثرکم للحق کارھون (زخزف ۷۸) یعنی (حضور اکرمؐ فرماتے ہیں) ہم تمہارے پاس حق لیکر آئے لیکن تم میں اکثریت انکی ہے جو حق سے چڑھتی ہے۔ ویسے تو یہاں حق سے مراد اسلام، قرآن اور انکے محافظ ہیں لیکن آنحضرتؐ نے حق تک رسائی کے لئے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا اُسے بھی ملاحظہ فرمالیں تو ''حق'' سے چڑھنے والی اکثریت خود بخود نگاہوں میں آجائیگی علامہ حافظ ابن مردویہ، خوارزمی نیز دیگر محدثین نے مختلف راویان کرام مثلاً ابوذر غفاریؓ، ام المومنین حضرت عائشہ اور عبدالرحمٰن ابن سعید سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ حق کے ساتھ۔ یہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے اور حق علیؑ کے پیچھے چلتا ہے جدھر بھی وہ جائیں (ملاحظہ ہو جامع ترمذی ص ۴۶۰، ریاض النضرہ جلد ۱ ص ۲۸، کنزلعمال ص ۳۰ و ۶۲

وازالۃ الخفا ۲۷۹ وغیرہ)

۷۔ اے رسولؐ اکثریت کا اتباع نہ کیجئے:

''(اے میرے حبیبؐ) اگر آپ روئے زمین کی اکثریت کا اتباع کرلیں گے تو یہ راہ خدا سے بہکا دیں گے۔ یہ صرف گمان کا اتباع کرتے ہیں اور صرف اندازوں سے کام لیتے ہیں'' (سورہ انعام ۱۱۶) اس آیت کے ذیل میں مجھے کچھ نہیں کہنا ہے بلکہ مولانا صلاح الدین یوسف کی (سعودی) تفسیر سے یہ بات واضح ہوجائیگی کہ اہل حق تعداد کے لحاظ سے اقلیت میں ہیں اور اکثریت اہل باطل کی ہے۔ یہاں اتنی عرضداشت ضرور ہے کہ ذرا اس پر بھی غور وفکر کی ضرورت ہے کہ ائمہ اربعہ کے مذہب کی بنیاد ''قیاس اورظن'' پر تو نہیں ہے، مذہب شیعہ تو بحمد اللہ کم وبیش ڈھائی سو سال تک براہ راست معصوم ائمہ طاہرینؑ کے زیر نگرانی پروان چڑھا ہے، جہاں صرف یقین ہی یقین تھا اسی لئے بارہ امام ہونے کے باوجود اس مذہب کے اصول وفروع میں کہیں کوئی تضاد نہیں ہے، مولانا یوسف کی تفسیر ملاحظہ ہو ''قرآن کی اس بیان کردہ حقیقت کا بھی، واقع کے طور پر ہر دور میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وما اکثر الناس ولو حرصت بمومنین'' (سورۂ یوسف ۱۰۳) ''آپ کی خواہش کے باوجود اکثر لوگ ایمان والے (یعنی مومن) نہیں ہیں'' اس سے معلوم ہوا کہ حق وصداقت کے راستے پر چلنے والے لوگ ہمیشہ تھوڑے ہی ہوتے ہیں جس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ حق وباطل کا معیار، دلائل وبراہین ہیں، لوگوں کی اکثریت واقلیت نہیں، یعنی ایسا نہیں ہے کہ جس بات کو اکثریت نے اختیار کیا ہوا ہو، وہ حق ہو اور اقلیت میں رہنے والے باطل پر ہوں۔ بلکہ مذکورہ حقیقتِ قرآنی کی رو سے یہ زیادہ ممکن ہے کہ اہل حق تعداد کے لحاظ سے اقلیت میں ہوں اور اہل باطل اکثریت میں، جسکی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں نبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری

امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائیگی، جن میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا......الیٰ آخر"

محترم رزاق بھائی! ومحترم قارئین! مندرجہ بالا عبارت کو بار بار پڑھئے اور دلائل و براہین کی روشنی میں حق کو پرکھئے اور اسے قبول کیجئے اسی میں فلاح اور نجات ہے۔

اقلیت قرآن حکیم کی نظر میں

۱۔ اللہ کے شکرگذار بندے اقلیت میں ہیں: قلیل من عبادی الشکور ☆ (سبا ۱۳) قلیلا ماتشکرون ☆ (مومنون ۷۸) ولا تجد اکثرھم شاکرین (اعراف ۱۷)......ان آیتوں کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے شکرگذار بندے بہت کم یعنی اقلیت میں ہیں۔

۲۔ مومن اقلیت میں ہیں: (قوم نوح میں) بہت تھوڑے سے لوگ تھے جو ایمان لائے (سورہ ہود ۴۰) شیطان نے اہل سبا کے لئے جو گمان قائم کیا تھا اسے سچ کردکھایا اور سب اس کا اتباع کرنے لگے مگر ایمان قبول کرنے والوں میں سے صرف ایک فرقہ شیطان کا تابع نہیں بنا (سورہ سبا ۲۰)......اپنی امت کے لئے آنحضرتؐ نے فرمایا کلھم فی النار الا واحدہ۔ (ابوداؤد باب شرح السنۃ نمبر ۴۵۹۶، ترمذی کتاب الایمان حدیث ۲۶۳)

۳۔ شیطان کا تسلط اقلیت پر نہیں ہوگا: لاغوینھم اجمعین الا عبادك منھم المخلصین (سورہ حجر آیت ۳۹ و ۴۰، سورہ ص ۸۲ تا ۸۵) شیطان رجیم اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے کہ میں سب کو (یعنی اکثریت کو) بہکاؤں گا

مشکلکشاء دو عالم، ساقی کوثر نے اسی عرب کو زینت بخشی، خاتون جناں سیدۃ النساء العالمین اور جنت کے جوانوں کے سردار اسی عرب میں پیدا ہوئے خدا کی عظمت کا عرفان عطا کرنے والے علم وحکمت کے بارہ معصوم چراغ اسی عرب میں روشن ہوئے ......لیکن یہ نہ بھولئے کہ اگر ایک طرف عدل وانصاف کے یہ روشن منارے ہیں تو دوسری طرف اسی عرب میں ظلم وعدوان کی بھیانک تاریکی بھی ہے۔

عرب قوم کی تعریف میں آپ نے لکھا ہے کہ ''انمیں تعصب نام کی کوئی چیز نہیں ہے___ اگر غلطی سے بھی کوئی شیعہ ہماری مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ وہ شیعہ ہیں ہم پھر بھی اسکو کچھ محسوس ہونے نہیں دیتے، اگر میں آپ کے ساتھ یہاں شیعہ مسجد میں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھوں یا انھیں معلوم ہو جائے کہ میں سنی ہوں تو پھر دیکھئے وہ کیا کہتے ہیں۔ اگر مجھے سلامت جانے دیں تو___! اب آپ ایران کی مثال لے لیجئے، وہاں کے تہران شہر اور کئی شہروں میں جہاں شیعہ کی آبادی زیادہ ہے وہاں پر سنیوں کو مسجد بنانے کی اجازت نہیں ملتی اور نہ ہی سنی ان کی مسجد میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔''

محترم! شیعہ سنی مساجد کے بارے میں آپ نے جو تحریر فرمایا ہے میرا خیال ہے کہ یہ حالات وواقعات آپ نے چشم دید تحریر نہیں فرمائے ہیں، بلکہ سُنی سنائی باتیں ہیں یا قیاس پر مبنی ہیں، مسجد خدا کا گھر ہے کوئی کم علم شیعہ بھی کبھی کسی برادر اہلسنت کو مسجد میں نماز پڑھنے سے نہیں روک سکتا ہے۔ آپ بمبئی میں عرصہ تک مقیم رہے ہیں، آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ لکھنؤ مین سُنّی اور شیعہ فرقوں کے درمیان ''جلوس مدح صحابہ'' کو لیکر عرصہ دراز سے تناؤ رہتا ہے، کبھی کبھی کرفیو لگنے کی بھی نوبت آجاتی ہے___ مگر یہاں کی اکثر شیعہ مساجد میں برادران اہلسنت بغیر کسی تکلف کے نماز ادا کرتے ہیں، آج کل میرا گھر تعمیر ہو رہا ہے کاریگر اور مزدور سُنی بھائی ہیں وہ برابر نماز ادا کرنے ''حیدری مسجد'' میں

سوائے اس اقلیت کے جو تیرے مخلص بندے ہونگے۔ اللہ کے یہ مخلص بندے حق سے اسطرح وابستہ ہوں گے کہ ان پر میرا حربہ نہیں چل سکے گا۔ اسی طرح سورہ بنی اسرائیل آیت ۶۲ میں بھی شیطان کھلم کھلا پروردگار عالم سے کہہ رہا ہے کہ اگر تو نے مجھے قیامت تک ڈھیل دے دی تو میں آدم کی اولاد کی بجز تھوڑے لوگوں کے، جڑیں کاٹتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس اعلان کے ساتھ اُسے پوری چھوٹ دیدی کہ "قسم ہے زمانے کی، انسان گھاٹے میں ہیں سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دئے اور جو حق اور صبر کی تلقین کرتے ہیں۔"

۴۔ نصیحت لینے والے بہت کم ہیں: حکم پروردگار ہو رہا ہے کہ "تم لوگ بس ان کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئے ہیں اور انھیں چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں کا اتباع مت کرو۔ تم میں سے بہت کم لوگ نصیحت پکڑنے والے ہیں" (اعراف ۳) اسی طرح سورہ نمل آیت ۶۲ میں بھی ارشاد پروردگار عالم ہو رہا ہے قلیلا ماتذکرون بہت کم لوگ ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

محترم رزاق بھائی! میں سمجھتا ہوں کہ قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیتوں پر غور و فکر کے بعد کوئی سمجھدار مسلمان (خواہ سُنی ہو یا شیعہ) کبھی کثرتِ تعداد کو معیار حق تسلیم نہیں کریگا۔ یقیناً اب آپ بھی مطمئن ہو چکے ہونگے کہ حق کثرتِ تعداد میں نہیں بلکہ عقیدہ و عمل کے درست ہونے میں ہے، جو کہ بالعموم "اقلیت" میں پایا جاتا ہے۔ بھیڑ کی چال چل کر کنوئیں میں گر جانا اسلام نہیں ہے بلکہ خدا کی دی ہوئی عقل سلیم استعمال کر کے "حق کے راستہ" پر چلنے کا نام اسلام ہے۔ مگر کیا کیجئے گا اکثریت کی نظر میں الحق مر (حق کڑوا ہوتا ہے) اور انجام پر نگاہ رکھنے والوں کے نزدیک الحق احلیٰ من العسل (حق شہد سے بھی زیادہ شیریں ہے...... قول

ت: ارشاد حضرت احدیت ہے ''ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب راہ خدا میں جہاد کے لئے نکلنے کو کہا جاتا ہے تو زمین سے چپک جاتے ہو کیا تم آخرت کے بجائے زندگانی دنیا سے خوش ہو گئے ہو تو یاد رکھو کہ آخرت میں متاع دنیا بہت کم ہے۔ اگر تم گھر سے نہ نکلو گے تو اللہ تم پر دردناک عذاب کرے گا اور تمہارے بدلے دوسری قوم کو لے آئیگا۔ اور تم اسے کچھ نقصان نہیں پہونچا سکتے ہو کہ اللہ ہر شئے پر قادر ہے (توبہ ۳۸۔۳۹)

ر: جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ جنگ میں بہت سے لوگ شامل تھے مگر سب کے سب صحابہ نہیں مانے جاتے ہیں۔ اس آیت میں بھی اللہ منافقین اور عام مسلمانوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ پھر اس مصنف نے اسے صحابی سے کیسے جوڑ دیا، کیا ان کے پاس علم غیب ہے؟

د: محترم! یہ جنگ تبوک کا واقعہ ہے، جس میں نہ صرف منافقین یا عام مسلمان بلکہ چند مشہور و معروف صحابہ بھی جنگ میں جانے سے کترا رہے تھے اور بہانے تلاش کر رہے تھے۔ مناسب ہوگا کہ ان کے نام آپ خود تاریخ کی کتب میں تلاش کر لیں مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ یا ایھا الذین اٰمنو یعنی ایمان لانے والوں سے عام خطاب ہے، یہ خطاب منافقین سے نہیں ہے۔ صحابہ کا تفصیلی تذکرہ جنگ احد کے تحت کیا جا چکا ہے کہ بعض مشہور صحابہ کے اعمال منافقین جیسے تھے۔

ت: رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''میں تم سے سابق ہوں اور تم پر گواہ ہوں۔ یقیناً میں حوض کوثر کی طرف دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں دیدی گئی اور خدا کی قسم مجھے تمہارے مشرک ہو جانے کا خطرہ نہیں ہے لیکن حصول دنیا کے بارے میں حرص و ہوس کا خطرہ ہے (بخاری ۴ص ۱۰۱،۱۰۰)

حضورؐ نے بالکل سچ فرمایا تھا صحابہ نے حرص دنیا پیدا کی اور اس راہ میں

اس قدر اختلاف کیا کہ تلواریں نکل آئیں۔ جنگ قائم ہوگئی اور ایک نے دوسرے کو کافر بتانا شروع کر دیا اور بعض اصحاب تو با قاعدہ سونے چاندی کے خزانے رکھتے تھے جیسا کہ مسعودی نے مروج الذہب میں اور طبری وغیرہ نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے کہ صرف ایک زبیر کی دولت کا سرمایہ ۵۰ ہزار دینار نقد، ہزار گھوڑے، ہزار غلام اور بصرہ و کوفہ میں بے پناہ جائداد اور مصر وغیرہ میں بے حساب املاک پر مشتمل تھا۔

طلحہؓ کا غلہ عراق میں یومیہ ہزار دینار کے برابر تھا یا اس سے بھی کچھ زیادہ۔ عبدالرحمٰن ابن عوف کے پاس سو گھوڑے، ہزار اونٹ اور ہزار بکریاں تھیں۔ اور ترکہ کا 1/8 جو ازواج پر تقسیم ہوا ہے اس کی مقدار ۸۴ ہزار دینار تھی۔ عثمان بن عفان نے وقت مرگ جانور اور زمین و جائداد کے علاوہ ڈیڑھ لاکھ دینار بھی چھوڑا تھا۔ زید ابن ثابت نے سونے چاندی کے اتنے ذخیرے چھوڑے تھے کہ جنھیں کلہاڑی سے کاٹا جاتا تھا، اور دیگر املاک کے علاوہ ایک لاکھ دینار نقدی بھی چھوڑا تھا۔ (مروج الذہب مسعودی ۲ ص ۳۴۱)

یہ صرف چند مثالیں ہیں ورنہ تاریخ میں یہ داستان بہت طویل ہے جس میں داخل ہونے کا ارادہ نہیں ہے اور صرف اس مقدار پر اکتفا کرنا کافی ہے جس سے اپنی بات کی صداقت واضح ہو جاتی ہے۔ اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ دنیا انکی نگاہ میں آراستہ ہوگئی تھی اور وہ اس زینت و زیبائش پر مر مٹنے کے لئے تیار تھے۔

ر: چلو شکر ہے کہ یہ (ڈاکٹر تیجانی) صحابیوں کے مال کا اندازہ لگا رہا ہے کہ انھوں نے کتنا مال جمع کیا۔ مگر ان صحابیوں میں حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کا کہیں بھی نام شامل نہیں کیا۔

د: محترم رزاق بھائی! ڈاکٹر تیجانی نے صرف چند مثالیں پیش کی ہیں ورنہ تاریخ میں یہ داستان بہت طویل ہے۔ حضرت ابوبکر کا بی بی فاطمہ زہراؑ کی

جائیداد (فدک) کو غصب کرنا دیانتداری کی نشانی تو نہیں ہے، اسی طرح آنحضرتؐ سے بوقت ہجرت ایک شاندار منافع حاصل کرنا بھی اسلامی اسپرٹ کے خلاف ہے۔ ملاحظہ ہو: روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۲۹۸ طبع نولکشور پریس لکھنؤ ''حضرت ابوبکر نے دو اونٹ چار سو درہم کے خریدے تھے جن میں سے ایک اونٹ حضورؐ نے خریدنا چاہا تو حضرت ابوبکر نے ایک اونٹ ۹ سو درہم میں فروخت کردیا۔'' ...... یہ بھی تخت حکومت پر بیٹھنے والوں میں عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ خوب جمع کرتے ہیں اور بعض کھاپی کر سب برابر کردیتے ہیں۔ امام بخاری کے قول کے مطابق (غالباً) حضرت عمر پینے کے اتنے شوقین تھے کہ ان کی آخری غذا بھی بنیذ (شراب) تھی فاتی بنبیذ فشربه فخرج من جوفه یعنی حضرت عمر کے لئے شراب آئی پس وہ اسے پی گئے مگر وہ زخم کے راستہ سے نکل گئی (صحیح بخاری جزو خامس ص ۱۶ طبع اول مطبوعہ خیریہ مصر، احیاء العلوم غزالی جلد ۴ ص ۲۵۶ طبع نولکشور لکھنؤ۔ ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۲۱۸) صحیح مسلم ص ۹۱ پر خود حضرت عمر کی زبانی سنئے کہ انھیں عم رسولؐ حضرت عباسؓ ابن عبد المطلبؓ اور برادران اہل سنت کے چوتھے خلیفہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کیسا سمجھتے تھے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں...... '' فرأیتمانی کاذباً اثماً غادراً خائناً یعنی تم دونوں نے مجھے جھوٹا، گناہ گار، بدعہد اور خائن سمجھا'' مال ومتاع دنیا سے محبت کے ثبوت میں فی الحال اتنا کافی ہے۔

ت: ابوسعید خدری کا بیان ہے کہ رسول اکرمؐ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے پہلے نماز ادا کرتے تھے اور پھر اسکے بعد مجمع کی طرف رخ کر کے موعظہ ونصیحت فرماتے تھے اور لوگ صف بستہ بیٹھے رہتے تھے اور یہ سلسلہ یونہی برقرار رہا یہانتک کہ میں امیر مدینہ مروان کے ساتھ نماز کے لئے نکلا تو اس نے محل نماز پر پہونچکر کثیر بن الصلت کے بنائے ہوئے منبر پر نماز سے پہلے

جانے کا ارادہ کیا تو میں نے اسے کھینچ لیا لیکن وہ دامن چھڑا کر منبر پر چڑھ گیا اور اس نے کہا کہ ابوسعید تمہارے معلومات کا دور گذر چکا ہے! میں نے کہا کہ میرے معلومات اس جدید بدعت سے بہتر ہیں تو اس نے کہا کہ لوگ نماز کے بعد نہیں ٹھہرتے تھے لہٰذا میں نے خطبہ کو مقدم کر دیا ہے (صحیح بخاری ا ص ۱۲۲ کتاب العیدین)۔

میں نے اس روایت کو دیکھنے کے بعد بہت تلاش کیا کہ آخر اس تبدیلیٔ سنت کا محرک کیا تھا یہ اندازہ ہوا کہ بنی امیہ جن میں ایک بڑی تعداد صحابہ کی بھی تھی اور جن کا راس و رئیس بخیال مسلمین کاتب وحی معاویہ تھا۔ یہ لوگ مسلمانوں کو علیؑ پر لعنت کرنے اور انھیں برا بھلا کہنے پر مجبور کرتے تھے جیسا کہ امام مسلم نے اپنی صحیح کے باب فضائل علیؑ میں نقل کیا ہے اور معاویہ نے تمام عمال کو اس لعنت کو سنت بنانے کا حکم دیدیا تھا۔ اور جن صحابہ نے اعتراض کیا یا اس حکم کی مخالفت کی انھیں قتل کر دیا جیسا کہ حجر بن عدی کے بارے میں ہوا یا زندہ ہی دفن کرا دیا جیسا کہ بعض دیگر افراد کے بارے میں ہوا جس کا اقرار مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے ''خلافت وملوکیت'' میں ابوالحسن بصری کے حوالے سے اس طرح کیا ہے کہ معاویہ میں چار باتیں ایسی پائی جاتی تھیں جن میں سے ایک بھی انسان کی ہلاکت کے لئے کافی تھی:

۱۔ صحابہ کرام کے ہوتے ہوئے بغیر کسی مشورہ کے حکومت پر قبضہ کر لینا۔

۲۔ اپنے بعد اپنے شرابی اور ریشم پہننے والے، گانے بجانے والے فرزند کو جانشین بنا دینا۔

۳۔ زیاد کو اپنے نسب میں شامل کر لینا جب کہ رسول اکرمؐ کا ارشاد تھا کہ بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے اور زانی کا حصہ صرف پتھر ہوتا ہے۔

۴۔ حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کو قتل کرا دینا۔

ایسے حالات میں اکثر مومنین نماز کے فوراً بعد مسجد سے باہر نکل جاتے تھے اور اس خطبہ میں شرکت نہیں کرتے تھے جس کا اختتام سبّ علیؑ اور لعنت پر ہوتا تھا اس لئے بنی امیہ نے سنت رسول کو تبدیل کر دیا اور خطبہ کو نماز پر مقدم کر دیا تا کہ تمام افراد شریک ہوں۔

ر: کیا امیر مدینہ مروان کی وضاحت تمام مسلمانوں کے لئے قطعی قابل قبول نہیں ہے؟

د: محترم رزاق بھائی! امیر مدینہ مروانؔ نے خطبہ مقدم کرنے کی وجہ نماز کے بعد لوگوں کا نہ ٹھہرنا بتایا ہے اور تیجانی صاحب نے نماز کے بعد نہ ٹھہرنے کی وجہ حضرت علیؑ پر سب وشتم اور لعنت کو قرار دیا ہے۔ اس صورت میں امیر مدینہ مروان کی وضاحت انھیں مسلمانوں کو قابل قبول ہو سکتی ہے جنھیں حضرت علیؑ سے دشمنی ہو اور جو ایک خلیفہ راشد پر سب وشتم اور لعنت سننا جائز سمجھتے ہوں، ورنہ سچے اور مخلص مسلمان کو یہ وضاحت قابل قبول نہیں ہو سکتی کیونکہ...... (۱) امیر مدینہ مروان طرید رسولؐ تھا (یعنی اسے آنحضرتؐ نے مدینہ سے باہر نکلوا دیا تھا) بعض خلفاء کرام کی نوازش و مہربانی سے نہ صرف یہ کہ وہ مدینہ میں واپس آ گیا بلکہ امیر مدینہ بھی بنا دیا گیا اور ایک وقت ایسا بھی آیا جب وہ ایک خلیفہ راشد یعنی حضرت علیؑ پر حملہ آور ہوا اور پھر جسارت کی انتہا یہ ہوئی کہ خلیفہ بن کر بیٹھ گیا۔ (۲) اسے قطعی طور پر کوئی حق نہیں تھا کہ وہ سنت رسولؐ میں تبدیلی کر کے خطبۂ عیدین کو نماز پر مقدم کرے۔ (۳) خطبہ مقدم کرنے کے پس منظر میں حضرت علیؑ پر سبّ وشتم اور لعنت بھیجنا تھا اور اسی لئے نماز کے بعد مجمع رخصت ہو جاتا تھا کہ نہ رہینگے اور نہ سبّ وشتم سنکر گنہگار ہونگے۔ اسی لئے دشمنِ علیؑ، مروان نے سنت رسولؐ میں تبدیلی کر کے خطبہ کو مقدم کر دیا تا کہ زیادہ سے زیادہ مسلمان ''سبّ وشتم'' کو سنیں...... محترم رزاق بھائی! اس وضاحت کے بعد مجھے یقین ہے کہ آپ بھی مروان کی اس جسارت کو

''قطعی قابل قبول نہیں سمجھیں گے۔''

ت: لیکن ان صحابہ نے سب کچھ بدل ڈالا اور صلوٰۃ ومودت کے بجائے سب وشتم اور لعن طعن کو جائز بنالیا۔ اور اس سلسلہ کو بقول مورخین ۶۰ سال تک جاری رکھا۔

ر: اس مصنف (ڈاکٹر تیجانی) کے مطابق شتم ولعنت ساٹھ سال تک جاری رہی، رہا علیؑ پر لعنت بھیجنا تو میں اس بارے میں پھر یاد دلا دوں کہ خود اس مصنف نے اس کتاب میں لکھا ہے کہ ساٹھ سال تک ہی یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اور اس صفحہ پر بھی اقرار کررہا ہے کہ لوگ اختتام خطبہ سے پہلے چلے جاتے تھے کیوں کہ ان کو علیؑ پر لعنت سننا گوارہ نہ تھا تو پھر یہ سنی جماعت کی حق گوئی اور انصاف کا ثبوت نہیں ہے؟

د: محترم رزاق بھائی! یہ صحیح ہے کہ شاید آج بھی ناصبی اور وہابی فرقہ کو چھوڑ کو کوئی بھی سُنی، حضرت علیؑ پر شتم اور لعنت کو برداشت نہیں کرسکتا ہے۔ بلکہ صوفی حضرات تو حضرت علیؑ کی شان میں گستاخانہ کلمات سنکر مارنے مرنے پر تیار ہوجائینگے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت علیؑ پر سب وشتم اور لعنت کی رسم کا موجد کون ہے؟ اور ساٹھ ستر سال لمبی مدت تک اس رسم کو جاری رکھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے کون لوگ تھے؟ جب آپ حق بینی سے تاریخ کا جائزہ لیں گے تو آپ کو اس حقیقت تک پہونچنے میں ذرا بھی دشواری نہ ہوگی کہ مذہب اہل سنت والجماعۃ کے موجد امیر معاویہ ہی اس لعن وشتم کے بھی موجد تھے، ان کے بعد یکے بعد دیگرے بنی امیہ کے جتنے خلیفہ بنے یا بنائے گئے وہ سب کے سب اس پر عامل رہے، یہانتک کہ جب عمر ابن عبدالعزیز مسند خلافت پر بیٹھے تو انھوں نے اس ناجائز، قبیح اور غیر اسلامی رسم کو بند کرایا (ممکن ہے یہی عمل انکی بخشش کا سبب بنے) لعنت کی یہ رسم تو بند ہوگئی لیکن ساٹھ ستر سال کے عرصۂ طویل میں کئی نسلیں

ایسی تیار ہو گئیں جو علی کی دشمنی کے ماحول میں پیدا ہوئیں، پروان چڑھیں اور مستقبل کے لئے علیؑ کی دشمنی سے معمور نئی نسلیں چھوڑ گئیں، جنکا سلسلہ برقرار ہے۔

محترم رزاق بھائی! بہت ہی خوش نصیب ہیں وہ گرامی قدر ہستیاں جنھیں حق کی جستجو کا موقع فراہم ہو جائے اور حقائق کے انکشاف کے بعد انھیں تسلیم کرلیں۔ یہودیوں اور کافروں کی طرح انا وجدنا اٰباء نا ...... کہکر باطل سے چپکے نہ رہ جائیں۔ بلکہ ہمت اور جرأت سے کام لیکر عاقبت بخیر ہونے کے لئے دنیا کی بیجا زیب و زیبائش سے منہ موڑ کر اور دنیا پرست افراد سے رشتہ توڑ کر اللہ تعالیٰ کے منتخب صدیقین کی طرف رجوع کریں اور حق کا عرفان حاصل کر کے حق سے منسلک ہو جائیں۔ کسی کی جنبہ داری کرنے سے پہلے یہ خیال رہے کہ لاتزر وازرہ وزر اخریٰ یعنی قیامت کے دن کوئی ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیگا۔ یہانتک کہ خاطی، غاصب اور گنہگار رہبر، پیر اور خلیفہ بھی اپنے معتقدین اور متبعین سے پیچھا چھڑائینگے۔ ملاحظہ ہو سورہ بقر آیت ۱۶۶ و ۱۶۷۔ اذ تبرأ الذین اتبعوا من الذین اتبعوا ورا والعذاب وتقطعت بھم الاسباب ☆ قال الذین اتبعو لو ان لناکرۃ ...... وماھم خارجین من النار ☆ یعنی (وہ کیسا سخت وقت ہوگا) جب پیشوا لوگ اپنے متبعین سے برائت اختیار کرینگے اور اپنی آنکھوں سے عذاب دیکھیں گے۔ (اسوقت) انکے باہمی تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ تب اتباع کرنے والے کہنے لگیں گے کہ اگر پھر ہمیں دنیا میں دوبارہ جانا نصیب ہو تو ہم بھی ان سے اسی طرح تبریٰ کریں گے، بیزاری کا اظہار کریں گے جیسے یہ (ہمارے پیشوا) ہم سے برائت کر رہے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ انھیں (رہبر اور متبعین دونوں کو) انکے حسرت بھرے اعمال دکھائیگا اور انمیں سے کوئی جہنم سے نکلنے والا نہیں۔

ت: میں تو یہ سوچ بھی نہیں پاتا ہوں کہ اگر واقعاً اہل سنت رسول کی پیروی کرنے

والے ہیں تو ان افراد کو کس طرح عادل قرار دیتے ہیں جن کے فسق اور ارتداد کا قرآن وسنت نے اعلان کیا ہے اور جن کے بارے میں رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے۔ ''جس نے علیؑ کو برا کہا اس نے مجھے برا کہا اور جس نے مجھے برا کہا اس نے خدا کو برا کہا۔ اور جس نے خدا کو برا کہا اسے خدا منھ کے بل جہنم میں ڈال دیگا۔''

(مستدرک حاکم ۳ ص ۱۲۱، خصائص نسائی ص ۲۴، مسند احمد ۶ ص ۳۳ مناقب خوارزمی ص ۸۱، الریاض النضرۃ ۲ ص ۲۱۹، تاریخ سیوطی ص ۷۳)

یہ تو علیؑ کو برا کہنے والے کی سزا ہے پھر اس کا کیا انجام ہوگا جو لعنت کرے یا ان سے جنگ کرے یا انھیں قتل کرا دے۔ آخر ہمارے علماء کرام ان حقایق سے کتنی دور چلے گئے ہیں۔ یا ان کے دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں...... پروردگار میں شیطان کے وسوسوں اور ان کے تسلط کے مقابلہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔

نوٹ: بھائی رزاق صاحب نے مندرجہ بالا عبارت پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

د: محترم! میں نے ڈاکٹر تیجانی کی مندرجہ بالا عبارت یہاں صرف اس لئے نقل کی ہے کہ حضرت علیؑ کا تقابل خلفاء ثلاثہ یا دیگر صحابہ کرام سے کرنے سے پہلے اس حدیث کو غور سے پڑھیئے اور فکر صالح سے کام لیکر عاقبت بخیر ہونے کی دعا کیجئے۔ اس لئے کہ مندرجہ بالا حوالوں کے مطابق یہ وہ مستند حدیث ہے جسے خود مذہب اہل سنت کے عظیم علماء ومحدثین ومورخین نے بغیر کسی اختلاف کے اپنی کتابوں میں تحریر فرمایا ہے۔

آنحضرتؐ کیا حضرت عمر سے راضی تھے؟

ت: بخاری نے اپنی کتاب صحیح میں مناقب عمر ابن خطاب کے باب میں نقل کیا ہے کہ جب انھوں نے زخمی ہونے کے بعد درد والم کا اظہار کیا تو ابن عباس نے تسکین دیتے ہوئے کہا کہ اگر آپ کو یہ تکلیف ہے تو آپ نے صحبت رسولؐ کا شرف حاصل کیا اور اس عالم میں ان سے جدا ہوئے ہیں کہ وہ آپ سے راضی

تھے۔ پھر ابوبکر کی باقاعدہ صحبت اختیار کی ہے اور وہ بھی آپ سے راضی تھے۔ پھر ان کے اصحاب کے ساتھ زندگی گذاری ہے اور اب دنیا سے جارہے ہیں تو سب آپ سے راضی ہیں۔ تو انھوں نے فرمایا کہ جہانتک رسول اکرمؐ کی صحبت اور رضا مندی کا تعلق ہے تو یہ اللہ کا ایک احسان تھا اور یہی حال ابوبکر کی صحبت اور ان کی رضا مندی کا ہے لیکن اسوقت میرا اضطراب تمہارے اور تمہارے اصحاب کے بارے میں ہے کہ اگر روئے زمین کے برابر سونا بھی صدقہ دے کر عذاب الٰہی سے نجات حاصل کر سکتا تو میں دیدیتا (بخاری ۲ ص ۲۰۱)

ر: ابن عباسؓ کا یہ جملہ کہ سب آپ سے راضی تھے، یہی کافی ہے حضرت عمرؓ کے دفاع کے لئے۔

د: محترم رزاق صاحب! آپ جو سمجھ رہے ہیں کہ حضرت عمر کے لئے مندرجہ بالا روایت کافی ہے، وہ واقعاً کافی نہیں ہے۔ اس میں اشتباہ ہے کہ بخاری کی مندرجہ بالا روایت صحیح بھی ہے۔ کبھی کبھی درایت روایت کو غلط ثابت کر دیتی ہے۔ ابن عباس کی مندرجہ بالا روایت اُن ہی کی اس روایت کے بالکل متضاد ہے جو حدیث قرطاس کے ذیل میں اُن سے مروی ہے۔ اس روایت میں یہی ابن عباس روز پنجشنبہ کو یاد کر کے بہت غمگین ہوتے ہیں اور کہتے ہیں ''کیا قیامت پنجشنبہ کا دن تھا جب نبیؐ اکرم نے کہا کہ آؤ میں تمہارے لئے ایک ایسا نوشتہ لکھ دوں جسکے بعد کبھی گمراہ نہ ہو تو حضرت عمر نے پیغمبرؐ پر ہذیان کا الزام رکھا اور کہا کہ ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے...... اصحاب کے درمیان نزاع میں شدت پیدا ہوگئی تو رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ میرے پاس سے نکل جاؤ'' (صحیح بخاری جلد ۲ باب قول المریض قوموا عنی)

دونوں روایتوں کا تضاد بالکل واضح ہے۔ ایک طرف تو ابن عباس کہہ رہے ہیں کہ جناب رسالتمآبؐ نے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا

جاتے ہیں جو کہ میرے پڑوس مین ایک شیعہ مسجد ہے، حضرت گنج میں کیپٹل سینما کے پاس ''شیعہ شاہی مسجد'' ہے اسمیں برادران اہلسنت بھی پابندی سے اپنی نماز جماعت سے پڑھتے ہیں ضلع اعظم گڑھ میں کلکٹری کچہری کے پاس ایک شیعہ مسجد ہے جس میں شیعہ اور سنی دونوں حضرات جماعت سے نماز ادا کرتے ہیں۔ میرے سگے بھتیجے حجۃ الاسلام مولانا سید ضمیر الحسن مجتہد جامعہ جوادیہ، بنارس سے جمعہ کی نماز پڑھانے کیلئے اس مسجد میں جاتے ہیں۔ چند بزرگ سنی حضرات اپنی نماز کے بعد مولانا کا خطبہ سننے کے لئے دوستانہ گفتگو اور مصافحہ کے لئے رکے رہتے ہیں۔ ایران میں ناچیز نے اپنی آنکھوں سے برادران اہلسنت کو شیعہ جامع مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ زاہدان جو ایران کا ایک شہر ہے وہاں مسجد کے دروازے پر برادران اہلسنت کے خلفاء راشدین یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علیؑ کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مکہ مدینہ کی مساجد میں سجدہ گاہ ممنوع ہے اسلئے سجدہ گاہ کے بجائے چٹائی یا پتھر پر سجدہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ بہر حال مسجد کے بارے میں چند کو چھوڑ کر یہ سب بیجا تو ہمات ہیں اور کچھ نہیں، آپ نے اپنے خط میں خود تحریر فرمایا ہے کہ ممبئی میں آپ کی اور آپ کے سبھی بھائیوں کی تعلیم ایرانی شیعہ اسکول میں ہوئی آپ شیعہ ساتھیوں کے ہمراہ امامیہ مسجد مغل مسجد بھی برابر جایا کرتے تھے لیکن آپ کے ساتھ کبھی کسی شیعہ نے کوئی بُرا سلوک نہیں کیا غالباً آپکے والد صاحب نے شیعہ ماحول سے متاثر ہو کر ہی انکے علم وتہذیب وادب کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپکی اور آپ کے سبھی بھائیوں کی تعلیم ایک شیعہ ''ایرانی'' اسکول میں کرائی جبکہ آپ کی رہائشگاہ کے قریب بھنڈی بازار مین کئی ایک سنی اسکول اور مدرسے بھی موجود تھے۔ رہی تنگ نظر مسلمانوں کی بات تو یہاں ہندوستان میں بھی اکثر ''بریلوی مسجد'' اور ''وہابی مسجد'' یا بریلوی امام اور وہابی امام' کا تنازعہ کھڑا ہو جاتا ہے جسکی چند جھلکیاں آپ ''جستجو'' میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ میں بہر حال ان

کہ ''میرے پاس سے نکل جاؤ'' اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ ''حضورؐ آپ سے راضی تھے۔'' علاوہ ازیں جناب رزاق صاحب! آپ نے پوری روایت پر غور کئے بغیر ایک فیصلہ صادر فرما دیا۔ اگر روایت بالکل صحیح بھی ہے تو آپ نے روایت کے آخری پہلو پر توجہ نہیں دی۔ حضرت عمر کو یہ فکر نہیں ہے کہ جناب رسالتمآبؐ یا حضرت ابوبکر اُن سے راضی تھے یا نہیں۔ جناب رسالتمآبؐ کی رحلت کو بارہ سال گذر چکے تھے، حضرت عمر کو آپؐ کے انتقال کے بعد کے اور اپنے دس سال کے دور حکومت کے زمانہ کے کارناموں کے بارے میں تشویش ہے کہ اگر اُن کے بارے میں حساب وکتاب ہو تو میرا کیا حشر ہوگا۔ روایت کے مطابق اُن کا ارشاد ہے کہ ''لیکن اس وقت میرا اضطراب تمہارے اصحاب کے بارے میں ہے کہ اگر روئے زمین کے برابر بھی سونا صدقہ دیکر عذاب الٰہی سے نجات حاصل کرسکتا تو میں دیدیتا۔'' حضرت عمر کا یہ جملہ کہ ''میرا اضطراب...... اور تمہارے اصحاب کے بارے میں ہے'' اس سے کہیں اہل بیت رسولؐ تو مراد نہیں ہیں جو ابن عباسؓ کے قریب ترین رشتہ دار تھے اور حضرت عمر کی بہت سے ناانصافیوں، سختیوں اور زیادتیوں کا شکار ہوئے تھے؟ آخر میں آپ سے گذارش ہے کہ جب خود حضرت عمر اپنے انجام کے بارے میں اتنے مضطرب اور متوشش ہیں کہ روئے زمین کے برابر سونا صدقہ میں ناکافی سمجھ رہے ہیں تو آپ کسی روایت کے ایک جز کو اُن کے دفاع کے لئے کیسے کافی سمجھ رہے ہیں؟

ت: ان بیانات کے مقابلے میں قرآن مجید کا وہ بیان جو صاحبان ایمان کو بشارت دیتا ہے کہ ''اولیائے خدا کے لئے نہ کوئی خوف ہے نہ حزن یہ صاحبان ایمان اور متقی افراد تھے۔ ان کے لئے زندگانی دنیا اور آخرت دونوں مقامات پر بشارت ہے۔ کلمات خدا میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اور یہی عظیم کامیابی ہے'' (یونس ۶۲ تا ۶۴) ...... ''جن لوگوں نے یہ کہا کہ خدا ہمارا رب ہے اور اسی پر

قائم رہے ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے کہ خبردار خوف اور حزن نہ کرو اور اس جنت کی بشارت حاصل کرو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم زندگانی دنیا اور آخرت دونوں مقامات پر تمہارے ساتھی ہیں۔ اور تمہارے لئے جنت میں جو کچھ چاہو سب حاضر ہے۔ یہ پروردگار کی طرف سے تمہاری ضیافت کا سامان ہے" (فصلت ۳۰، ۳۱، ۳۲)

ر: یہ رسولؐ کے لئے بشارت ہے اور رسولؐ سے بڑھ کر کوئی بشارت کے لائق نہیں ہے وہ تو سیدھے جنت میں جانے والے ہیں۔ تو پھر جب رسول اللہؐ سے پوچھا گیا کہ جب آپ رسولؐ ہیں تو آپ کو تو کسی طرح کی فکر نہیں ہونی چاہئے کیوں کہ آپ تو جنتی ہیں تو پھر اسوقت رسولؐ نے کیوں فرمایا کہ "کیا میں عبد شکور یعنی شکر کرنے والا بندہ نہ بنوں"۔

د: محترم! مندرجہ بالا آیات میں جو بشارت دی گئی ہے اس کا تعلق صاحبان ایمان سے ہے، بشیر ونذیر، پیغمبرؐ سے نہیں ہے۔ سورہ یونس کی آیتوں کی تفسیر میں مولانا صلاح الدین یوسف تحریر فرماتے ہیں کہ "نافرمانوں کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبرداروں کا ذکر فرمارہا ہے اور وہ ہیں اولیاء اللہ۔ اولیاء ولی کی جمع ہے، جس کے معنی لغت میں قریب کے ہیں۔ اس اعتبار سے اولیاء اللہ کے معنی ہوں گے، وہ سچے اور مخلص مومن جنھوں نے اللہ کی اطاعت اور معاصی سے اجتناب کر کے اللہ کا قرب حاصل کرلیا۔" اسی طرح سورۂ فصلت (حمٰ سجدہ) کی مندرجہ بالا آیتوں کی تفسیر کے ذیل میں موصوف لکھتے ہیں کہ "یہ مزید خوش خبری ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے بعض کے نزدیک یہ فرشتوں کا قول ہے دونوں صورتوں میں مومن کے لئے یہ عظیم خوش خبری ہے" محترم! نبی اکرمؐ سیدھے جنت میں جانے کے لئے نہیں آئے تھے بلکہ گنہگار انسانوں کو ایمان وعمل کے زیور سے آراستہ کر کے جنت کا راستہ دکھانے کے لئے دنیا میں بھیجے گئے تھے۔ آنحضرتؐ کی منزل جنت نہیں

بلکہ سدرۃ المنتہیٰ ہے جہانتک ہمارے پرواز فکر کی گرد بھی نہیں پہونچ سکتی۔ صاحب لولاک لماخلقت الافلاک کی جنت مشتاق ہوسکتی ہے۔حضورؐ جنت کے محتاج نہیں ہیں، اب رہی شکر گذار بندہ ہونے کی بات تو کیاافضل کائنات پیغمبرؐ اتنا بھی عرفان الٰہی نہیں رکھتے تھے کہ وہ سمجھ سکیں کہ ''محسن حقیقی'' کاشکر گذار بنا ان کا فرضِ انسانیت اور فرض عبدیت ہے،فرض نبوت وفرض رسالت ہے! حضرت نوحؑ ''عبداشکورا'' کے مصداق ہوسکتے ہیں اور فخرنوح پیغمبرؐ شکر گذار بندے نہیں ہوسکتے؟ یادرکھئے کہ حضوراکرمؐ اورانکے اہل بیت اطہارؑ اللہ تعالیٰ کے علاوہ نہ کسی سے ڈرتے ہیں، نہ کسی کے سامنے گڑگڑاتے ہیں اور نہ کسی کے سامنے سرجھکاتے ہیں۔ہاں! اللہ تعالیٰ کے سامنے ضرور اپنے کوحقیر وذلیل وکمتر بنا کر پیش کرتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں، مضطر ہوتے ہیں اور تڑپ کر دعا مانگتے ہیں نیز شکرالٰہی بجا لاتے ہیں۔اسکے یہ معنی ہرگزنہیں کہ وہ معاذ اللہ گناہگار ہیں، بلکہ ان کا یہی انداز انکی عبدیت کی معراج ہے۔محترم! شیعہ عقائد کے مطابق ان ذوات مقدسہ کے بارے میں کوئی غلط تصور پیدا ہونا بھی ایک عظیم گناہ ہے۔ نبیؐ تو نبیؐ ہیں ان کے شاگرد اور حقیقی جانشین حضرت علیؑ اپنی مناجات میں فرماتے ہیں'' اے پالنے والے! نہ میں دنیا کے خوف میں تیری عبادت کرتا ہوں اور نہ جنت کی لالچ میں، بلکہ تیری عبادت اس لئے کرتا ہوں کہ تجھے لائق سجدہ پاتا ہوں''

فاطمہ زہراؑ حضرت ابوبکر پر غضبناک ہوئیں

ت: مشکل یہ ہے کہ میں ابن قطیبہ کی روایت کوترک کردوں جس نے یہ تذکرہ کیاہے کہ فاطمہ زہراؑ ابوبکر وعمر پر غضبناک ہوگئیں اوران سے کلام نہیں کیا تو بخاریؔ کے بارے میں کس طرح شک کرونگا کہ جس کی کتاب اصح الکتب ہے اور ہم لوگوں نے (یعنی اہل سنت والجماعت نے) اُسے صحیح تسلیم کرلیا ہے اورشیعوں کو ہمارے

مقابلہ میں اس کتاب سے استدلال کرنے کا حق ہے اور اس نے باب مناقب قرابۃ الرسولؐ میں یہ روایت درج کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ "فاطمہ میرا ٹکڑا ہے اور جس نے اُسے غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔" اور پھر باب غزوۂ خیبر میں عائشہ سے نقل کیا ہے کہ "فاطمہؑ بنت النبیؐ نے ابوبکر کے پاس اپنی میراث کا تقاضہ بھیجا تو انھوں نے فاطمہؑ کو کچھ بھی دینے سے انکار کردیا جس پر وہ ناراض ہوگئیں اور انھوں نے قطع روابط کرلیا اور تاحیات ان سے بات نہیں کی۔"

(بخاری ۳ ص ۱۳۹)

نوٹ: محترم رزاق بھائی نے صحیح بخاری کی مندرجہ بالا عبارت پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ صرف صحیح بخاری کے اپنے نسخہ سے حوالہ تحریر فرماتے ہوئے لکھا "جلد سوم صفحہ نمبر 587 سے 589 تک پڑھو"۔

د: مجھے بھی اس عبارت پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا ہے اسلئے کہ مفہوم بہت واضح ہے، بس یہ درخواست کرنی ہے کہ محترم! اس عبارت کو بار بار غور سے پڑھئے اور پھر قرآن مجید کی اس آیت کی تلاوت کرکے جادۂ حق کو اپنا لیجئے ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدیٰ ویبتغ غیر سبیل المومنین نوله ماتولیٰ ونصله جهنم ط وسأت مصیرا ☆ (یعنی جو کوئی راہ ہدایت کے واضح ہوجانے کے باوجود نبی کریم کو اذیت پہونچائیگا (آپ کے حکم کے خلاف کریگا) اور مومنین کی راہ سے ہٹ کر چلے گا، ہم اسی طرف اسے موڑ دیں گے اور دوزخ میں ڈالدینگے، وہ پہونچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے)۔

ت: تاریخ نے ان کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا ہے کہ کاش میں ایک دنبہ ہوتا جسے گھر والے کھلا پلا کر تندرست بناتے اور جب کوئی مہمان آجاتا تو اُسے ذبح کرکے انھیں کھلا دیتے اور ان کے کھانے کے بعد میں فضلہ بن کر نکل جاتا...... اور انسان نہ ہوتا۔ (منہاج السنۃ ابن تیمیہ ۳ ص ۱۳۱، حلیۃ الاولیاء ا ص

۵۲)'' تاریخ نے ایک بیان ایسا ہی ابو بکر کی طرف منسوب کیا ہے کہ انھوں نے درخت پر ایک پرندے کو دیکھ کر فرمایا کہ'' تو خوش قسمت ہے، درخت پر بیٹھا ہے، کھجور کھاتا ہے اور تیرے ذمہ نہ کوئی حساب ہے نہ عذاب۔ کاش میں بھی سر راہ کوئی درخت ہوتا اور راہ گیروں کا اونٹ مجھے کھا کر مینگنی بنا دیتا اور میں انسان نہ ہوتا۔'' (طبری ص ۲۰۱، الریاض النضرۃ ص ۱۳۴، کنز العمال ص ۳۶۱، منہاج السنۃ ۳ ص ۱۲۰)'' اسی لئے آپ دیکھتے ہیں کہ فاطمہ زہراؑ نے گھر میں داخل ہونے کی بھی اجازت نہیں دی اور جب وہ لوگ گھر میں داخل ہو گئے تو ابو بکر وعمر کی طرف سے منہ پھیر لیا اور انھیں دیکھنا بھی پسند نہیں فرمایا (الامامت والسیاست جلد ۱، ص ۲۰) پھر انتقال کے بعد کے لئے وصیت کر دی کہ جنازہ کو رات کی تاریکی میں دفن کر دیا جائے تاکہ ظالم جنازہ میں شریک نہ ہو سکیں (بخاری ۳ ص ۳۹)

ر: اگر یہ مصنف کہتا ہے کہ خلفاء کے اس بیان سے کہ'' کاش میں پرندہ ہوتا یا پھر میں درخت ہوتا یا یہ کہ میں فضلہ ہوتا'' تو یہ ندامت کی انتہا اپنی کرنی کا ہے۔ تو پھر رات کے اندھیرے میں دفنانے کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا ہے۔

د: محترم رزاق بھائی غالباً یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ خلفاء کو اپنی کرنی (یعنی اہل بیتؑ کو اذیت پہونچانے پر، خصوصاً بنت نبیؐ پر کئے جانے والے مظالم) پر بے حد ندامت تھی جس کا اظہار انھوں نے مندرجہ بالا لفظوں میں کیا۔ مگر محترم! اظہار ندامت کی یہ انتہا نہیں ہے کہ وہ کہیں'' کاش میں پرندہ ہوتا، یا پھر درخت ہوتا، یا کہ میں فضلہ ہوتا......'' اگر واقعاً احساس ندامت تھا تو بنتِ نبیؐ کا حق واپس کرتے، بنت نبیؐ سے اپنی کرنی پر معافی مانگتے اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے بی بی فاطمہ زہراؑ کو راضی کرتے۔ اب جبکہ بضعۂ رسولؐ (محمد عربیؐ کی پارہ جگر) ناراض رہتے ہوئے اور ان کے حق میں بددعا کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئیں تو کیا اب اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوئی صورت ممکن ہے؟ رات کو جب بستر استراحت

پر لیٹیئے گا تو اس سوال پر ٹھنڈے دل سے غور فرمایئے گا۔ رہ گئی رات کی تاریکی میں دفنانے کی وصیت تو جن حالات میں بنت نبیؐ دنیا سے تشریف لے گئیں اور جس طرح ظلم کرنے والوں کو جنازے میں شریک نہ ہونے کی وصیت کی، اس سے کیا مطلب لیا جاسکتا ہے اُسے آپ خود اپنی عقل سلیم سے فیصلہ فرمائیں۔

ام المومنین کو ورغلانے والے بیٹے

ت: میرا مقصد ام المومنین کی تاریخ حیات کو نقل کرنا نہیں ہے۔ میرا مقصد تو صرف یہ بیان کرنا تھا کہ اکثر صحابہ اسلامی قوانین کی خلاف ورزی کیا کرتے تھے اور رسول اکرمؐ کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ جس مقصد کے لئے ام المومنین کا یہ فتنہ ہی کافی ہے کہ جس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے اور سب نے اس حقیقت کو نقل کیا ہے کہ جب ان کا قافلہ مقام حوأب پر پہونچا اور وہاں کے کتوں نے بھونکنا شروع کیا تو رسول اکرمؐ کی تنبیہ یاد آئی کہ خبر دار تم میں سے کوئی مقام حوأب تک نہ جانے پائے جہاں کتے بھوکیں گے اور جب انھوں نے واپسی کا ارادہ کرلیا تو طلحہؓ وزبیر نے رقم دے کر پچاس آدمیوں کو جمع کیا اور انھوں نے قسم کھا کر گواہی دی کہ یہ مقام حوأب نہیں ہے۔ اور وہ بصرہ تک اپنے سفر کو جاری رکھے رہیں، جو بقول مورخین اسلام میں پہلی جھوٹی گواہی تھی (طبری، ابن اثیر، مدائنی وغیرہ حوادث ۳۶ھ)

اب میں روشن فکر افراد سے سوال کرتا ہوں کہ اس اشکال کا کوئی حل بتائیں اور یہ سمجھائیں کہ کیا انھیں صحابۂ کرام کی عدالت کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے اور کیا انھیں کو رسول اکرمؐ کے بعد افضل البشر قرار دیا جاتا ہے جو جھوٹی گوہی سے بھی دریغ نہیں کرتے، جسے رسول اکرمؐ نے گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔

نوٹ: بھائی رزاق صاحب نے مندرجۂ بالا عبارت پر کوئی تبصرہ نہیں کیا ہے۔

د: میری نظر میں محترم رزاق بھائی ایک روشن فکر مسلمان ہیں اسلیئے ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان صحابہ کرام کو "کلھم عدول" (سب کے سب عادل ہیں) کہنا کہاں تک درست ہے جنھوں نے حرمت نبیؐ کی بھی پرواہ نہیں کی۔ ام المومنین کی پہلی کمزوری حضرت علیؑ سے دشمنی اور دوسری کمزوری عورت ہونا ہے جس کا ان صحابہ کرام نے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے انھیں میدان جنگ میں اتار دیا۔ یہ کتنی بھیانک غلطی تھی، صرف اسکا احساس پیدا کرانے کے لئے میں ایک فرضی تمثیل پیش کرر ہا ہوں۔ امید کہ آپ کے والدین گرامی برا نہ مانیں گے۔ صرف حقیقت کی تہہ تک پہونچنے کے لئے مثال پیشِ خدمت ہے کہ پردہ میں رہنے والی اگر آپ کی والدہ محترمہ کو چند اشخاص ورغلا کر کسی شریف مسلمان کے خلاف ہزاروں نامحرموں کے مجمع میں جنگ کے لئے اتار دیں تو آپکے والد محترم پر کیا گذرے گی؟ کیا محترم والد صاحب ان ورغلانے والوں کو اپنا سچا دوست یا صحابی کہیں گے یا بس چلے گا تو انھیں واصل جہنم کر دیں گے؟ اور یہ بھی غور طلب امر ہے کہ جب اس واقعہ کی خبر بیٹوں کو ہوگی تو ان پر کیا ردِ عمل مرتب ہوگا......؟ کیا ان ورغلانے والوں کو لائق اور باحیا بیٹے بخش سکتے ہیں......؟ اس تمثیلی تجزیہ کے بعد اب آپ ان صحابہ کے بارے میں خود فیصلہ فرمالیں کہ جو نبیؐ کے گھر کی عزت وحرمت کو (جسکے لئے قرآن آواز دے رہا ہے "وقرن فی بیوتکن" (اپنے گھروں میں نچلی ہو کر بیٹھی رہو) کو ورغلا کر میدان جنگ میں ایک خلیفہ راشد کے خلاف لے آئے......کیا پیغمبرؐ انھیں معاف کرسکیں گے؟ اور باحیا مسلمان کیا ان کی ماں (ام المومنین) کو ورغلانے والے صحابہ کو کبھی اچھی نظر سے دیکھنا پسند کریں گے؟! ان بھولی بھالی "ماں" کو بھی حضرت علیؑ سے کتنی مخاصمت تھی کہ فوج کشی کے وقت وہ یہ بھی بھول گئیں کہ وہ کس کے گھر کی عزت ہیں، حوأب کے کتوں کی یاددہانی کے بعد بھی وہ صحابہ کرام کے ورغلانے میں آگئیں اور ہزاروں بیٹوں کا

خون کروا دیا۔

ت: بخاری نے اپنی صحیح ''کتاب الفتن'' میں یہ روایت نقل کی ہے کہ جب طلحہؓ اور زبیر اور عائشہ نے بصرہ کا رخ کیا تو علیؑ نے عمار یاسر اور حسنؑ ابن علیؑ کو بھیجا اور یہ حضرات کوفے آئے مجمع جمع کیا گیا اور منبر پر گئے۔ حسنؑ بالائے زینہ پر تھے اور عمار یاسرؓ اسکے بعد والے زینہ پر......اور عمارؓ نے باآواز بلند اعلان کیا کہ عائشہ نے بصرہ کا رخ کرلیا ہے اور وہ تمہارے رسول کی زوجہ ہیں۔ اب پروردگار تمہارا امتحان لے رہا ہے کہ تم رسول کی اطاعت کرتے ہو یا عائشہ کی۔ (بخاری ۴ ص ۱۶۱)

پھر کتاب المشروط میں ازواج کے بارے میں نقل کیا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے خطبہ دیتے ہوئے عائشہ کے گھر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ فتنہ یہاں ہے۔ یہاں ہے، یہاں ہے۔ جس طرح شیطان کی سینگ نکلتی ہے (بخاری ۲ ص ۱۲۸)

ر: محترم زراق بھائی نے صحیح بخاری کے اپنے نسخہ سے مطابقت کرنے کے بعد حوالہ تحریر فرمایا ''جلد سوم صفحہ 729,130'' اور صرف اتنا لکھا''...... الفاظ اسطرح ہیں کہ آپ (لوگ) مرد کی اطاعت کرتے ہیں یا عورت کی۔'' موصوف نے مزید کوئی تبصرہ اس روایت کے سلسلہ میں نہیں فرمایا۔

د: محترم! تمام عقیدتیں اپنی جگہ، ذرا سوچئے کہ کیا بخاری شریف کی اس حدیث سے یہ واضح نہیں ہوتا ہے کہ نبیؐ کی بیوی فتنہ بھی ہوسکتی ہے...... جسے نبی رحمتؐ ''شیطان کی سینگ'' سے تعبیر فرما رہے ہیں؟ یہاں یہ بھی غور کرنے کی جا ہے کہ نبیؐ کی وہ بیویاں یا بیوی جنھیں سرکار دو عالمؐ فتنہ قرار دیں، جن کے گھر سے شیطان کی سینگ نکلتی ہو اور قرآن جن میں سے دو کے لئے کہہ رہا ہو''تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہوگئے ہیں'' اور جو خلیفہ راشد سے غلطی پر رہتے ہوئے جنگ کر کے ہزاروں مسلمانوں کے خون کی ذمہ دار ہوں...... بھلا ایسی بیویاں آیۂ تطہیر کی

مصداق کیسے بن سکتی ہیں جنکی خوب خوب طہارت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے ویطھرکم تطہیرا کہہ کر اپنے ذمہ لی ہے۔

ت: اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ انھوں نے پیغمبرؐ سے علیؑ کے بارے میں اس سے کہیں زیادہ سنا ہے لیکن اس کے باوجود ان سے جنگ کی اور لوگوں کو ان کے خلاف ورغلا کر میدان میں لے آئیں۔ان کے فضائل ومناقب کا انکار کر دیا۔اور اسی بنیاد پر انھیں بنی امیہ نے پسند کیا۔اور انھیں تمام امت سے بالاتر منزل پر رکھ دیا ہے۔اور ان کی شان میں وہ روایتیں تیار کی ہیں جن سے کتابوں کو بھر دیا اور دیار بہ دیار ان کا پروپگنڈا کیا یہاں تک کہ انھیں امت اسلامیہ کے لئے مرجع اکبر قرار دے دیا گیا ہے اور ان کے بیانات کو نصف دین کا ماخذ بنا دیا گیا ہے۔

نوٹ: اس عبارت پر بھی محترم رزاق بھائی نے کچھ تبصرہ نہیں کیا۔

د: محترم! یہ تو اب آپ بھی اچھی طرح سمجھ گئے ہونگے کہ بنی امیہ جنگ بدر کے بعد سے ہی حضرت علیؑ اور اولاد علیؑ کے جانی دشمن بن چکے تھے،کلمہ انھوں نے اسوقت پڑھا جب تلوار ان کے سر تک پہونچ گئی،اب بظاہر مسلمان ہو جانے کے بعد نفاق کا لباس پہن کر وہ اسلام کی بیخ کنی میں مصروف ہو گئے۔وہ سمجھ چکے تھے کہ اسلام کو اسوقت تک خاطر خواہ نقصان نہیں پہونچایا جا سکتا جب تک کہ خاندان رسالتؐ موجود ہے۔اس لئے انھوں نے اسلام کو مسخ کرنے کے لئے ضروری سمجھا کہ علیؑ اور اولاد علیؑ کو ختم کر دیا جائے حضرت علیؑ کی شہادت،امام حسنؑ کی شہادت اور کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ رسول اسلامؐ کے بھرے گھر کی شہادت نیز خانوادہ رسولؐ کی قید و بند کی اذیت، یہ سب کچھ بنی امیہ کے ہاتھوں انجام پاتی رہی۔اسکے بعد ساٹھ ستر سال تک خطبوں میں حضرت علیؑ پر شتم ولعنت جاری رہنا،اسی کڑی کے اجزاء ہیں......علیؑ کی دشمنی کا سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا بلکہ آیندہ نسلوں کے لئے بھی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت کام شروع کر دیا گیا۔حدیث

وضع کرنے کی فیکٹری قائم ہوگئی (چنانچہ امام بخاری اپنی کتاب صحیح بخاری کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ چھ لاکھ حدیثوں سے انتخاب کر کے میں نے اپنی کتاب کو مرتب کیا) حضور اکرمؐ سے قریب رہنے والوں میں حضرت علیؑ کا جو جتنا بڑا دشمن تھا اسکی مدح وثنا میں اتنی ہی زیادہ جھوٹی حدیثیں وضع کرائی گئیں اور یہ سلسلہ نیز اس کا پروپگنڈہ حکومتوں کی سرپرستی میں کئی نسلوں تک چلتا رہا۔ چنانچہ حضرت عائشہ کی حضرت علیؑ سے کھلی ہوئی دشمنی دیکھ کران کے نام سے سب سے زیادہ حدیثیں وضع کیں اور بالآخر انھیں مرجع اکبر قرار دیدیا اوران کے بیانات کونصف دین کا مآخذ بنادیا گیا۔ پھریہی حدیثیں مذہب اہل سنت کی اساس بن گئیں۔

ت: اب میں اپنے نفس سے بغاوت کروں گا اور تعصب کے غبار کو جھاڑ کر تمام قیدو بند سے آزاد ہوکر مسائل پر غور کروں گا...... وہ قیدو بند جس میں مجھے بیس سال سے زیادہ جکڑ کر رکھا گیا تھا، اوراب میری زبان حال آواز دے رہی ہے۔ ''کاش میری قوم اس امر سے باخبر ہوتی کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا ہے اور مجھے بزرگ اور محترم افراد میں قرار دے دیا ہے۔ کاش میری قوم کو معلوم ہوتا کہ میں نے اس دنیا کا انکشاف کرلیا ہے جس سے یہ سب بے خبر ہیں اور یہ بلامعرفت اس سے عنادو اختلاف سے کام لے رہے ہیں۔''

ر: کیا اس شخص کی مثال اس ضرب المثل کی مصداق نہیں ہے کہ ''اپنے منھ میاں مٹھو'' بن رہے ہیں؟

د: محترم رزاق بھائی! یہ اپنے منھ میاں مٹھو بننا نہیں ہے بلکہ میدان آخرت میں علمی کدو کاوش اور جستجو کے بعد منزلِ یقین تک پہونچنے کا ''رجز ہے'' جو کوئی تحقیق و جستجو کے سخت ترین منازل سے گذر کر مقصد حیات کو سمجھ لے اور منزل نجات تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ''صراط مستقیم'' پر گامزن ہوجائے تو اسے یقیناً اپنی اس عظیم کامیابی پر خوشی ہوتی ہے، جسکے لئے فخر ومباہات کرنا اس کا فطری حق

باتوں کو کم علمی پر محمول کرتا ہوں۔

خط میں آپ نے اپنی مختصر تاریخ جو تحریر فرمائی ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ آپ بہت کمسنی میں عرب سے بمبئی آگئے۔ یہاں ۱۹ رسال تک قیام رہا۔ امین نامی (ایرانی) اسکول میں ساتویں درجہ تک تعلیم حاصل کی، اسکول اور محلّہ کے دوست شیعہ بچے تھے، جب وہ مجلس (وعظ) میں شرکت کے لئے جاتے تھے تو آپ بھی انکے ساتھ چلے جاتے تھے۔ عاشورہ کے دن اپنے شیعہ دوستوں کو ماتم کرتے دیکھا کرتے تھے (مگر خود نہیں کرتے تھے) آپ کے اطراف، ماحول اور ذہن پر شیعوں کا ہی اثر تھا۔ آپ نے کبھی محسوس نہیں کیا کہ آپ کون ہیں (سنی ہیں یا شیعہ) آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے تھے کہ ''مجھے صحیح راستہ بتلا'' یہاں سے کویت جانے کے بعد آپ کو قرآن پڑھنے کا شوق پیدا ہوا اس کے لئے آپ نے عربی زبان سیکھی، خود سے قرآن پڑھا، حدیثیں پڑھیں پھر دنیا کے تمام علماء (یعنی متعدد علماء) چاہے اسلام کے ہوں یا غیر اسلام کے انکی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ ان سے کوئی اثر قبول نہیں کیا'' آپ کا اثر و قبولیت صرف قرآن ہے اور ٹیچر صرف اللہ اور رسولؐ ہے۔'' ـــــ آپ کے مندرجہ حالات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ۱۹ رسال کی عمر تک دین اور دینیات سے بالکل بے بہرہ تھے اور آپ کو مذہبیات سے کوئی دلچسپی بھی نہیں تھی۔ یہاں تک کہ قرآن مجید بھی نہیں پڑھا تھا۔ آپ چونکہ عملی طور پر مذہبی دنیا سے الگ تھے، اسلئے سُنّی یا شیعہ ہونے کا احساس بھی نہیں تھا، لیکن سُنّی ماں باپ کے فرزند تھے اس لئے اسکا لحاظ و پاس ضرور تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ اپنے شیعہ دوستوں کے ساتھ رہ کر کبھی امامیہ مسجد یا مغل مسجد میں انھیں کیطرح نماز بھی پڑھ لیتے یا جب وہ تعزیہ کے ساتھ ماتم کرتے تھے تو بچپن کے تقاضہ کے تحت کبھی آپ بھی ماتم کر لیتے لیکن آپ نے کبھی ماتم نہیں کیا۔ بلکہ دور سے دیکھا کرتے تھے، ایسا صرف اسلئے تھا کہ آپ جانتے تھے کہ آپ سُنی ہیں اور ماتم شیعہ لوگ کرتے ہیں۔ میں نے شیعہ بچوں کے ساتھ سُنّی

ہے۔حق روز روشن کی طرح واضح ہو جانے کے بعد ایسے شخص کے دل میں پھر یہ بھی آرزو پیدا ہوتی ہے کہ "کاش میرے اعزاؤ اقربا' دوست واحباب، بلکہ پوری قوم کو یہ معلوم ہوتا کہ وہ جس وادی میں بھٹک رہے ہیں اور ایک بڑے گروہ کے ساتھ بھیڑ کی چال چلتے ہوئے جس راہ پر گامزن ہیں وہ صراط مستقیم نہیں ہے بلکہ "حق" سے کوسوں دور ہے، کاش! وہ بھی حق کو تلاش کرتے، بے خبری کو دفع کرتے معرفت سے ہمکنار ہوتے اور تحقیق و جستجو کے ذریعہ منزل نجات حاصل کر لیتے...... "محترم مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ ایک دن آپ بھی آخرت کو دنیا پر ترجیح دیں گے، اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال رہی تو آپ کا ضمیر بھی ضرور بیدار ہوگا، حق اور باطل میں تمیز پیدا کرنے کا جذبہ ابھرے گا اور انشاء اللہ راہ نجات یعنی صراط مستقیم پر گامزن ہو جائیں گے۔ پھر اھدنا الصراط المستقیم ☆ کا ترجمہ "ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا" نہیں کریں گے بلکہ اس دعائیہ کلمہ کا ترجمہ آپ کے ذہن میں اسوقت یہ ہوگا کہ "ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ پر باقی رکھ" ...... پھر آپ بھی ڈاکٹر تیجانی کی طرح فخر و مباہات کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔

ت:...... اپنے مدرسہ میں یہ سبق بھی پڑھ چکا تھا کہ تمام خلفاء میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ہیں اور ان کے بعد عمر فاروق ہیں جن کے ذریعہ خدا حق و باطل میں تفرقہ پیدا کرتا ہے اور ان کے بعد حضرت ذوالنورین عثمان ہیں جن سے ملائکہؑ آسمان بھی شرماتے ہیں...... اور ان کے بعد حضرت علیؑ ہیں۔ پھر ان سب کے بعد عشرہ مبشرہ کے باقی چھ افراد ہیں...... اور ان کے بعد باقی صحابہ کرام ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی کی شان میں گستاخی کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ قرآنی ارشاد ہے کہ "رسولوں کے درمیان تفریق نہیں ہوسکتی ہے" اور سب کو ایک نظر سے دیکھنا چاہیے۔ اس بنیاد پر مسلسل خوف زدہ ہوتا رہا اور بارہا استفسار کر کے اپنے ارادۂ بحث کو ترک کرنے کے بارے میں سوچتا رہا جس سے صحابہ کے بارے میں

یعنی اپنے دین کے بارے میں مشکوک ہو جانے کا خطرہ تھا...... لیکن اس مدت میں بعض علماء سے گفتگو کرنے کے دوران ایسی متناقض باتیں سنتا رہا جنھیں عقل کسی قیمت پر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھی اور وہ مسلسل اس امر سے ڈراتے رہے کہ اگر صحابہ کے حالات میں بحث و تحقیق کا سلسلہ جاری رہا تو خدا نعمتوں کو سلب کر سکتا ہے اور ہلاک بھی کر سکتا ہے، جسکی بنیاد پر میری علمی فضولیت نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں منزل حقیقت تک پہونچنے کے لئے اپنا تحقیقی سفر جاری رکھوں......

ر: یہاں تو خلفاء اور صحابیوں کے بارے میں بات ہو رہی ہے تو پھر یہ قرآنی آیت جو رسولوں کے بارے میں ہے، اسے کیوں پیش کیا جا رہا ہے؟

د: محترم! کلھم عدول کی فرضی حدیث اور اسکے زبردست پروپگنڈے نے سیدھے سادے مسلم عوام کو تاریکی میں ڈال دیا اور وہ آنحضرتؐ کے دور کے مسلمان کو چاہے وہ ظالم و جابر اور منافق ہی کیوں نہ ہو، صحابہ کی فہرست میں رکھکر عادل سمجھنے لگے اور ان کے بارے میں کسی قسم کا تبصرہ کرنے پر پابندی لگا دی۔ اس پابندی کے جواز میں اکثر علماء انبیاء کرام کی مثال پیش کرنے لگتے ہیں کہ ان میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت حاصل تھی لیکن ہمیں حق حاصل نہیں ہے کہ ہم ان کے درمیان تفریق پیدا کریں۔ اسی استدلال کی طرف ڈاکٹر تیجانی نے اشارہ کیا ہے...... حالانکہ "چہ نسبت خاک را با عالم پاک"

ت: میں نے اپنے ایک (سُنی) عالم سے کہا کہ معاویہ نے اتنے بے گناہوں کو قتل کیا اور اتنی عورتوں کی بے حرمتی کی اور آپ حضرات کہتے ہیں کہ یہ اس کی خطائے اجتہادی ہے اور وہ ایک اجر کا مستحق ہے...... پھر یزید نے فرزند رسول کو قتل کیا اور مدینہ کی حرمت کو اپنے لشکر کے لئے مباح کر دیا اور آپ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اسکی خطائے اجتہادی ہے اور وہ ایک اجر کا حقدار ہے...... یہانتک کہ بعض حضرات نے تو حضرت حسین علیہ السلام کو اپنے نانا کی تلوار کا مقتول قرار دیا ہے کہ

ان کا قتل بھی قوانین اسلام کے عین مطابق تھا۔تو پھر میں کیوں نہ اجتہاد کروں؟ چاہے اس کے لئے نتیجہ میں صحابہ کی عظمت میں شبہات پیدا ہو جائیں اور ان کا اقرار ختم ہو جائے۔......اس لئے کہ میرا جرم معاویہ کے اصحاب رسولؐ اور یزید کے فرزندان رسولؐ کے قتل سے بہر حال ہلکا ہوگا......تو میں بھی اگر صحیح راستہ پر آ گیا تو دوہرے اجر کا مستحق ہونگا ورنہ ایک اجر تو بہر حال ملیگا۔ جبکہ میں صحابہ کو گالیاں بھی نہیں دیتا۔اور انھیں برا بھلا بھی نہیں کہتا ہوں۔صرف انکی کمزوریوں کو واضح کر کے اس حقیقت تک پہونچنا چاہتا ہوں کہ تمام فرقوں میں نجات پانے والا فرقہ کون سا ہے۔اور یہ میرا ایک فرض ہے جو تمام مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے کہ حق کو تحقیق کے ساتھ تشخیص دیں......اور خدا میرے باطن اور میرے ضمیر کے حالات سے بہتر طور پر باخبر ہے۔

ر: امیر معاویہؓ اور یزید رحمۃ کی تاریخ کس کتاب یا کس عالم سے لی ہے جو ایسی باتیں ان کے بارے میں لکھ رہے ہیں۔اگر کسی فرقہ کے پاس ایسی تاریخ ان کے بارے میں ہے تو دوسرے فرقہ کے پاس بھی ایسی بہت سی کتابیں ہیں اور عالم ہیں جو ایسی باتوں کو جھوٹا ثابت کرتے ہیں، تو کیا انسان کی لکھی ہوئی کتابوں کو سچ مان لینا چاہیئے؟ اللہ تعالیٰ قرآن میں اپنی کتاب کے بارے میں فرماتا ہے کہ ''اگر یہ اللہ کا کلام نہیں ہے تو تم ضرور اس میں غلطیاں پاؤگے۔'' اس کا مطلب ہے کہ انسان کی لکھی ہوئی کتاب اور اللہ کے کلاموں کی کتاب میں یہ فرق ہے کہ اللہ کی کتاب میں غلطیاں نہیں ہوتی ہیں اور اس کا کلام دائمی یعنی نہ بدلنے والا ہے۔اور انسان کی کتاب زمانہ کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔یعنی تاریخ کی کھوج سے نظریہ بدلتا رہتا ہے۔

د: محترم رزاق بھائی! امیر معاویہ اور یزید کے مظالم کی داستان سے سُنی اور شیعہ دونوں فرقوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔آپ کے اطمینان کے لئے چند مشہور و

معروف سُنی علماء کی کتابوں کا اقتباس پیش ہے، جسٹس حامد بن شبیر سابق سُنی المذہب نے اپنی کتاب کلمۃ الحق ص ۷۷ تا ۹۸ میں علماء اہل سنت کے حوالے سے امیر معاویہ اور یزید کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ چند اقتباسات درج کئے جارہے ہیں:

امیر معاویہ علماء اہل سنت کی نظر میں: ''امام حسن علیہ السلام کے خلع خلافت کے بعد معاویہ خلیفہ بنے جنھوں نے بیس سال خلافت کی۔ اس سے قبل وہ بیس سال حضرت ابوبکر وحضرت عمر اور حضرت عثمان کے دور خلافت میں شام کے گورنر رہ چکے تھے۔ اس طرح انکی امارت چالیس سال رہی۔ حضرت ابوبکر نے پہلے معاویہ کے بڑے بھائی یزید ابن ابوسفیان کو امیر شام مقرر کیا تھا اور ان کے انتقال کے بعد ہی معاویہ کو ان کی جگہ مقرر کیا۔ حضرت عمر نے معاویہ کو دمشق کے علاوہ اردن کا بھی حاکم بنا دیا۔ حضرت عثمان نے نہ صرف ان کو باقی رکھا بلکہ جب فلسطین میں حاکم علقمہ کنانی کا انتقال ہوا تو فلسطین کی حکومت بھی معاویہ کے سپرد کردی۔ پھر جب حمص کے حاکم عمیر ابن سعد انصاری نے بیمار ہوکر استعفیٰ دیا تو حضرت عثمان نے حمص کی حکومت بھی معاویہ کے حوالے کردی۔ اس طرح حضرت عثمان نے چار بڑے مرکزی صوبوں کی قیادت معاویہ کو دیدی جسکی وجہ سے مسلمانوں کی سب سے بڑی اور سب سے قوی فوج ان کے قبضہ میں تھی۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین، مصر کے مایہ ناز مبصر ومورخ ومصنف اپنی کتاب فتنۃ الکبریٰ ص ۱۷۴ پر لکھتے ہیں...... ''امیر معاویہ کو انکی وسیع اور مضبوط حکومت نے قدم جمانے کا موقع دیا اور ایسی فرصت مہیا کی کہ وہ مصر میں اپنا آدمی بھیج کر اس کو مرکزی خلافت سے الگ کردیں۔ حجاز اور دوسرے عربی بلاد میں حضرت علیؑ کے خلاف اپنی حکومت کی فضا پیدا کریں اور حضرت علیؑ نے جب نظر دوڑائی تو ان کو معلوم ہوا کہ امیر معاویہ حکومت کے بہترین شہروں اور صوبوں پر قابض ہیں۔ اس میں شک نہیں حضرت

عثمان نے امیر معاویہ کے لئے وہ راستہ ہموار کیا جس پر چل کر ان کو موقع ملا کہ وہ ایک دن ابی سفیان کی اولاد میں خلافت منتقل کر کے بنی امیہ کے لئے مستقل کردیں۔''......ڈپٹی نذیر احمد خاں اپنی کتاب ''امہات الامہ'' میں لکھتے ہیں ''معاویہ نے پیغمبرؐ صاحب کے خاندان یعنی اہل بیتؑ کے ساتھ وہ سلوک کیا کہ آخر نسل پیغمبرؐ کو برباد کر کے چھوڑا۔''......مولانا عبدالرحمٰن جامی فرماتے ہیں:

داستان پسر ہند مگر نشنیدی — کہ از دوزسہ کس او بہ پیمبر چہ رسید

پدر اُو دردندان پیمبر بشکست — مادر او جگر عم پیمبر بہ مکید

او بہ ناحق حقِ داماد پیمبر بگرفت — پسر او سر فرزند پیمبر بہ برید

برچنیں قوم تو لعنت نہ کنی شرمت باد — لعن اللہ یزیدا وعلیٰ قوم یزید

......علامہ سبط ابن جوزی تذکرۂ خواص الامہ، ص ۱۵۰ پر لکھتے ہیں۔''خود معاویہ نے یزید سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہیں نہیں معلوم ہے کہ بعض قریشی جاہلیت میں گمان کرتے تھے کہ میں عباس کے نطفہ سے ہوں'' اسکے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں ''عمارہ اور مسافر عباس ابوسفیان کے دوست تھے اور یہ لوگ ہندہ کے ساتھ متہم تھے اور عمارہ بن ولید قریش کے خوبصورت لوگوں میں تھا اور ہندہ شہوت والی عورت تھی اور وہ کالے رنگ والے لوگوں کی طرف زائد مائل تھی۔ پس جب کوئی کالا بچہ اسکو پیدا ہوتا تو اس مار ڈالتی تھی۔'' علامہ زمخشری ربیع الابرار میں لکھتے ہیں ''ابو سفیان پست قد اور کمزور آدمی تھے اور صباح ان کا مزدور موٹا تازہ جوان خوشرو تھا اس وجہ سے ہندہ کی طبعیت اس پر آ گئی۔'' علامہ زمخشری یہ بھی لکھتے ہیں کہ چار آدمی مدعی تھے کہ معاویہ انکی اولاد ہے۔ ایک دفعہ صاحب صحیح ابوعبدالرحمٰن نسائی دمشق کی مسجد میں گئے تو لوگوں نے معاویہ کے فضائل کی نسبت سوال کیا (امام) نسائی نے جواب دیا...... مجھے ان کے فضائل کے متعلق کوئی حدیث اسکے سوا یاد نہیں کہ ''خدا اس کے پیٹ کو نہ بھرے'' اس پر لوگوں نے لاتیں مار کر امام نسائی کو مسجد سے نکال

دیا۔علامہ جاراللہ زمخشری جو مشائخ علماء اہل سنت سے ہیں ربیع الابرار میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کھڑے ہوئے تھے۔آپ نے دیکھا کہ ابوسفیان گدھے پر سوار ہے اور اس کا بڑا بیٹا یزید گدھے کو کھینچ رہا ہے اور معاویہ پیچھے سے ہانک رہا ہے تو حضرتؐ نے فرمایا لعن اللہ الراکب والقائد والسائق یعنی خدا کی لعنت اس سوار پر اور کھینچنے والے پر اور ہنکانے والے پر۔سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۶۰ وما جعلنا الرؤیا التی ارینٰک الافتنۃ للناس والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن ونخوفھم فما یزیدھم الاطغیانا کبیرا ☆ کی تفسیر میں امام ابواسحاق ثعلبی اور علامہ فخرالدین رازی اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ جس شجر ملعونہ کا ذکر اس آیت میں ہے وہ بنی امیہ ہیں......

(تفسیر سیوطی جلد ۴ص ۱۹۱ مصر)

امام حسنؑ کا قاتل کون؟: مولانا حسن نظامی ''یزید نامہ'' مطبوعہ ۱۹۲۰ء کے صفحہ ۹۵ پر لکھتے ہیں: ''معاویہ نے اموی سلطنت کے درخت کو مومن مسلمانوں کا خون پلا پلا کر پرورش کیا تھا...... ان متعدد عمدی قتلوں سے دامنِ معاویہ کو کیونکر پاک کیا جاسکتا ہے جو روز روشن میں ہر تاریخ کے ورق پر اپنی سرخی دکھا رہے ہیں۔پہلا خون سیدنا حضرت امام حسنؑ کا ہے جو تاریخ کی روایت ودرایت سے قطعاً امیر معاویہ کے اوپر ثابت ہے اور کوئی جدید وقدیم محاکمہ تاریخی وقانونی ان کی بریت اس قتل کی شرکت سے نہیں کرسکتا۔''......مروج الذہب جلد۱ص ۵۵ اور استیعاب جلد۱ص ۱۴۳ وروضۃ الصفا، شواہد النبوۃ عبدالرحمٰن جامی اور حدیقۃ الحقائق حکیم سنائی میں درج ہے کہ امیر معاویہ نے مروان بن الحکم کے ذریعہ سازش کر کے حضرت امام حسنؑ کی بیوی جعدہ بنت اشعث ابن قیس کو ایک لاکھ درہم بھجوائے اور کہلوایا کہ اگر تو امام حسنؑ کو زہر دیدے تو اس کے علاوہ یزید سے

تیرا نکاح بھی کر دونگا۔ چنانچہ جعدہ کو ایک زہر قاتل لا کر دیا گیا جس کو اس نے آپ کی صراحی میں ملا دیا جس سے آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۳۲۸ پر درج ہے کہ امام حسنؑ کی شہادت کی خبر سن کر معاویہ نے خوشی سے اللہ اکبر کہا اور سجدہ میں گر گئے۔ تاریخ ابو الفدا، عقد الفرید اور مروج الذہب مسعودی میں بھی ہے کہ شہادت امام حسنؑ کی خبر پر معاویہ نے تکبیر کہی اور سجدہ شکر کیا۔ جب بعد شہادت امام حسنؑ جعدہ نے معاویہ کو ان کا وعدہ یاد دلایا تو وہ اس وعدہ سے بھی یہ کہہ کر پھر گئے کہ تو نے ایک شوہر کو زہر دیا کیا عجب ہے کہ دوسرے کو بھی دیدے۔

ام المومنین عائشہ کا قاتل کون؟: صاحب حبیب السیر نے جلد اول میں تاریخ حافظ ابرو، ربیع الابرار زمخشری اور کامل السفینہ نے نقل کیا ہے کہ رجب ۵۷ھ میں معاویہ یزید کے واسطے بیعت لینے کی غرض سے مدینہ گئے معاویہ نے اپنے گھر میں ایک کنواں کھدوایا اور اس کو تنکوں سے پاٹ دیا اور آبنوس کی ایک کرسی اس پر رکھ دی۔ اور حضرت عائشہ کو ضیافت کے بہانے بلا کر اس کرسی پر بٹھایا اور وہ یکبارگی کنویں میں جا پڑیں۔ معاویہ کنویں کے دہانے کو چونے سے مضبوط کر کے مدینہ سے چلے گئے۔...... تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۲ ص ۴۵ پر حسن بصری کا یہ قول درج ہے کہ "معاویہ نے چار باتیں ایسی کیں جن میں سے ایک بھی ہو تو ہلاکت کے لئے کافی ہے۔ اول: جاہلوں کی مدد سے بغیر امت کے مشورہ کے انھوں نے خلافت پر قبضہ کر لیا حالانکہ اس وقت صاحبان فضیلت اور اصحاب رسول موجود تھے ۔دوسرا: اپنے بیٹے کو جو نشہ باز اور زنا کار تھا ریشم پہنتا تھا اور طنبورہ بجاتا تھا اپنا جانشین بنایا۔ تیسرے: زیاد کو اپنے باپ ابوسفیان کا (زیاد کی ماں سمیہ سے زنا کرنے کی بنا پر) بیٹا قرار دیا، حالانکہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ بیٹا اسی کا قرار دیا جا سکتا ہے جو اصل شوہر ہو اور زنا کار کے لئے بس پتھر ہے۔ چوتھے: بے گناہ

اصحاب رسولؐ حجر بن عدیؓ اور اصحاب حجرؓ (محبان اہلبیتؑ) کا قتل کرنا..... علامہ صالح کشفی حنفی اپنی کتاب مناقب مرتضوی کے ص ۴۷۲ پر لکھتے ہیں کہ "معاویہ بن ابوسفیان بے شک وشبہ طلیق ابن طلیق اور مولفۃ القلوب کی فہرست میں داخل تھا"..... علامہ موصوف معاویہ کو حضرت علیؑ اور امام حسنؑ اور حضرت عائشہ کے قتل کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے ص ۴۸۶ پر لکھتے ہیں۔ "لازم ہے کہ قاتل اہلبیتؑ اور قاتلِ زوجہ رسولؐ کو دائرہ اسلام سے خارج اور بے شک مشرک سمجھا جائے...... معاویہ حضرت علیؑ سے جنگ کرتے رہے یوں تو معاویہ کے بھی ہزاروں ساتھی واصل جہنم ہوئے (کیوں کہ حسب ارشاد رسولؐ جسنے علیؑ سے جنگ کی اسنے رسولؐ سے جنگ کی اور علیؑ کا قاتل اور علیؑ کے ہاتھوں مقتول دونوں جہنمی ہیں) مگر حضرت علیؑ کے بھی ہزاروں ساتھی شہید ہوئے ظاہر ہے کہ ان سب مومنین کے قتل کی ذمہ داری معاویہ کے سر ہے۔ بعض نافہموں نے خطائے اجتہادی کا جوقدم درمیان میں لانے کی کوشش کی اسکو خود بہت سے سُنی علماء نے نکال پھینکا ہے جیسے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا قول دوسری جگہ نقل ہوا ہے کہ خطائے اجتہادی وغیرہ کا کوئی سوال نہیں ہے بلکہ معاویہ کی خطا ہی خطا تھی۔ اب غور فرمایئے کہ جوایک مومن کو بھی قتل کرے اللہ تعالیٰ اس کی سزا کیا مقرر فرماتا ہے سورہ نساء کی آیت ۹۵ میں ارشاد ہے۔

ومن یقتل مومنا متعمداً فجزاءہ جہنم خالداً فیها و غضب الله علیه ولعنه واعدله عذاباً عظیما ☆ یعنی جو شخص بھی کسی مومن کو عمداً قتل کرے تو اس کا عوض جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیگا، خدا اس پر غضبناک ہے اور اس پر لعنت کرتا ہے اور اسکے لئے زبردست عذاب مہیا کر رکھا ہے۔"...... ڈاکٹر طہٰ حسین صاحب (مصری) فتنۃ الکبریٰ ص ۳۵۲ پر لکھتے ہیں "(امیر معاویہ) کے پاس فوج کی خوفناک اور سخت قوت تھی اور اسکی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ابوسفیان کا لڑکا ہے جس نے بدر کے بعد نبی کریمؐ سے جنگ

کی۔اس جنگ میں وہ زبردست آزمائش کے دور سے گذرا اور چال بازی کا مظاہرہ بھی کیا۔آخر میں جب اسلام کے بغیر چارہ نہ تھا، ایک طرف موت تھی اور دوسری طرف اسلام، تب مسلمان ہوا۔حضرت معاویہ کو وراثت میں باپ کی طرف سے توانائی ملی ساتھ ہی سنگدلی، چالاکی، چالبازی اور لچک بھی ملی۔ پھر ان کی ماں بھی اسلام اور مسلمانوں سے بغض وعداوت رکھنے میں ان کے باپ سے کسی طرح کم نہ تھیں۔مسلمانوں نے معرکۂ بدر میں ان کو ڈرایا دھمکایا تھا۔مشرکوں نے احد کے معرکہ میں اس کا بدلہ لے لیا لیکن پھر بھی انکے کینے اور آگ دشمنی کی، فتح مکہ تک بھڑکتی رہی۔اس کے بعد شوہر کی طرح اسلام لانے پر مجبور ہوئیں''

امیر معاویہ کے بارے میں ایک عظیم سُنی عالم کی تحقیق:

محترم رزاق بھائی! امیر معاویہ کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے جسٹس حامد بن شبیر (سابق سنی المذہب) کے مندرجہ بالا پیش کردہ حوالے جو کہ تمام تر مستند علماء اہل سنت کے ہیں کافی ہے۔ذیل میں چند اقتباسات اپنے شہر بنارس کے ایک عالمی شہرت رکھنے والے سُنی حنفی صوفی بزرگ عالم دین، الحاج بابا سید خلیل احمد صاحب چتر ویدی فاضل علوم مشرقی ومغربی، کی کتاب ''معاویہ کے بارے میں میری کتابیں'' سے پیش ہے۔ملاحظہ ہو:

''حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ملک عرب کے تمام قبیلوں میں جس قبیلہ کی سب سے زیادہ عزت اور سب سے زیادہ قدر ومنزلت کی جاتی تھی وہ قبیلہ قریش تھا، یہ قبیلہ دو خاندانوں میں منقسم تھا۔ان دو خاندانوں میں خاندان اول کو بنی ہاشم اور خاندان ثانی کو بنی امیہ کہتے ہیں۔یہ دونوں خاندان بھی دو جداگانہ حیثیت کے حامل ہیں، خاندان بنی ہاشم جس میں حضور سرور کائنات تشریف لائے ہیں وہ دنیا کے تمام خاندانوں میں ہر مسلمان

کے نزدیک سب سے زیادہ قابل عزت اور سب سے زیادہ قابل تعظیم خاندان ہے پھر وہ دوسرا خاندان جس کو خاندان بنی امیہ کہتے ہیں وہ ہر مسلمان کی نگاہ میں ایک بدنام اور مطعون خاندان ہے اس خاندان کا احترام صرف دو ہی عقیدے کے لوگ کرتے ہیں۔ جن میں سے ایک کو خارجی اور دوسرے کو ناصبی کہا جاتا ہے۔ یہی ناصبی ہیں جو حضور سرور عالمؐ کے صحابی، حضورؐ کے داماد اور حضورؐ کے چچازاد بھائی حضرت علی مرتضیٰؑ اور آپ کے دونوں صاحب زادے حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ سے نفرت کرتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ بغض وعداوت رکھتے ہیں۔ اور یہی وہ مخصوص فرقہ ہے اور مخصوص جماعت ہے جو معاویہ اور اسکے بیٹے یزید کو سراہتے ہیں۔ اور ان دونوں کے فضائل اور بڑائی بیان کرتے ہیں۔ (ص او ۲)

.... معاویہ نے سلطنت بنی امیہ کی بنیاد ڈالی۔ وہ بیس سال تک عہد فاروقی اور عہد عثمانی میں ملک شام کا گورنر رہا۔ اور بیس سال تک بلا شرکت ان تمام ممالک اسلامیہ کا واحد حکمراں بنا رہا۔ غرضیکہ اس نے چالیس سال تک حکومت کی اس کا پایہ تخت ملک شام کا خاص شہر دمشق تھا۔ اس کے باپ کا نام ابوسفیان اور ماں کا نام ہندیا ہندہ تھا۔ یزید جو حضرت امام حسینؑ کا قاتل ہے وہی اس کا اکلوتا بیٹا تھا جس کو معاویہ اپنے دل سے چاہتا تھا اور پیار کرتا تھا۔ معاویہ حضرت علیؑ کا جانی دشمن تھا (م م ص ۲۲۹، ۲۲۴) معاویہ حضرت علیؑ کو گالیاں دیتا تھا اور آپ پر لعنت کرتا تھا اور دوسرے لوگوں سے بھی اس فعل مذموم کی فرمائش کیا کرتا تھا (م م ۲۴۶ و ۲۲۹) محبان علیؑ کے ساتھ معاویہ نے ذرا بھی رحم وکرم نہیں کیا (م م ۲۷۰، ۲۶۱) یزید کی طرح جو امام حسینؑ کا قاتل ہے معاویہ نے بھی آپ کے بڑے بھائی کو زہر دلوا کر شہید کرایا (م م ۳۶۰، ۳۰۷) معاویہ نے اصحاب رسولؐ کو بھی مارا اور قتل کیا (م م ۳۳۶، ۳۴۶) (اور پھر ۳۵۲، ۳۴۹) معاویہ نے شہدائے احد کی قبریں کھدوا دیں۔ یہ مقدس شہداءُ رسول اللہ کے نہایت محبوب صحابی تھے۔ (م م ۳۶۵، ۳۶۰)

بچوں کو بھی اور ہندو بچوں کو بھی ماتم کرتے دیکھا ہے، ہاں جب وہی بچے بڑے ہو گئے تو انھوں نے ماتم ترک کر دیا اسلئے کہ باشعور ہونے پر انھیں اپنے مذہب کا احساس ہو گیا (یا بیدار کرا دیا گیا) چونکہ آپ خود شیعہ نہیں تھے، سنی ہونے کے باوجود مذہب اہلسنت سے زیادہ واقفیت نہیں تھی، قرآن وحدیث سے بے بہرہ تھے، اسلئے جوانی کی عمر میں پہونچنے کے بعد ایک حساس اور باشعور انسان ہونے کی وجہ سے مختلف فرقے اور مذاہب کے طور طریقے دیکھ کر الجھن میں مبتلا ہو جانا ایک فطری بات تھی اس الجھن کو دور کرنے کیلئے عربی زبان سیکھنا کتابوں کا مطالعہ کرنا۔ علماء سے رابطہ قائم کرنا بہت ہی اچھی بات ہے بس اسمیں اتنی سی بات ناچیز کیطرف سے قبول کر لیجئے کہ آپ حتیٰ الامکان غیر جنبہ داری کے ساتھ (نیوٹرل بنکر) تحقیقی نظر سے کتابوں کا مطالعہ فرمائیں، صرف قرآن پاک اور سیرت رسول کو اسٹینڈرڈ مان کر چلئے۔ حدیث اور تاریخ بس اسی حد تک قبول کیجئے کہ جو قرآن کے خلاف نہ ہوں اور جس سے حضور کی عظمت وعصمت کو ہلکی سی بھی ٹھیس نہ پہونچتی ہو۔ اسکے لئے ضروری ہے کہ بڑے بڑے صحابہ ازواج نبیؐ اور اہلبیتؑ کو بھی پہلے سے وہ بلند و بالا مقام نہ دیجئے کہ جب عظمت رسولؐ اور انکے درمیان ٹکراؤ پیدا ہو یا احکام خدا اور رسولؐ اور صحابہ یا ازواج کی طرف منسوب احکام میں تضاد پیدا ہو تو ان بزرگوں کو انکے فرضی بلند مقام سے نیچے اتارنے میں تکلف و تردد ہونے لگے۔

قرآن کریم اور عظمت رسولؐ کے مقابلہ میں کسی کتاب کو ترجیح نہ دیجئے، چاہے وہ صحیح بخاری ہی کیوں نہ ہو، اسطرح اگر آپ خود اپنے قول پر ڈٹے رہے یعنی ''میرا اثر اور قبولیت صرف قرآن ہے اور میرا ٹیچر صرف اللہ اور رسولؐ ہے'' تو انشاء اللہ ضرور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپکی مدد ہوگی، توفیق الٰہی شامل حال ہوگی نیز رحمۃ اللعالمینؐ کا سایہ رحمت آپکے سر پر ہوگا۔

یہ آپکے خط میں لکھی گئی چند باتوں پر اظہار خیال تھا جو کہ ''جواب خط'' کی شکل

معاویہ نے بہت سی ایسی باتیں ایجاد کیں جو قرآن اور حدیث کے سراسر خلاف ہیں (م م ۳۷۰،۳۷۶) معاویہ سر سے پیر تک دنیا پرست تھا (م م ۳۲۴،۳۱۶)

......معاویہ نے خلیفۂ وقت حضرت علیؑ کے خلاف بغاوت کی آپ کے ساتھ لڑا اور بے شمار سیاسی چالیں چلنے کے بعد سلطنت بنی امیہ کی بنیاد مستحکم کی۔ معاویہ کے مرنے کے بعد خاندان بنی امیہ میں تیرہ بادشاہ اور بھی گذرے اور اس خاندان کا نام ونشان تراسی (۸۳) برس اور چار مہینہ کے بعد بالکل مٹ گیا......"

بابا خلیل احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"معاویہ اور یزید کے بارے میں تین اعتقادی گروہ ہیں اور وہ یہ ہیں: پہلے گروہ کے لوگ معاویہ کو رسول اللہ کا صحابی نہیں مانتے۔ وہ اسے محض ایک بادشاہ تسلیم کرتے ہیں جسکے سامنے سوا اسکی مرضی اور اسکی خواہش کے نہ کوئی قانون تھا اور نہ کوئی آئین تھا۔ اسی لحاظ سے جب بھی وہ اس کے حالات لکھتے اور بیان کرتے ہیں تو انھیں اسی انداز سے بیان کرتے ہیں جس انداز سے دنیا کے اور بادشاہوں کے حالات اور واقعات لکھے جاتے اور بیان کئے جاتے ہیں۔ اس پہلے گروہ کے لوگ ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت سے اس کا ذرا بھی احترام نہیں کرتے...... معاویہ کے بارے میں دوسرا اعتقادی گروہ معاویہ کو باغی مانتا ہے اور اس گروہ کے لوگ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ سے لڑنے میں معاویہ برسر خطا یعنی خاطی تھا وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ معاویہ ایک ظالم اور بدکار بادشاہ تھا۔ لیکن ان تمام اقراروں اور اعترافوں کے باوجود معاویہ پر لعنت نہیں کرتے۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی اور ان کے مثل اکثر دیگر علمائے اسلام اسی دوسرے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں، میں نے اپنی کتابیں اسی گروہ کے لوگوں کے لئے لکھی ہیں۔ اور اس امید اور توقع پر کہ ان کتابوں کے ان حوالہ جات کو پڑھ کر اپنے اعتقاد کی اصلاح اور اپنی غلط فہمی کو دور کرلیں۔ جو حوالے میں

نے جا بجا قرآن، حدیث اور تواریخ کے دیئے ہیں جن کی مجموعی تعداد دوسو ہے اور جو تمام اہل سنت کے ہی مستندات اور معتبرات سے ہیں۔ معاویہ کے بارے میں تیسرا اعتقادی گروہ: معاویہ کو سراہتا اور اس کے فضائل ومناقب بیان کرتا ہے۔ اس گروہ کے لوگ معاویہ کی تعریف کچھ ایسے انداز سے کرتے ہیں جس کا کوئی ثبوت قرآن اور حدیث سے نہیں ملتا۔ جن حدیثوں کو وہ اس کے فضائل میں پیش کرتے ہیں وہ ساری حدیثیں جھوٹی ہیں اور محدثین ان میں سے کسی حدیث کو بھی صحیح نہیں مانتے۔ وہ معاویہ پر عاید کیئے ہوئے الزامات کی مخالفت کرتے ہیں مگر اپنی باتوں کی تائید میں کوئی ثبوت یا دلیل نہیں دیتے وہ محض تعصب کی بنا پر معاویہ کے بارے میں ہر صحیح بات کو غلط بتلاتے ہیں۔ اس گروہ کے لوگ طبعاً متعصب ہیں اس لئے کہ معاویہ کے بارے میں جو تاریخی باتیں لکھی اور بولی جاتی ہیں وہ ان باتوں کو کچھ ایسی باتیں سمجھتے ہیں کہ گویا وہ معاویہ پر گالیوں کی بوچھار ہیں۔ یہ معاویہ کے بارے میں سچائی کو چھپا کر عام مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ یہ محض عوام کے جذبات کے ساتھ کھیلتے ہیں۔ اور تمام معقول دلائل کو ٹھوکر لگا دیتے ہیں۔ یہ ہر اس ذی علم اور ذی ہوش انسان کے ساتھ سختی کرتے ہیں اور اسے مطعون اور بدنام کر کے گالیاں دیتے ہیں جو معاویہ کے بارے میں قرآن حدیث اور کتب تواریخ کی بتلائی ہوئی سچی باتوں کو بولتا اور لکھتا ہے۔ یہ اس ذہنیت کے لوگ ہیں کہ اگر قرآن وحدیث بھی معاویہ پر لعنت وملامت کریں تو ان کے ساتھ بھی گستاخی اور بے ادبی کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔......

میں اور میرے ساتھی معاویہ کے بارے میں مسلمانوں کے پہلے اعتقادی گروہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ہملوگ معاویہ کی بدکاریوں کے قائل ہیں اور اس کی ان ہی بدکاریوں کی وجہ سے اس پر لعنت کرتے ہیں۔ ہملوگ اسکے بیٹے یزید پر بھی لعنت کرتے ہیں اور ان دونوں کو بے دین اور منافق سمجھتے ہیں۔ ہم سب کے سب

سُنی ہیں اور ہمارا یہ اعتقاد قرآن وحدیث، مورخین اور سُنی فقہا کی تحریروں پر مبنی ہے جن کی کتابوں کی ایک لمبی فہرست میں نے ''مولیٰ اور معاویہ'' نیز اصحاب رسول اللہؐ اور معاویہ کی صحابیت' کے شروع میں ہی درج کردی ہے۔'' علامہ بابا خلیل احمد صاحب اسی کتاب ''معاویہ کے بارے میں میری کتابیں'' کے صفحہ ۹۴ پر اُن کتابوں کے بارے میں جن سے انھوں نے حوالے دئے ہیں، تحریر فرماتے ہیں ''کسی حوالہ کی صحت اور درستگی کا دارومدار اس کتاب کی صحت ودرستگی کے اوپر ہے جس کتاب سے وہ حوالہ نقل کیا گیا ہو۔ میں نے گذشتہ اوراق میں ان کتابوں کی ایک طویل فہرست درج کردی ہے جن کتابوں کے حوالے میں نے معاویہ کے بارے میں اپنی تالیفات کے اندر جابجا دئے ہیں قرآن شریف کو ملا کر ان تمام کتابوں کی مجموعی تعداد دو سو ہے۔ اور یہ تمام کتابیں اہل سنت کے مستندات اور معتبرات سے ہیں۔ نیز یہ کہ ان کتابوں کے لکھنے والے بڑے مشہور و معروف علماء اور محدثین ہیں جو ہر اس سُنی کے پیشوا اور روحانی امام ہیں جو سُنی ہونے کا دعویٰ کرتا ہو اور اپنے کو سنی مذہب کا پابند سمجھتا ہو۔'' پھر آگے بڑھ کر صفحہ ۹۶ پر لکھتے ہیں ۔''معاویہ کے بارے میں جو میری تالیفات ہیں ان تالیفات کے اندر کیا ہیں؟ ان کے اندر امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام حنبل کے ارشادات ہیں۔ نیز پنچانوے (۹۵) ایسے علماء اور محدثین کے اقوال ہیں جو تمام سنی یا اہل سنت ہیں۔ میری تالیفات کے اندر شیعہ کا کوئی ایک قول بھی نہیں ہے۔''

حضرت علیؑ بابا صاحب کی نظر میں: بابا خلیل احمد صاحب اپنی کتاب ''معاویہ کے بارے میں میری کتابیں'' کے ص ۱۰۲ تا ۱۰۶، پر اپنے سنی عقیدہ کے تحت حضرت علیؑ کی تصویر ان لفظوں میں پیش کرتے ہیں: اللہ کے نام کے بعد محمدؐ اور علیؑ یہ دو نام ایسے ہیں جو بغیر کسی توصیفی لفظ یا توصیفی کلمہ کا اضافہ کئے ہوئے ان

تمام اوصاف حسنہ اور اخلاق جمیلہ کا بذات خود اظہار کر دیتے ہیں جو ان دونوں مقدس ہستیوںؑ کے اندر موجود تھے۔ محمدؐ کے معنی ہیں تعریف کیا گیا اور سراہا گیا' چنانچہ یہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ جتنے بھی اوصاف جمیلہ ہو سکتے ہیں وہ سب کے سب اتمام اور اپنے کمال کے ساتھ اس نامؐ کے اندر موجود ہیں...... وہ دوسرا مقدس اسم جو اپنے مسمی کے تمام اعلیٰ اور اولیٰ اوصاف اور بلند و بالا اخلاق کا مظہر ہے وہ اسم اسم علیؑ ہے، علیؑ کے معنی ہیں اعلیٰ اور بلند۔ اگر ہم لوگ علیؑ کی زندگی پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھیں گے کہ علی ہر حیثیت سے بلند اور برتر ہیں۔ ان کی خاندانی عظمت ہر شخص کو معلوم ہے۔ وہ اپنے والد بزرگوار حضرت ابو طالب کے تمام بیٹوں میں اپنے باپ کے سب سے زیادہ محبوب اور معزز بیٹے تھے۔ من حیث ولادت ان کی شان نہایت ہی بلند و بالا ہے۔ اسلئے کہ وہ خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے وہ نہایت خوش بخت اور بلند اقبال تھے اسلئے کہ سیدہ فاطمہ زہراؑ کی جیسی ان کو اہلیہ محترمہ ملی تھیں۔ اور امام حسنؑ اور امام حسینؑ جیسے انھوں نے بیٹے پائے تھے آپ کے گیارہ بیٹے اور پوتے قیامت تک کے لئے تمام مومنین کے امام اور پیشوا ہیں۔ نوعمر لوگوں میں آپ ہی پہلے انسان ہیں جنھوں نے حضور سرور کائناتؐ کے لائے ہوئے خدائی پیغام کی تصدیق کی۔ ہر جنگ اور جہاد میں فتح و کامرانی کا سہرا آپ ہی کے سر رہا۔ آپ کے علم کی وسعت کا اعلان محبوب خدا نے یوں فرمایا کہ خود کو علم کا شہر بتلایا اور علیؑ کو اس کا دروازہ قرار دیا۔ حضرت عمر نے آپ کے متعلق فرمایا کہ "اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا" تمام صحابہٴ کرام نے آپ کو متفقہ طور پر جماعت صحابہ میں سب سے زیادہ ذی علم اور سب سے بڑا فقیہ مانا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار کا ایمان و اسلام کامل تھا۔ اور ہم لوگوں کے لئے اس میں کسی شک یا شبہ کی گنجائش نہیں ہے، جب آپ خلیفہ تھے اس وقت بھی آپ نے ایک فقیر کی سی زندگی گزاری۔ سب سے بڑی بات جو آپ کے اندر تھی اور جس نے دنیا کو حیرت

میں ڈال رکھا تھا وہ آپ کے دو متضاد صفات تھے، یعنی آپ بہت ہی سخت بھی تھے اورنہایت ہی رحیم وکریم بھی تھے۔ لیکن آپ کی سختی صرف میدان جنگ تک محدود تھی۔ مگر آپ کا رحم وکرم ہر مسکین اور ہر محتاج کے لئے عام تھا۔ منبر پر آپ ایک نہایت ہی فصیح وبلیغ خطیب تھے۔ اور میدان حرب وضرب میں ایک نہایت ہی بہادر سپاہی اور ایک نہایت تجربہ کار جنرل تھے، زہد وعبادت کا یہ عالم تھا کہ سال میں ہر ایک مہینہ کا اکثر وبیشتر حصہ خلوت کے اندر ذکر خدا ہی میں گذارا کرتے تھے، ہمارے مولیٰ مکر وفریب سے بالکل دور تھے۔ آپ کی سیاست آپ کے ضمیر کی آواز تھی۔ آپ کی پاک اور زاہدانہ زندگی ہر نفسانی غرض وغایت سے منزہ اور مبرہ تھی۔ آپ نے خلیفہ بننے کی کبھی خواہش نہیں کی۔ آپ نے خلافت کا عہدہ لوگوں کی مخلصانہ درخواست پر منظور فرمایا تھا۔ آپ محض ایک مسلمان ہی نہیں بلکہ مومن تھے۔ اور حق تو یہ ہے کہ کوئی مومن بغیر آپ کے وسیلہ کے مومن نہیں ہوسکتا۔ بھلا ایمان کی حقیقت کو کون جان سکتا ہے، اگر وہ نہ جانیں جو خود ایمان واسلام کے ایک جزو عظیم اور رکن اعظم ہیں۔" .... "اسپرٹ آف اسلام" کے اندر جناب جسٹس امیر علی صاحب (ایک سُنی مورخ) لکھتے ہیں۔ "خلیفہ علیؑ اپنے غدار اور مکار دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے کے موقع پر بھی اپنی فوج کو ہمیشہ یہی حکم دیا کرتے تھے کہ وہ پہلے حملہ نہ کریں بلکہ دشمن کے حملہ کا انتظار کریں۔ نیز یہ کہ بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کریں، قیدیوں کی عزت کریں اور کسی حالت میں بھی عورت کی بے حرمتی نہ کریں۔ بستر مرگ پر اپنی آخری سانس کے نکلتے نکلتے آپ نے اپنے صاحبزادوں کو یہ حکم دیا کہ وہ آپ کے قاتل کو تلوار کے ایک ہی ضرب سے قتل کریں تاکہ اس کو کوئی زیادہ اذیت اور تکلیف نہ ہونے پائے۔"

محترم! بحیثیتِ استدلال امیر معاویہ کی حقیقت واضح کرنے کے لئے مندرجہ بالا اقتباسات بہت ہیں، مگر آپ کی تشفی اور مزید اطمینان کے لئے "فلک

النجاۃ'' کے حوالے سے (ص ۵۱ تا ۷۹) چند اقتباسات اور پیش ہیں، یہ کتاب مولانا حافظ علی محمد صاحبؒ (سابق سنی المذہب) وعالیجناب حکیم امیر الدین صاحبؒ (سابق سُنی المذہب) کی تحقیقی کاوش کا نتیجہ ہے، جو ۱۹۳۴ھ میں مطبع امرت الکٹرک پریس لاہور میں طبع ہوئی۔ ملاحظہ ہو:

''مسلم نے اپنی صحیح جلد ۲ ص ۲۷۸ میں عامر ابن سعد ابن ابی وقاص سے روایت کی ہے کہ وہ اپنے باپ سعد سے روایت کرتا ہے کہ معاویہ ابن ابوسفیان نے سعد کو سب کا امر کیا پس کہا کہ کیا چیز تم کو ابی تراب (علیؑ) کے سب کرنے سے منع کرتی ہے؟ تو سعد نے کہا کہ میں ہرگز حضرت ابی تراب (علیؑ) کو گالی نہیں نکالتا جب تک مجھے تین باتیں یاد ہیں جو رسول صلعم نے حضرت علیؑ کے حق میں فرمائی ہیں البتہ اگر مجھے ان تین میں سے ایک بھی نصیب ہوتی تو مجھے سرخ اونٹوں کے حاصل ہو جانے سے زیادہ پسند تھی...... حافظ سیوطی نے تاریخ الخلفاء ص ۱۶۶، ۹۴ میں لکھا ہے کہ بنوامیہ علیؑ ابن ابی طالب کو خطبہ کے اندر گالیاں دیا کرتے تھے، پس جب عمر ابن عبدالعزیز کو سلطنت ملی تو اس نے یہ حکم خطبہ میں گالی نکالنے کا مٹا دیا اور اپنے کارندوں کو لکھا کہ گالی کی جگہ یہ آیت پڑھا کرو اور خود بھی یہی پڑھنی شروع کی ان اللــه یا مر بالعدل...... یعنی بہ تحقیق اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے الخ (وکذا فی حیٰوۃ الحیوان جلد ۱ ص ۶۳ و مرج الذہب جلد ۳ ص ۱۲۰) اسی طرح علامہ زمخشری کی تفسیر کشاف جلد ۱ ص ۱۰۳ مطبوعہ مصر میں لکھا ہے۔ اور اسوقت سے ہمیشہ کے لئے گالی کی بجائے اس سنت کا رواج آج تک جاری ہو گیا ہے...... اسی طرح عقد الفرید جلد ۲ ص ۳۳۱ میں اور تاریخ الخلفاء ص ۱۲۹ و تذکرۃ الخواص سبط ابن الجوزی ص ۱۱۹، ۱۲۰ میں ہے ابن سعد نے عمیر ابن اسحٰق سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ مروان، معاویہ کی طرف سے ہم پر سردار ہو کر آیا تھا اور وہ جناب برادر رسول اللہؐ حضرت علیؑ کو ہر جمعہ کے دن منبر پر گالیاں دیتا تھا اور امام حسنؑ بھی سنتے

تھے لیکن کوئی جواب نہیں دیتے تھے۔ پھر ایک آدمی کو مروان نے حضرت حسنؑ کی طرف بھیج کر کہلا بھیجا کہ علیؑ ایسا، علی ایسا، علی ایسا، اور تو ویسا، تو ویسا، تو ویسا اور میں نے تو یہی معلوم کیا ہے کہ تیری مثال ٹھیک ایک خچر کی ہے الخ...... روضۃ الصفا جلد ۳ طبع نولکشور پریس لکھنؤ بیان شرائط صلح میں ہے کہ ایک شرط منجملہ شرائط کے یہ مقرر ہوئی کہ امیر المومنین حضرت علیؑ کو گالی نہ دیں لیکن بیان کرتے ہیں کہ معاویہ نے دوسری شرطوں کو منظور کیا مگر گالیٔ امیر المومنین کی شرط کو اس قدر منظور کیا کہ جس مجلس میں امام حسنؑ موجود ہوں میں حکم دونگا کہ اس میں گالی نہ دینا (جو یہ بھی پوری نہ ہوئی) شرح ابن ابی الحدید جلد ۴ ص ۱۵ میں بھی اسی طرح ہے۔ اور تاریخ ابو الفدا جلد ا ص ۲۱۲ میں ہے کہ خلفاء بنی امیہ امیر المومنین حضرت علیؑ کو ۴۱ھ سے گالیاں دیتے تھے جس میں امام حسنؑ نے خلافت کو بھی چھوڑ دیا تھا حتیٰ کہ اول ۹۹ھ سے آخر خلافت سلیمان بن عبد الملک تک یہ طریقہ جاری رہا پھر جبکہ عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہوا تو اس نے یہ عمل ہٹا دیا...... حیٰوۃ الحیوان مولفہ علامہ دمیری جلد ا ص ۵۴ مطبوعہ مصر میں ہے کہ "ابن خلکان نے کہا ہے جب امام حسنؑ مریض ہوئے مروان بن الحکم نے معاویہ کی طرف لکھا تو معاویہ نے مروان کی طرف یہ لکھا کہ خبر حسنؑ کے لئے میری طرف جلد سوار دوڑا دینا۔ جب معاویہ کو موتِ امام حسنؑ کی خبر پہونچی تو سبز محل معاویہ سے تکبیر کی آواز بلند ہوئی اور شام کے سب لوگ اسی سبب سے تکبیریں کہنے لگے فاختہ دخترِ قریظہ نے معاویہ کو کہا کہ تیری آنکھوں کو ٹھنڈک پہونچے (کلمہ دعائیہ) کیا خوشی پیدا ہوئی جس پر یہ تکبیریں پڑھی جا رہی ہیں؟ معاویہ نے کہا کہ حسنؑ فوت ہو گئے ہیں۔ فاختہ نے کہا کیا تو موتِ جناب فاطمہ کے بیٹے پر خوشی کی تکبیر پڑھتا ہے؟ معاویہ بولا کہ قسم بخدا میں نے صرف موت پر خوش ہونے کی وجہ سے تکبیر نہیں پڑھی ہے بلکہ میرے دل کو ٹھنڈک اور راحت پہونچی ہے، اور جب ابن عباسؓ معاویہ کے پاس گئے تو معاویہ نے ابن

عباسؓ سے کہا کیا تجھے معلوم ہے جو تیرے اہلبیت میں ایک امر ظاہر ہوا ہے؟ ابن عباسؓ نے کہا نہیں معلوم کیا پیدا ہوا ہے۔ میں صرف یہ معلوم کر رہا ہوں کہ آج تو کیوں خوش ہے اور خوشی سے شکریہ کی تکبیریں کہہ رہا ہے۔ معاویہ نے کہا کہ حسنؑ مر گیا ہے، پس ابن عباسؓ نے کہا اللہ تعالیٰ ابو محمد حسنؑ پر رحمت کرے۔ تین بار فرمایا (پھر کہا) خدا کی قسم اے معاویہ تیرے گڑھے کو اس کا گڑھا پُر نہیں کر سکتا اور اس کی عمر ختم ہونے سے تیری عمر زیادہ نہیں ہو سکتی......" (وکذا فی نصائح کافیہ ص ۶۹، تذکرۃ الخواص ص ۱۲۳، الامامتہ والسیاستہ جلد ا ص ۱۲۷، عقد الفرید جلد ۳ ص ۱۲۴، تاریخ ابوالفدا ا ۴۴۵)

.... شرح نہج البلاغہ مولفہ علامہ ابن ابی الحدید طبع مصر جلد ۳ ص ۲۵۵ میں ہے کہ "عباس بن بکار شعبی نے کہا مجھے ابو بکر ہذلی نے زہری سے کہا کہ ابن عباسؓ نے معاویہ کو کہا کہ تو اس شخص (علیؑ) کو گالی نکالنے سے کیوں باز نہیں رہتا؟ معاویہ نے کہا اس وقت تک نہیں باز آؤنگا جب تک کہ اسی طریقہ پر لڑکے جوان نہ ہو جائیں اور جوان اسی رسم ورواج پر بوڑھے نہ ہو جائیں، چنانچہ اسی طرح ہوتا رہا۔ پھر جب عمر بن عبدالعزیز والی ہوا تو وہ گالی نکالنے سے باز آ گیا اس پر لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ اس نے سنت کو ترک کر دیا ہے...... (یہ مضمون برحاشیہ کامل جلد ۶ ص ۱۰۷' اور مروج الذہب طبع جدید مصر جلد ۲ ص ۲۳۳ میں بھی اس اضافہ کے ساتھ ہے)" ذکر بعض الاخیاریین انہٗ قال الرجل من اھل الشام من زعمائھم والرائی والعقل منھم من ابو تراب ھذاالذی یلعنہ الامام علی المنبر قال اراہ لصامن لصوص الفتن ☆یعنی معاویہ کے انتظام کا یہ نتیجہ تھا کہ لوگ علیؑ کے مرتبہ اور شان سے نا آشنا ہو گئے کہ شامیوں کے عقلمند (اور اہل الرائے) آدمی سے ابوتراب کی شخصیت پوچھی گئی کہ جس ابو تراب کو امام معاویہ لعنت کرتا ہے وہ کون آدمی ہے؟ شامی نے کہا میرے علم کے

مطابق وہ کوئی فتنہ باز چور اور ڈاکو آدمی ہے..........'' خصائص نسائی ص ۸۸ میں
ام سلمہؓ سے روایت ہے ''بتحقیق رسولخداؐ نے عمارؓ سے فرمایا کہ تجھے باغی گروہ قتل
کریگا۔'' اسی کے صفحہ ۸۹ پر انہی سے روایت ہے ''فرمایا رسول صلعم نے سمیہ کے
بیٹے عمارؓ کو باغی گروہ قتل کریگا.....'' ص ۹۰ پر ہے ''ابی سعید خذری نے کہا مجھے مجھ
سے اچھے آدمی نے بیان کیا ہے یعنی ابوقتادہ نے کہ تحقیق رسولخداؐ نے عمار کو فرمایا اے
ابن سمیہ! اور اسکے سر سے غبار بھی جھاڑا (یعنی رسول خداؐ نے عمارؓ کے سر سے غبار کو
جھاڑا اور فرمایا اے عمار) قریب ہے کہ تجھے باغی گروہ قتل کریگا۔''..........امام محمد
ابن اسماعیل بخاری نے اپنی صحیح میں عکرمہ سے روایت کی ہے کہ ''مجھے اور اپنے بیٹے
علی کے لئے ابن عباس نے کہا چلو ابی سعید کی طرف اور اس سے کوئی حدیث سنو
ہم گئے تو وہ ایک باغیچہ کی چاردیواری کے اندر اس کی درستی کر رہے تھے آئے اور
اپنی چادر لے کر چار زانو ہو کر بیٹھے پھر حدیث بیان کرنی شروع کی یہاں تک کہ
بناء مسجد کا ذکر آ گیا تو کہا کہ ہم مسجد کی اینٹیں اٹھاتے وقت ایک ایک اینٹ اٹھاتے
اور عمارؓ دو دو اینٹیں اٹھاتے تھے نبیؐ نے اسکو دیکھا اور اس سے غبار کو جھاڑا اور فرمایا
افسوس ہے عمارؓ کو باغی گروہ قتل کریگا، عمارؓ ان کو بہشت کی طرف بلائینگے اور وہ گروہ
مخالف اس کو دوزخ کی طرف بلائے گا...... (صحابیوں کا نام لکھنے کے بعد) پس یہ
ستائیس ۲۷ صحابی ہیں اور ان میں خزیمہؓ جو ہے وہ دو صحابیوں کے برابر ہے......''
نووی نے شرح مسلم جلد ا ص ۳۱۴ میں لکھا ہے امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ ''جو امام
حق کے ساتھ جنگ کرنے والا ہو اور کہیں جا کر مرے یا وہ جو امام کے مقابل لڑتا
ہوا وہاں قتل ہو جائے تو اس پر نماز جنازہ نہ پڑھنی چاہئے۔'' درمختار فقہ حنفیہ جلد ا
ص ۶۰ میں ہے ''اور نماز جنازہ ہر مسلمان پر فرض ہے سوائے چار قسم کے جن پر نماز
جنازہ نہ پڑھی جائے اور نہ ان کو غسل دیا جائے وہ باغی لوگ اور ڈاکو لوگ ہیں......''
(نوٹ: باقی دو قسم بھی ذکر کئے ہیں لیکن بقدر حاجت نقل کیا گیا ہے)

محترم رزاق بھائی! ابھی میرے پیش نظر علماء اہل سنت کی بے شمار تحریریں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ امیر معاویہ موقع پرست مسلمان تھے، حضرت علیؑ کے سخت ترین دشمن تھے، امام حسنؑ کی شہادت میں شریک تھے۔ عمارؓ یاسر کے قاتل تھے، جہنمی گروہ کے سردار تھے......، وغیرہ وغیرہ۔ مجھے یقین ہے کہ آپ نے ضرور مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں پہچان لیا ہوگا کہ اسلام کا اندرونی دشمن کون تھا اور اس نے اسلام کو کتنا نقصان پہونچایا۔

احوال یزید (مختصراً) علمائے اہل سنت کی نظر میں:

محترم رزاق بھائی! یزید کے کارنامے اتنے مشہور و معروف ہیں کہ نواصب یعنی اہلبیت اطہارؑ کے کھلے دشمنوں کے علاوہ کوئی بھی اس کا طرفدار نہیں ہوسکتا۔ مجھے تعجب ہے کہ آپ جیسے مسلمان کے دل میں یزید کے لئے کیسے نرم گوشہ پیدا ہوگیا (نعوذ باللہ من ذلک)۔ بہرحال گزشتہ اوراق میں کتب علمائے اہل سنت سے یزید کا کفر ثابت کیا جاچکا ہے۔ مزید اطمینان کے لئے کتاب ''فلک النجاۃ'' کے حوالہ سے علماء اہل سنت کے چند اقتباسات اور پیش خدمت ہیں۔ ملاحظہ ہو...... ''شرح عقائد تفتازانی ص ۱۱۷ میں ہے کہ بعض علماء نے یزید پر لعنت کا اطلاق کیا ہے اس لئے کہ وہ قتل امام حسینؑ کے حکم دینے سے کافر ہوگیا ہے اور انھوں نے قاتل امام حسینؑ اور آمر بالقتل اور اجازتِ قتل دینے والے اور اس پر راضی ہونے والے کی لعنت پر اتفاق کیا ہے اور حق یہ ہے کہ بہ تحقیق رضامندی یزید کی قتل حسینؑ پر اور اس کا اس فعل پر خوش ہونا اور اسکی اہلبیتؑ کے حق میں اہانت کرنی یہ ایسی باتیں ہیں جو تواتر معنوی سے ثابت ہو چکی ہیں اگر چہ تفصیل اسکی احادیث سے ثابت ہے پس ہم تو اسکے حال بلکہ اسکے ایمان میں کسی مزید تحقیق کے لئے توقف نہیں کرتے بلکہ صاف کہتے ہیں کہ اس پر اور اس کے یاران و مددگاران

میں ارسال خدمت ہے۔ جناب ڈاکٹر محمد تیجانی کی کتاب پر جو تبصرہ آپ نے تحریر فرمایا ہے اس کا جواب کتابی شکل میں بنام ''جستجو'' پیش ہے۔ اسکے علاوہ، اسلام کے حقیقی اصول وعقائد کا ایک خاکہ ''ضمیمہ کتاب جستجو'' بھی حاضر ہے جسمیں مختصر طور سے اصول دین پر بحث کی گئی ہے۔ امید ہے کہ دونوں کتابوں کا تفکر وتدبر سے مطالعہ فرما کر اپنے بیش قیمت خیالات سے مطلع فرمائینگے، کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو متوجہ فرمائینگے تاکہ اس کا تدارک کیا جا سکے اور اپنے ساتھ حقیر کو بھی دعاؤں میں یاد کرتے رہینگے۔ و آخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین ☆ معصومینؑ کی تعلیم کردہ مندرجہ ذیل دعا پر میں اپنے اس ''جواب خط'' کو ختم کر رہا ہوں۔

اللهم ثبتنا علیٰ دینك مااحییتنا ولا تزغ قلوبنا بعد اذهدیتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب واجرنا من النار برحمتك یا ارحم الراحمین☆

احقر العباد

سید ذرالحسن الرضوی عفی عنہ

''جستجوئے دین حق'' ضروری۔ کیوں؟

رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی اور ان میں سب جہنمی ہوں گے۔ سوائے ایک فرقہ کے۔ علماء شیعہ کے علاوہ اس حدیث کو تین صاحبانِ صحاح، ابن ماجہ ترمذی اور ابوداؤد نے اور انکے علاوہ متعدد معتبر محدثین نے درج کیا ہے۔ (صحیح ترمذی جلد ۲ ص ۸۹، سنن ابوداؤد مترجم ص ۱۱۷، ازالۃ الخفا جلد ۱ ص ۱۳۲ مطبع صدیقی دہلی درمنثور سیوطی جلد ۳ ص ۶۰، سنن ابن ماجہ ص ۱۳۲۱ وغیرہ)

پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے...... تاریخ طبری ص ۲۱۷۴ طبع لندن ۱۲۸۴ھ میں ہے کہ جب سر مبارک امام حسینؑ کا لایا گیا تو یزید نے اہل شام کو جمع کیا اور سر مبارک امام حسینؑ کے ساتھ ایک بید کی چھڑی سے بے ادبی کرتا تھا۔ یعنی دندان مبارک اور سر مبارک پر ٹھکراتا تھا اور دہن مبارک کو اس سے کھولتا تھا اور اسوقت یہ اشعار پڑھتا تھا۔ آرزو ہے کہ میرے بزرگان بدر والے آج دیکھتے...... الخ تا اینکہ کہا اگر دیکھتے تو خوش ہوتے اور خوشی کے نعرے لگاتے پھر کہا میں خندف سے نہیں تھا اگر اولاد احمدؐ سے ان کے افعال بدر وغیرہ کا بدلہ نہ لے لیتا۔ بنی ہاشم ملک میں کھیل بنائے پھرے ہیں ورنہ نہ تو کوئی وحی اتری ہے اور نہ کوئی خبر آئی ہے...... صواعق محرقہ ص ۱۳۲ میں لکھا ہے کہ اس لشکر یزیدی سے قتل اور فساد عظیم واقع ہوا اور قید کرنا اور مدینہ کو مباح کرنا جو مشہور ہے کہ تین سو باکرہ کا بکر توڑنا اور قتل صحابہ کا مثل اسی تعداد کے اور قاریان قرآن تقریباً سات سو کا قتل کرنا وقوع میں آیا اور چند ایام مدینہ ایسے افعال کے لئے مباح سمجھا گیا اور مسجد نبویؐ میں بہت دن جماعت بند رہی اور مدینہ والے بہت دن چھپ کر جان بچاتے رہے اور کسی کو مسجد نبویؐ میں داخل ہونا ناممکن تھا تا اینکہ کتے اور بھیڑیئے اس میں داخل ہوتے تھے اور منبر نبویؐ پر پیشاب کرتے تھے۔ یہ صورت حدیثِ نبی صلعم کی تصدیق کرتی ہے...... بہ تحقیق ثابت ہوا ہے کہ یزید نے اپنی ماں مرجانہ کے ساتھ...... جسکو خواجہ حسن نظامی صاحب (سنی المذہب) نے اپنے رسالہ ''طمانچہ بر رخسار یزید'' ص ۳۰ میں ثابت کیا ہے...... تحقیق نبی صلعم نے اس بات کی خبر دی ہے، جیسا کہ امام ترمذی نے عبداللہ ابن عمر سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ ہماری امت پر وہی زمانہ آئے گا جو بنی اسرائیل پر آیا تھا برابر جیسے جوتا ایک پاؤں کا دوسرے کے مطابق ہوتا ہے تا اینکہ کسی نے اپنی ماں سے (فعل بد)...... کیا ہے تو میری امت میں بھی ایسا ہی ہوگا جو یہ فعل بھی کریگا...... الخ کذا فی المشکوٰۃ جلد ا ص ۲۲ اور صواعق محرقہ طبع

مصر ۱۳۲۲ھ..........اور شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ص ۸۸ مطبوعہ "ہندو پریس لاہور" میں ہے کہ کفر یزید میں اختلاف کیا گیا ہے، بعض نے کہا ہاں کافر ہے بسبب اسکے کہ یزید سے ایسے افعال واقوال مروی ہیں جو اس کے کفر پر دلالت کرتے ہیں۔ شراب کے حلال کرنے اور بعد قتل حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کے اس کے بکواس کرنے سے کہ میں نے ان کو اس فعل کی سزا دی ہے جو انھوں نے بزرگان وامراء قریش کے ساتھ بدر وغیرہ میں کیا تھا اور غالباً امام احمد کا فتویٰ کفر یزید پر اسی وجہ سے ہے کہ اس کے نزدیک یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچی ہے اور اسی طرح علی قاری نے "شرح قصیدۂ امالی" ص ۳۴ میں نقل کیا ہے کہ "ہم اپنے اس فصل کو اپنے اس قول سے ختم کرتے ہیں کہ یزید اور اسکے گروہ اور مددگاروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔"

محترم رزاق بھائی! یزید کی بدعقیدگی اور فسق وفجور کی انتہا یہ ہے کہ بقول شاہ عبدالحق محدث دہلوی "یزید نے ام المومنین حضرت عائشہ کے حُسن وجمال کو سن کر آپ کے بارے میں ہوس کی۔ لوگوں نے جب منع کیا تو وہ باز رہا" (ملاحظہ ہو مدارج النبوۃ ص ۱۴۵)۔ قاضی صبغۃ اللہ صاحب (حنفی) اپنی کتاب "نور العین فی مشہد الحسینؑ" ص ۳۸۰ میں لکھتے ہیں "زنا کاری شراب خواری اس (یزید) کے نزدیک کوئی عیب نہ تھا۔ اس نے اپنی عمر میں تین سو دوشیزہ عورتوں کی عصمت دری کی اور صحابیوں کو قتل کرایا اور مسجد رسولؐ میں کتے چھوڑے"...... محترم! لیجئے اس سلسلہ کی آخری گفتگو ہندوستان کے مشہور ومعروف سُنی (صوفی) عالم مولانا سید شاہ محمد قائم صاحب رضوی چشتی نظامی سجادہ نشین خانقاہ دانا پور پٹنہ کی کتاب "کفر یزید" سے پڑھ لیجئے۔ مولانا تحریر فرماتے ہیں"...... میں ہی تنہا یزید کو کافر نہیں کہتا، اللہ تعالیٰ مجھے دامن اہلبیت میں پناہ دے۔ اب میں ایک ایسا قول پیش کرتا ہوں جس سے شاید ہی دنیا میں کوئی سرتابی وانکار کرسکے۔ حضرت سید الشہدا امام

حسین علیہ السلام کی صاحبزادی حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا نے یزید پلید کو کافر فرمایا (تاریخ کامل جلد ۴ ص ۴۷) میری جرأت نہیں کہ میں حضرت سکینہؓ کے مقابلہ میں چون وچرا کر کے کافر بنوں۔ قرآن پاک کی آیتیں مع تفسیر میں نے پیش کیں جس سے ظاہر وثابت ہے یزید اور اس کے ساتھی اور طرفداران یزید کا بھی وہی انجام، وہی حشر۔ دونوں کی برابر سزا، المختصر یزید کافر تھا، کافر مرا، اس کو کافر ہی سمجھنے میں جان بچیگی ورنہ نہیں۔"

برادرم رزاق بھائی! مندرجہ بالا تمام حوالہ جات ایک ہی فرقہ یعنی مذہب اہل سنت والجماعت سے پیش کیے گئے ہیں۔ یقیناً علماء اہل سنت کی ہی کتابوں میں چند وضعی اور خودساختہ روایتیں بھی امیر معاویہ اور یزید کی مدح وثنا میں پائی جاتی ہیں، جو کہ مستند احادیث وروایات نیز قرآنی دلائل کی روشنی میں غلط ثابت ہیں۔ اسطرح کی وضعی اور غلط روایتوں کا کتب اہل سنت والجماعت میں پایا جانا تعجب خیز نہیں ہے۔ اسلئے کہ ۸۳ سال تک دور خلافت وحکومت بنی امیہ میں روایت واحادیث کی فیکٹری کھلی ہوئی تھی، جسکا تفصیلی جائزہ پہلے ہی پیش کیا جاچکا ہے۔ محترم! میں پھر عرض کرونگا کہ قرآن، حدیث اور سیرت پیغمبرؐ کی روشنی میں جو منتخب پروردگار افراد ہیں انکے خلاف جو بھی قول وعمل ہوگا وہ ناقابل قبول ہوگا اور ان ذوات مقدسہ کا دشمن، اسلام کا دشمن ہوگا۔ محترم اگر آپ کی تحریر کے مطابق انسان کی لکھی ہوئی تمام کتابوں کو ایک سرے سے ناقابل اعتبار قرار دے دیا جائے تو تفسیر، سیرت، عبادات معاملات، غرض تمام شرعی احکام پر سوالیہ نشان لگ جائیگا اسلئے کہ یہ تمام علوم ہمارے پاس مکتوبی شکل میں ہی منتقل ہوئے ہیں۔ یہ نہ بھولئے کہ مذہب اہل سنت کا جن چھ کتابوں (صحاح ستہ) پر دار ومدار ہے وہ بھی انسان کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں۔ اسلئے یہ نہ کہئے کہ انسان کی لکھی ہوئی تمام تحریریں غیر معتبر ہیں۔ بلکہ اسمیں اک ذراسی ترمیم کر لیجئے پھر کہئے کہ "وہ تمام انسانی تحریریں

غیر معتبر اور نا قابل تسلیم ہیں جو قرآن اور سیرت محمدؐ وآل محمدؐ کے خلاف ہیں'' آپ جب یہ کسوٹی پیش نظر رکھیں گے تو دوست اور دشمن، حق اور باطل، عادل اور ظالم مومن اور منافق میں امتیاز پیدا کرنے میں دشواری نہ ہوگی۔ نہ کسی بے دین ظالم وفاسق کو بچانے کے لئے تاویل کی راہ تلاش کرنی ہوگی اور نہ کسی معصوم ومظلوم کی حق تلفی ہوگی، نتیجتاً دنیا اور آخرت دونوں جگہ فلاح وکامیابی حاصل ہوگی۔

وما علینا الا البلاغ۔

(اے ابو بکر!) کیا پتہ تم میرے بعد کیا کرنے والے ہو؟

ت: میں نے (امام مالک کی کتاب) موطا کھولی اور اس میں سے مالک کی یہ روایت نکالی کہ رسول اکرمؐ نے شہدائے احد کی طرف منھ کر کے فرمایا کہ یہ وہ افراد ہیں جنکے بارے میں میں گواہی دے رہا ہوں...... تو ابو بکر نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا ہم ان کے بھائی نہیں ہیں کہ جس طرح یہ ایمان لائے ہیں اسی طرح ہم بھی ایمان لے آئے ہیں اور جس طرح انھوں نے جہاد کیا ہے ہم نے بھی جہاد کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے، لیکن یہ کیا معلوم کہ تم میرے بعد کیا کرنے والے ہو، یہ سنکر ابو بکر روئے اور بہت روئے اور کہا کہ ''ہم آپ کے بعد رہنے والے ہیں'' (موطا اص ۳۰۷، مغازی واقدی ص ۳۱۰)

ر: یہاں پر شہیدوں اور زندہ لوگوں کے بارے میں بات چل رہی ہے اگر ''ابو بکر رسول کے بعد کیا کرنے والے ہیں'' تو یہی حضرت علیؑ پر بھی لاگو ہوتا ہے۔

د: جناب رزاق صاحب! تعجب ہے اور افسوس بھی کہ آپ یہاں بلا کسی وجہ اور ربط کے حضرت علیؑ کا ذکر کیوں درمیان میں لے آئے؟ ذرا غور فرمایئے کہ جب آنحضرتؐ شہدائے احد کے فضائل بیان کر رہے تھے تو کون سا محل تھا کہ حضرت ابو بکر اپنے بارے میں آنحضرتؐ سے سوال کریں خود اپنے بارے میں حضرت ابو بکر کا استفسار اُن کے عدم اطمینان ویقین کو ظاہر کرتا ہے۔ اور جناب رسالتمآب

کا یہ ارشاد کہ "یہ کیا معلوم کہ تم میرے بعد کیا کرنے والے ہو" اور حضرت ابوبکر کا اس جملہ پر بہت رونا ان خدشات کو اور تقویت پہونچاتا ہے جو سرکار رسالتمآبؐ نے ظاہر فرمائے اور حضرت ابوبکر خود محسوس کر رہے تھے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے جن خدشات کا اظہار فرمایا وہ آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر نے اپنے عمل سے صحیح ثابت کر دیئے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا؟ رسول منزل وحی تھے اور مستقبل کے حالات سے واقف تھے۔ حضرت ابوبکر کا نبی آخرالزمانؐ اور اپنے ہی داماد کی رحلت کے ایسے عظیم المیہ کو نظر انداز کر کے 'منا امیر اور منکم امیر' کے جھگڑے میں پہونچ جانا' اسی نبیؐ کی عزیز ترین اور صدیقہ وطاہرہ بیٹی کو اس کے حق سے محروم رکھنا اور اس کے بالکل برخلاف خالد بن ولید کے مالک بن نویرہ صحابی رسول اور اُن کے حرم کیساتھ انتہائی مذموم سلوک سے چشم پوشی کرنا اور ان سب سے بڑھ کر سقیفہ میں صرف حضرت عمر کے اقدام پر خود خلیفہ بن جانا اور دو ہی برس بعد اپنی رحلت کے قبل حضرت عمر کو خلیفہ نامزد کر دینا' رسولؐ کی اس پیشگوئی کی تصدیق نہیں تو اور کیا ہے کہ "یہ کیا معلوم کہ تم میرے بعد کیا کرنے والے ہو۔" ...... محترم! محشر کے جانگداز حتساب کو پیش نظر رکھ کر نتیجہ اخذ کیجئے۔ اب رہا آپ کا بے ربط جملہ "تو یہی حضرت علیؑ پر بھی لاگو ہوتا ہے۔" یہ عجب بات ہے کہ جب کبھی اصحاب رسول کا تذکرہ ہوتا ہے تو بعض لوگ اُن کا تقابل حضرت علیؑ سے کرنے لگتے ہیں اور حضرت علیؑ کو اُن اصحاب کی فہرست میں لانے کی کوشش کرتے ہیں جن کے بارے میں آنحضرتؐ نے کوئی تنبیہی یا تہدیدی بیان جاری کیا ہو۔ آپ حضرت علیؑ کی زندگی کا کوئی ایک ایسا واقعہ بتا دیجئے جس میں انھوں نے جناب رسالتمآبؐ کی رحلت کے قبل یا بعد آنحضرتؐ کی حدیث یا سنت کے خلاف کوئی عمل انجام دیا ہو۔ اسی حقیقت کے پیش نظر ایک سنی حنفی شاعر حضرت نذیر بنارسی کہتے ہیں ؎

جدا ہر اک سے دامانِ علیؑ ہے — یہاں پیوند ہیں دھبے نہیں ہیں

احکام شریعت کس سے حاصل کریں

ت: اس لئے کہ میں چاہتا ہوں کہ پروردگار کی عبادت کے لئے طریقے دریافت کروں اور ان فرائض پر عمل کروں جو اس نے ہمارے ذمہ عائد کئے ہیں، نہ کہ اسطرح جس طرح مالک یا ابوحنیفہ یا دوسرے حضرات چاہتے ہیں۔ اسلئے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ مالک نے نماز میں بسم اللہ...... کومکروہ قرار دیا ہے اور ابوحنیفہ نے واجب...... اور دوسرے حضرات اس کے بغیر نماز کو باطل قرار دیتے ہیں جبکہ نماز ستون دین ہے کہ اگر وہ قبول ہو جائے تو سارے اعمال قبول ہیں ورنہ سارے اعمال رد کردئے جانے کے قابل ہیں......! ایسی حالت میں میں نہیں چاہتا ہوں کہ میری نماز باطل ہو جائے...... جس طرح کہ شیعہ نماز میں پیروں پر مسح کے قائل ہیں اور اہلسنت دھونے کے قائل ہیں...... اور قرآن مجید کا حکم ہے کہ ''اپنے سروں اور پیروں کا مسح کرو'' اور یہ مسح کے بارے میں صریح حکم ہے تو ایک مسلمان کے لئے یہ کسطرح ممکن ہے کہ ایک شخص کا قول قبول کرلے اور دوسرے کے کلام کو رد کر دے۔ اور اس سلسلہ میں کوئی تحقیق و تمحیص بھی نہ کرے...... میں یہ عقیدہ نہیں پیدا کر سکتا کہ تمام مذاہب حق پر ہیں جب کہ ایک مذہب ایک شئے کو حلال قرار دیتا ہے اور دوسرا حرام۔ اور وقت واحد میں ایک ہی چیز حلال اور حرام نہیں ہوسکتی ہے۔ اور نہ خدا اور رسولؐ کے احکام میں تضاد پیدا ہوسکتا ہے۔ رسولؐ کا کلام وحی الٰہی کا نتیجہ ہے اور وحی کی علامت ہی یہ ہے کہ اس میں اختلاف نہیں ہوسکتا ہے۔ ''اگر قرآن غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں اختلافات پائے جاتے۔'' (سورہ نساء ۸۲) بظاہر مذاہب اربعہ کا اختلاف خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خدا کی طرف سے نہیں ہے اور نہ ان کا کوئی تعلق رسولؐ اکرم سے ہے کہ رسولؐ اکرم قرآن کے خلاف کوئی حکم نہیں دے سکتے ہیں۔

ر: مسح کے کئی معنی ہیں اور اس لفظ کو دیکھنے یا سمجھنے کا الگ الگ انداز ہے کیا کوئی شیعہ بھی یہ دعویٰ کرسکتا ہے میں صحیح ہوں اور دوسرے غلط؟ اور یہ اسلام کا کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے جس پر اتنا وقت برباد کریں کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط اور نجات پانے کی یعنی جنت میں جانے کی یہ کوئی بنیادی شرط نہیں ہے، کیوں کہ پانی کے علاوہ ریت سے بھی تیمّم ہوتا ہے۔

د: محترم! مسح کے چاہے جتنے معنی ہوں مگر غَسل (یعنی دھونے) کا مفہوم نہیں ہے۔ اور اگر ہے تو پیر کی طرح وضو میں سر کو دھونا بھی ضروری ہوگا، اسلئے کہ سر اور پیر دونوں ایک ہی ''وامسحوا'' کے حکم کے تحت ہیں۔ صحیح اور غلط ہونے کا جہانتک سوال ہے یقیناً وہ لوگ اپنے عمل کے صحیح ہونے کا دعویٰ کرسکتے ہیں جو حضور اکرمؐ اور ان کے بعد دیگرے بارہ جانشینوں کے یکساں عمل کے پیرو ہیں۔ شیعہ حضرات کا عمل صحیح ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ انکے یہاں بارہ امام ہوئے مگر ان کے احکام میں کہیں اختلاف نہیں ہے (اختلاف ہو بھی کیسے سکتا ہے کیوں کہ انکی عصمت منصوص من اللہ ہے) جبکہ برادران اہل سنت کے صرف چار امام ہیں اور ان کے احکام میں کافی تضاد پایا جاتا ہے۔ صاحبان عقل وبصیرت کے لئے اس امر کو سمجھنا کوئی مشکل بات نہیں ہے کہ جنکی عصمت وطہارت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ لے لے وہ بارہ کیا، ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوں جب بھی ان کے عمل وکردار واحکام میں تضاد نہیں پایا جائیگا...... مگر ہم خاطی انسانوں میں چاہے کوئی کتنا بڑا عالم ومحدث کیوں نہ ہو بہرحال اسی کا علم اکتسابی اور محدود ہوگا، اسلئے اسکے یہاں غلطی کا امکان ضرور ہوگا، ٹھیک اسی طرح جیسے کلام الٰہی میں کسی غلطی یا تضاد کا امکان نہیں ہے جبکہ انسانوں کے کلام اور تحریر میں غلطی تضاد اور آمیزش کا پورا امکان پایا جاتا ہے، مگر یہ کہ وہ قرآن وحدیث وسیرت معصومین کے عین مطابق ہو۔

آپ نے یہ صحیح تحریر فرمایا کہ وضو وغیرہ کا اختلاف کوئی بنیادی اختلاف

نہیں ہے (حالانکہ تمام اعمال کی قبولیت کا دارومدار نماز کی قبولیت پر ہے اور نماز کی صحت وضو کی صحت پر مبنی ہے) بہر حال بنیادی بات یہ ہے کہ شرعی احکام ہم کس سے حاصل کریں......؟ (۱) صحابہ سے حاصل کریں؟ جبکہ افضل ترین مانے جانے والے صحابہ کی اعتمادی کیفیت آپ پہلے ہی ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ (۲) غیر معصوم ائمہ اربعہ سے معلوم کریں؟...... جنکے آپسی علمی اختلافات کی وجہ سے چار مصلے قائم ہوگئے اور انکے مدارک کی بنیاد بھی وہی صحابہ گرام ہیں نتیجتاً چاروں ائمہ کے مقلدین اکثر و بیشتر ایک دوسرے کے مسلک پر حملے کرتے رہتے ہیں (۳) ان ائمہ طاہرینؑ سے حاصل کریں جن سے اللہ نے رجس (یعنی ناپاکی اور گناہ) کو دور رکھا اور اسطرح پاک و پاکیزہ قرار دیا جیسا کہ پاک رکھنے کا حق ہے (آیہ تطہیر)، جن کی محبت تمام مسلمانوں پر فرض قرار دی (آیہ مودت فی القربیٰ) جو اللہ کے منتخب صدیق ہیں (آیۂ مباہلہ)، جن سچوں کا ساتھ اختیار کرنے کے لئے اللہ کا حکم ہے (توبہ ۱۱۹)، جو اللہ کے امر کی اسکے حکم اور حق کے مطابق ہدایت کرتے ہیں اور عدل قائم کرتے ہیں (اعراف ۱۸۱)، جو باب مدینۃ العلم کے مصداق ہیں اور جن کی عصمت کی محکم دلیل یہ ہے کہ تعداد میں بارہ ہونے کے بعد بھی انکے احکام اور عمل میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ جس طرح اللہ کے کلام میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

کیا علیؑ شریک رسالتؐ ہیں؟

ت: خدا نے اپنے پیغمبر کو رسالت کے ساتھ بھیجا اور چار (خلفاء) میں سے کسی کو شریک رسالت نہیں بنایا بلکہ صاف صاف اعلان کر دیا کہ جسطرح ہم نے تمہارے درمیان ایک رسول بھیجا جو تمہارے سامنے ہماری آیات کی تلاوت کرتا ہے، تمہارے نفوس کو پاکیزہ بناتا ہے، تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ

سب کچھ بتاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے (بقرہ، ۱۵۱)

ر: یعنی حضرت علیؑ بھی شریک رسالتؐ نہیں ہیں؟ شاید انھیں شیعہ مذہب کا علم نہیں ہے۔

د: محترم رزاق بھائی! مجھے تعجب ہے کہ آپ اتنی بڑی غلط فہمی میں کیسے مبتلا ہو گئے جبکہ عرصہ تک آپ شیعوں کے ساتھ رہے۔ کیا آپ نے کبھی کہیں کسی شیعہ عالم سے سنا ہے یا کسی شیعہ کتاب میں پڑھا ہے کہ ''حضرت علیؑ شریک رسالتؐ ہیں؟'' محترم! سنی عوام کو متنفر کرنے کے لئے شیعوں کے خلاف برادران اہلسنت کا یہ ایک غلط پروپگنڈا ہے۔ یاد رکھئے کہ جزو محمدؐ اور معین کارِ رسالت'' ہونا اور ہے اور ''شریک رسالت'' ہونا اور ہے۔ جہانتک ''جزو محمدؐ'' ہونے کی بات ہے تو اس سلسلہ میں علماء اہلسنت نے تو بہت سی حدیثیں نقل کی ہیں مثلاً (۱) انا و علی من نورٍ واحد (میں اور علیؑ ایک ہی نور سے ہوں) (مسند امام احمد بن حنبل، عبد اللہ ابن احمد بن حنبل، اخطب خوارزمی، ابن عسکر، حموینی، محبّ الدین طبری، فردوس الاخبار دیلمی وغیرہ وغیرہ)

(۲) (یاعلیؑ) لحمك لحمی و دمك دمی (اے علیؑ) تمہارا گوشت میرا گوشت ہے اور تمہارا خون میرا خون ہے (کنز العمال ص ۶۲، مناقب خوارزمی، منصبۃ المطہرین ابونعیم، القاب شیرازی)

(۳) یاعلی انت منی بمنزلۃ الراس من الجسد (اے علیؑ! تم میرے لئے ایسے ہو جیسے میرے جسم کے لئے میرا سر) کنز العمال ص ۳۰، ریاض النضرۃ جلد ۲ ص ۱۶۲ جامع صغیر ص ۵۶، کنوز الحقائق ص ۲۱)

(۴) علی منی وانا من علی ولا یودی عنی الا انا او علی ''یعنی علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اور نہیں ادا کرے گا کوئی میرے عہد (یا میری ذمہ داریوں) کو سوائے میرے یا علیؑ کے (ملاحظہ ہو صحیح بخاری ص ۵۸۰، ۳۸۶،

مستدرک حاکم جلد۳ ص ۷۰، مسند احمد بن حنبل جلد۱ ص ۱۰۹ و ص ۱۱۵ و جلد ۵ ص ۲۰۴، مشکوۃ جلد۴ ص ۱۲۰، ۱۲۸ وغیرہ)

بہر حال شیعوں کے نزدیک حضرت علیؑ "شریک رسالت" نہیں ہیں مگر جز و نور پیغمبرؐ اکرم ضرور ہیں۔ نیز ہر مہم میں معین کار رسالت ہونا بھی محتاج بیان نہیں ہے۔

ت: اسکے بعد میں نے صحیح بخاری کھولی اور یہ روایت نکالی کہ حضرت عمر حفصہ کے پاس آئے جب کہ ان کے پاس اسماء بنت عمیس بھی تھیں اور ان کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ حفصہ نے کہا، اسماء بنت عمیس ہیں! تو عمر نے کہا کہ یہ حبشیہ ہے اور یہی بحریہ ہے؟ جس پر اسمانے کہا جی ہاں میں ہی ہوں! عمر نے کہا کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے لہٰذا رسول اللہؐ کے بارے میں ہمارا حق زیادہ ہے! اسماء کو یہ سن کر غصہ آ گیا اور انھوں نے کہا کہ ہرگز نہیں! تم رسولؐ اللہ کے ساتھ تھے تو وہ تمہارے بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے اور تمہارے جاہلوں کو موعظہ فرماتے تھے۔ اور ہم ایک دور دراز زمین پر تھے لیکن خدا اور رسولؐ کے حق میں تھے...... جب بھی کھانا کھاتے تھے یا پانی پیتے تھے تو پہلے خدا ورسول کو یاد کرتے تھے۔ میں عنقریب تمہاری اس بات کو حضورؐ سے نقل کرونگی اور خدا کی قسم کوئی جھوٹ یا غلط بیانی سے کام نہ لونگی اسکے بعد جب رسول اکرمؐ تشریف لائے تو اسماء نے کہا کہ عمر نے اس طرح کی باتیں کی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم نے کیا جواب دیا ہے؟ اسماء نے جواب بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ عمر کا تم لوگوں سے زیادہ حق نہیں ہے، انھوں نے ایک ہجرت کی ہے اور تم اہل سفینہ نے دو ہجرتیں کی ہیں۔ اسماء کا بیان ہے کہ اسکے بعد ابو موسیٰ اور اصحاب سفینہ میرے پاس نمائندے بھیجتے رہے کہ مجھ سے اس حدیث کی تفصیل دریافت کریں کہ ان کے حق میں حضورؐ کی اس سند سے بڑی اور عظیم کوئی شئے مسرت کے لئے نہیں تھی۔ (بخاری ۳ ص ۳۸۷ باب غزوۂ خیبر)

ر: (حدیث) بالکل صحیح ہے، مگر اس کا مطلب وہ نہیں ہے جو یہ مصنف لکھ رہا ہے

یہ متفق علیہ حدیث ایک قدرتی گھنٹی ہے جو خواب غفلت میں پڑے ہوے مسلمانوں کے ضمیر کو بیدار کرنے کیلئے کافی ہے کہ تغافل فی الدین سے کام نہ لیں کیوں کہ لا تزر وازرۃ وزر اخری ☆ آخرت میں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائیگا۔ سب کی اپنی اپنی ذمہ داری اور اپنا اپنا حساب کتاب ہوگا۔ ایسی صورت میں اشرف المخلوقات انسان لکیر کا فقیر بنا رہے اور ''جنتی فرقہ'' کی جستجو نہ کرے، قرین عقل نہیں ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیتیں بھی ذہنوں کو دعوتِ فکر دے رہی ہیں کہ ہمیں سنِ شعور پر پہنچنے کے بعد دین حق کی تلاش کیوں ضروری ہے۔ مثلاً سورہ روم میں نبی کو مخاطب بنا کر تمام مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ ''جنھوں نے اپنے دین میں تفرقہ پردازی کی وہ مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور جو دین جس فرقہ کے پاس ہے وہ اسی میں خوش ہے''۔ (روم ۳۱،۳۲) ''بے شک جو لوگ راہ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد بھی الٹے پاؤں گمراہی کیطرف پھر گئے، ایسے لوگوں کو شیطان نے ڈھیل دے رکھی ہے (محمدؐ ۲۵) ''بھلا یہ لوگ (یعنی مسلمان) قرآن میں غور فکر کیوں نہیں کرتے؟ کیا انکے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں''۔ تمہارے پاس راہ دکھانے والی چیزیں آچکی ہیں پس جو دیکھے گا اور سمجھے گا وہ اپنے نفس کیلئے اور جو اندھا بنے گا اس کا نقصان بھی اسی کے لئے ہوگا'' (انعام ۱۰۵) ''اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے کنبہ والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے (تحریم ۶)''-- ''ہر فرقہ سے کچھ لوگ علم دین حاصل کرنے کیطرف کیوں نہیں متوجہ ہوتے تا کہ جب اپنی قوم کی طرف لوٹیں تو انھیں (عذاب الہی سے) ڈرائیں شاید (انکے دلوں میں) ڈر پیدا ہو جائے (توبہ ۱۲۲)''۔ ''ان میں سے کچھ لوگ تو ایسے ہیں جنھیں حق کا علم حاصل ہو جاتا ہے پھر بھی اسے چھپاتے ہیں (بقر ۱۴۶)''-- ''یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جنکی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینے میں ہیں وہی اندھے ہو جایا کرتے ہیں (حج ۱۴۶)'' ___ پس یہی وہ لوگ

یہاں پر بات عمر رضی اللہ عنہ کی ہو رہی ہے لیکن مقصود وہ قریش کے لوگ ہیں جو رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ آئے تھے اسمیں حضرت علی کرم اللہ وجہ بھی شامل ہیں۔

د: محترم رزاق بھائی! کیا یہ ایک طرح کی ہٹ دھرمی نہیں ہے کہ ایک طرف آپ صحیح بخاری کی اس حدیث کو صحیح بھی تسلیم کر رہے ہیں اور دوسری طرف آنحضرتؐ کے قول جس میں حضرت عمر کا نام لے کر آنحضرتؐ فرماتے ہیں ''عمر کا تم لوگوں (مہاجرین حبش) سے زیادہ حق نہیں ہے'' کو عمومیت کا درجہ دینا چاہتے ہیں چلئے تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کیا کہ یہاں ''عمر'' سے مقصود سبھی مہاجرین قریش ہیں۔ اس صورت میں بھی حضرت عمر تو اس فہرست سے الگ نہیں ہو سکتے۔ وہ تو بہر حال مہاجرین کی فہرست میں شامل ہیں، ساتھ ہی آپ کی تشریح کی روشنی میں حضرت ابوبکر کی افضلیت بھی خطرہ میں پڑ گئی کیوں کہ مہاجرین قریش میں وہ بھی شامل تھے۔ یعنی ایک ہی حدیث سے آپ کے دونوں ''افضل ترین'' صحابی کی افضلیت ختم ہو گئی۔ رہ گئی حضرت علی کرم اللہ وجہ کی بات تو شیعہ حضرات ''عمر'' سے مراد مہاجرین قریش کو کب مانتے ہیں جو آپ اسے حضرت علیؑ کے لئے دلیل بنانا چاہتے ہیں۔ پیش خدا و رسولؐ حضرت علی کی کیا منزلت ہے تفصیل سے پیش کی جا چکی ہے۔ خدا کے منتخب برگزیدہ معصومینؑ اور اہلبیت رسولؐ کو اصحابؓ باوفا کی فہرست میں بھی شامل نہیں کیا جا سکتا، چہ جائیکہ......

ت: میں نے کہا کہ رسول اکرمؐ نے ابوبکر کے بارے میں کوئی گواہی نہیں دی ہے اور یہ فرمایا کہ ''خدا جانے یہ میرے بعد کیا بدعتیں ایجاد کرنے والے ہیں......'' تو یہ ایک انتہائی معقول بات ہے جس کی قرآن کریم اور تاریخ نے بھی تائید کی ہے۔ اور جس کی بنا پر وہ رو بھی رہے تھے۔ اور انھوں نے دین میں تبدیلی بھی کی ہے اور جناب فاطمہ زہرا کو غضبناک بھی کیا ہے اور اپنی تبدیلیوں پر اس قدر شرمندہ

بھی تھے کہ ان کی آرزو تھی کہ اے کاش میں انسان کے بجائے چڑیا ہوتا۔

ر: یہ شخص اپنی طرف سے کئی کلمہ جوڑ دیتا ہے اور اپنے نظریہ کو ہی صحیح سمجھ رہا ہے۔

د: محترم! ڈاکٹر تیجانی نے اپنی طرف سے کیا جوڑا ہے، وضاحت طلب ہے! انھوں نے قرآن، سیرتِ ابوبکر اور تاریخ کی روشنی میں آنحضرتؐ کے قول کہ "تمھیں کیا معلوم کہ تم میرے بعد کیا کرنے والے ہو" کی معقولیت کو علماء اہل سنت کی کتابوں کی مدد سے اک ذرا مضبوط بنا دیا ہے...... پھر بھی اگر آپ کو کوئی بات غلط نظر آرہی تھی تو اسکی نشاندہی اور تبصرہ ضروری تھا۔ رہ گئی اپنے نظریہ کو صحیح سمجھنے کی بات، تو ہر ذی علم اور صاحب فکر و نظر اسوقت تک اپنے نظریہ کو ہی صحیح سمجھتا ہے جب تک مستند اور معقول دلائل سے اسکے اس نظریہ کو باطل نہ ثابت کر دیا جائے۔

ت: رہ گئی رسول اکرمؐ کی طرف منسوب یہ روایت کہ "ابوبکر کا ایمان ساری امت کے ایمان سے زیادہ وزنی ہے" تو یہ انتہائی مہمل اور غیر معقول بات ہے اور یہ ناممکن بات ہے کہ جس شخص نے چالیس سال بت پرستی میں گذارے ہوں اس کا ایمان ساری امت کے ایمان سے زیادہ وزنی ہو جائے۔ جبکہ آپؐ کی امت میں اولیاء صالحین اور شہدا و صدیقین بھی ہیں۔ اور وہ ائمہ طاہرینؑ بھی ہیں جنھوں نے تمام زندگی جہاد راہ خدا میں گذاری ہے۔۔۔ پھر یہ کہ روایت ایمان صحیح تھی تو خود ابوبکر نے اسے کیوں نظر انداز کر دیا جب کہ وہ یہ آرزو کر رہے تھے کہ اے کاش میں انسان نہ ہوتا۔۔۔ اور اگر ان کا ایمان ساری دنیا سے بالاتر تھا تو جناب فاطمہؑ ان سے کس طرح ناراض ہوئیں کہ ہر نماز میں مسلسل ان کے حق میں بددعا کرتی رہیں۔ ہمارے عالم دین نے میری اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن بعض حاضرین نے یہ ضرور کہا کہ اس حدیث نے تو ہمارے دلوں میں شک پیدا کر دیا ہے جسے سن کر عالم دین نے مجھ سے فرمایا کہ تم یہی چاہتے تھے، اور بالآخر ان کے

دلوں میں شک پیدا کر ہی دیا۔ جس پر ایک شخص بول پڑا کہ یہ بالکل صحیح کہتے ہیں اور یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے آج تک کوئی مکمل کتاب نہیں پڑھی ہے۔ اور ہمیشہ آپ حضرات کی اندھی تقلید میں پڑے رہے ہیں۔ آج معلوم ہوا کہ اس حاجی نے بالکل صحیح بات کہی ہے۔۔۔ لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ ہم خود پڑھیں اور تحقیق کریں۔ جس پر بعض حاضرین نے اتفاق رائے کا اظہار کیا۔ اور حق وحقیقت کی پہلی فتح کا اعلان ہوگیا۔ یہ فتح کسی قہر وغلبہ کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ عقل ومنطق اور حجت وبرہان کا نتیجہ تھی اور اسی لئے قرآن مجید نے بار بار کہا ہے کہ ''اگر تم سچے ہو تو دلیل اور برہان لے آؤ''۔

ر: اپنی بات منوانے کے لئے اسکو کچھ حدیثیں قبول ہیں اور کچھ قبول نہیں ہیں۔ یہ شخص کس سنی عالم سے بحث کر رہا ہے جنھیں ذرا بھی علم معلوم نہیں لگتا ہے۔

د: محترم رزاق بھائی! کافروں کی کتاب میں جہاں شرک اور حلول کی باتیں لکھی ہیں وہیں ''सत्य मेव जयते'' یعنی ''سچائی کی ہمیشہ فتح ہوتی ہے'' بھی لکھا ہے، تو کیا کوئی مسلمان دونوں باتوں کو تسلیم کر سکتا ہے؟ یا کوئی مسلمان اس فقرہ سے انکار کر سکتا ہے کہ ''سچائی کی ہمیشہ فتح ہوتی ہے'' اسی طرح اگر کوئی شیعہ عالم دس حدیثیں حضرت عمر کے خلاف لکھے جو انھیں ایمان سے خارج قرار دیتی ہوں اور ایک حدیث حضرت عمر کے حق میں لکھے مثلاً آنحضرتؐ نے ''حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے درمیان مواخات قائم کیا اور انھوں نے اسے اچھی طرح نبھایا۔۔۔'' تو کیا برادران اہل سنت سنی رہتے ہوئے سب حدیثوں کو قبول کرلیں گے؟ یا دس حدیثوں کو قبول نہ کرنے کی صورت میں ''مواخات'' کی حدیث سے بھی انکار کردیں گے؟۔۔۔ محترم! جب تک آپ کسی عقیدہ سے منسلک ہیں اس وقت تک آپ اپنے عقیدہ کے مطابق بات جو فریق مخالف سے ملے گی اسے قبول کرینگے اور فریق مخالف پر اس سے دلیل قائم کرینگے۔ یہ ضروری

نہیں کہ اسکی تمام باتوں کو قبول کرلیں یا تمام باتوں سے انکار کردیں۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ کسی سنی کو وہی بات قابل قبول ہوگی جسے کسی شیعہ نے حضرت عمر کے حق میں کہی یا لکھی ہو ــــ اور ــــ اگر کہیں اس بات کو قرآن وحدیث کی تائید بھی حاصل ہو تو شیعہ فرقہ کے سامنے اسے حجت بنا کر پیش کیا جائیگا۔ حجت قائم ہونے کے بعد ایک حق پسند شیعہ کو اسے قبول کرنے میں تامل بھی نہیں ہونا چاہئے۔ بالکل یہی صورت ڈاکٹر تیجانی کی ہے کہ انھوں نے بنی امیہ کی ٹکسالوں میں ڈھلی ہوئی سبھی حدیثوں کو قبول نہیں کیا بلکہ مستند علماء اہل سنت نے بھی جو حدیثیں اور روایتیں خلفاء ثلٰثہ کے خلاف لکھیں اور انکے صحت کی تصدیق کردی انھیں کو قبول کیا اور مذہب اہلسنت کے سامنے انھیں برہان بنا کر پیش کیا ــــ مزید برآں قرآن وحدیث وسیرت نے انھیں مضبوط کردیا۔ اب رہی اس سنی عالم کی بات جس سے ڈاکٹر تیجانی کی گفتگو ہوئی، وہ آپ کو کم علم لگتا ہے تو آپ کسی بڑے سے بڑے سُنی عالم دین کے سامنے میری کتاب رکھ کر گفتگو کریں اور نتیجہ سے مطلع فرمائیں، بلکہ اگر ممکن ہو تو استدلالی جواب بصورت تحریر مرحمت فرمائیں ــــ ہوسکتا ہے ہمیں اس سے مزید ہدایت کی روشنی حاصل کرنے میں مدد ملے۔

ت: میں نے امام شرف الدین الموسوی کی کتاب ''مراجعات'' پڑھی اور بار بار اسکا مطالعہ کیا۔ جس نے میرے سامنے نئے نئے دروازے کھول دئے اور یہی بات میری ہدایت اور شرح صدر کا سبب بنی کہ میرا دل محبت اہل بیت اطہار کے لئے کشادہ ہوگیا۔ میں نے شیخ امینی کی کتاب ''الغدیر'' کا مطالعہ کیا اور تین مرتبہ مطالعہ کیا کہ اس کتاب میں بڑے واضح اور پُر مغز حقائق پائے جاتے ہیں۔ پھر میں نے السید محمد باقر الصدر کی کتاب ''فدک'' اور شیخ محمد رضا المظفر کی کتاب ''السقیفہ'' کا مطالعہ کیا جس نے بہت سے پُر اسرار معاملات کو واضح کیا۔ پھر میں نے کتاب ''النص والاجتہاد'' کا مطالعہ کیا جس نے میرے یقین میں اور

اضافہ کردیا۔ پھر السید شرف الدین کی کتاب ''ابوہریرہ'' اور شیخ محمود ابوریہ کی ''شیخ المغیرہ'' پڑھی جس سے یہ واضح ہوگیا کہ رسول اکرمؐ کے بعد دین بدلنے والے صحابہ کی دو قسمیں تھیں۔ بعض نے قہر وغلبہ اور حکومت کے زور پر تبدیلی پیدا کی تھی اور بعض نے جھوٹی حدیثوں کو وضع کرکے یہ کاروبار انجام دیا تھا۔ اسکے بعد میں نے جناب اسد حیدر کی کتاب ''الامام الصادق والمذاہب الاربعہ'' کا مطالعہ کیا اور مجھے اس امر کا اندازہ ہوا کہ وہبی علم میں اور دنیا کے اکتسابی علم میں کیا فرق ہوتا ہے۔

ر: جب یہ شخص شیعوں کی بات کرتا ہے تو ان کے عالموں کے اور کتابوں کے نام بھی بیان کرتا ہے، تو کیا یہ شخص منصف اور عادل ہوسکتا ہے؟ ماشاء اللہ کیا انداز ہے کہ صرف شیعہ مذہب کی کتابوں اور عالموں کا نام بڑی وضاحت سے بیان کرتا ہے۔

د: محترم رزاق بھائی! میں سمجھتا ہوں کہ شاید یہ آپ کا ایک بیجا تصور ہے کہ تیجانی صاحب نے جہاں شیعوں کی کتاب کا ذکر کیا ہے وہیں انکے مصنفین کا نام بھی لکھ دیا ہے اور علماء اہل سنت کی کتاب کے ساتھ انکے مصنفین کا نام نہیں درج کیا۔ بات یہ ہے کہ انھوں نے اہلسنت کی مشہور ومعروف کتابوں سے ہی زیادہ سے زیادہ گفتگو کی ہے مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ترمذی، مسند حنبل، خصائص نسائی، مستدرک حاکم، تاریخ طبری وغیرہ وغیرہ یہ وہ کتابیں ہیں جن کے نام کے ساتھ مصنف کا نام بھی نسبت یا علامت کے طور پر جڑا ہوا ہے۔ اسکے علاوہ کچھ علماء اہل سنت کے نام بھی موصوف نے درج کئے ہیں مثلاً شیخ محمود مصری، شیخ المغیرہ، ابن ابی الحدید معتزلی، ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری وغیرہ۔ ڈاکٹر تیجانی نے شیعہ علماء کی کتابوں کے ساتھ مصنفین کا نام غالباً اسلئے لکھا ہے تاکہ صاحبانِ تحقیق وجستجو کی ان کتابوں تک بہ آسانی رسائی ہو سکے۔ میری بھی آپ سے استدعا ہے کہ علماء اہل سنت کی،

کتابوں کے ساتھ اُن شیعہ علماء کی کتابوں کا بھی (تنقیدی مطالعہ سہی) مگر ضرور کیجئے، جن کا حوالہ ڈاکٹر تیجانی نے دیا ہے۔ خود ڈاکٹر تیجانی کی کتابیں بھی انشاء اللہ معلومات اور یقین میں اضافہ کا سبب بنیں گی۔ محترم! آپ کی نظر میں علماء اہل سنت کی جو مستند اور سنجیدہ کتابیں ہوں، تحریر فرمائیں۔ ہم بصد شوق ان کا بھی مطالعہ کریں گے۔

ت: اب شیعہ ہماری نگاہ میں وہ نہیں ہیں جو ہمارے بزرگوں نے بتائے تھے کہ یہ چند ایرانی مجوس تھے جن کی شان وشوکت کو جنگ قادسیہ میں حضرت عمر نے ختم کر دیا تھا اور اسی لئے یہ لوگ حضرت عمر سے نفرت کرتے ہیں۔ اب تشیع نہ ایرانیوں کا حصہ ہے نہ عراقیوں کا۔ شیعہ ایران، عراق، حجاز سعودیہ، لبنان، شام جیسے تمام عرب ملکوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ نہ عرب سے تعلق رکھتے ہیں نہ عجم سے۔

ر: کیا اہل سنت صرف عرب میں ہیں؟ کیا یہ لوگ بھی تمام دنیا میں نہیں ہیں؟

د: محترمی! بے شک برادران اہل سنت کثیر تعداد میں دنیا کے کونے کونے میں پائے جاتے ہیں۔ کہیں مالکی ہیں تو کہیں حنبلی، کہیں شافعی ہیں تو کہیں حنفی، کہیں صوفی ہیں تو کہیں وہابی کہیں بریلوی ہیں تو کہیں دیوبندی، کہیں اہل حدیث ہیں تو کہیں اہل قرآن ____ مگر سب کے سب مذہب اہل سنت کے دعویدار ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ایک ہی مذہب پر ہوتے ہوئے بھی انکے عقائد وعمل میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے تک صادر کرتے رہتے ہیں۔ شیعہ اقلیت میں ہیں پھر بھی کم وبیش دنیا کے ہر حصہ میں پائے جاتے ہیں۔ جہاں جہاں بھی ہیں، مختصر سے مختصر تعداد میں ہونے کے باوجود وہ اپنے دین ومذہب سے باخبر ہیں۔ ان کے عقیدۂ وعمل میں کوئی تضاد (ٹکراؤ) نہیں ملے گا۔ کیوں؟ صرف اسلئے کہ شیعوں کے امام تعداد میں بارہ ہیں مگر سب منصوص

من اللہ ہیں اسلئے ان کے علم و عمل، احکام و اقوال، رفتار و گفتار میں متضاد کیفیتیں نہیں پائی جاتیں۔ انکے نمائندہ الٰہی ہونے کی یہ بھی ایک اہم ترین دلیل ہے۔ ہاں جنھوں نے بارہ امام میں سے کچھ کو مانا کچھ کو نہیں وہ شیعہ اثنا عشری نہیں ہیں۔

تیجانی صاحب نے اپنی مندرجہ بالا تحریر میں شیعوں کی کثرت کا اظہار نہیں کیا ہے، بلکہ یہ بتانا چاہا ہے کہ بزرگان اہل سنت اپنے بچوں کے ذہن میں بچپن سے یہ بات بٹھا دیتے ہیں کہ ''شیعہ ایرانی مجوسیوں کی پیداوار ہیں جنھیں حضرت عمر نے شکست دی تھی، اسی لئے یہ لوگ حضرت عمر سے نفرت کرتے ہیں''

____ محترم! اسی طرح بے سر پیر کی باتیں شیعوں کی طرف منسوب کر کے سنی عوام کے سامنے بیان کی جاتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے بچوں کے دل میں شیعوں سے نفرت بیٹھ جاتی ہے۔ وہ شیعوں کے قریب نہیں آتے، دور دور سے حقارت بھری نظروں سے دیکھتے رہتے ہیں اور عمر کے ساتھ یہ مذہبی نفرت پروان چڑھتی رہتی ہے۔ یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ چلا آ رہا ہے ____ انھیں حالات سے ڈاکٹر تیجانی بھی دوچار تھے۔ مگر جب ان میں کا کوئی پڑھا لکھا سنی بیدار ہوتا ہے خوف خدا پیدا ہوتا ہے تو وہ حقیقت کی تلاش میں سرگرداں ہوتا ہے اور خدا کے پسندیدہ دین اسلام کا کھلے دماغ سے مطالعہ کرتا ہے، اپنے شکوک قرآن اور سیرت کی روشنی میں شیعہ علماء اور انکی کتب سے دور کرتا ہے تو بیشک اُسے ایک دن حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ حق کی جستجو کرنے والے ایسے افراد کو منزل نجات مل جاتی ہے۔ ان میں سے کچھ کھل کر دامن اہل بیتؑ سے متمسک ہو کر شیعیت کا اعلان کر دیتے ہیں، جیسے مولانا امداد حسین (بہار)، مولانا عبد الرشید (فاضل دیوبند)، ڈاکٹر شکیل اختر (سیوان)، حجۃ الاسلام مولانا اشتیاق حسین (لکھنؤ)، حجۃ الاسلام مولانا محمد ابراہیم (جامعۃ التبلیغ لکھنؤ) جسٹس حامد بن شبیر (حیدر آباد)، مولانا سعید الرحمٰن (گونڈہ)، حضرت جوش ملیح آبادی وغیرہ وغیرہ، اور کچھ مومن آلِ فرعون (جناب

حزقیلؑ) کی طرح مصلحتاً تقیہ پر عمل کرتے ہوئے دل سے شیدائے آل محمدؐ ہوجاتے ہیں مگر ظاہر میں مذہب شیعہ سے الگ نظر آتے ہیں۔ عمر ابن عبدالعزیز، خواجہ چشتی، علامہ اقبال، مولانا اشرف علی فتح گڑھی، مولانا ابوبکر خاں ملیح آبادی، مولانا ظفر الباری گونڈوی، مولانا علی حیدر کاکوروی، وغیرہ ایسے ہی بزرگ ہیں جن کا باطن محبت اہلبیتؑ سے سرشار ہے، انکی نظر میں حقیقی جانشین رسولؐ حضرت علیؑ تا امام مہدیؑ ہیں۔ مگر مصلحتاً۔۔۔

ت: ......اور رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ ''علی مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں'' وہ میرے بعد تمام صاحبان ایمان کا ولی اور حاکم ہے'۔ (صحیح ترمذی جلد ۵ ص ۲۹۶)، خصائص نسائی ص ۸۷، مستدرک حاکم ۳ ص ۱۱۰)

ر: اس حدیث کے ثبوت میں سب سے زیادہ معتبر کتاب صحیح بخاری کا نام نہیں ہے۔

د: محترم رزاق بھائی! صحیح بخاری کی حقیقت کھل کر آپ کے سامنے آچکی ہے۔ کیا اب بھی آپ کی نظر میں ''سب سے زیادہ معتبر کتاب صحیح بخاری ہے! چلئے وہ معتبر ترین کتاب سہی، تو کیا بقیہ تمام سنی کتابیں ساقط الاعتبار ہیں؟ صحیح ترمذی تو صحاح ستہ میں داخل ہے۔ جب آپکی اپنی ہی چھ منتخب روزگار صحیح کتابوں کا اعتبار ختم ہوجائیگا تو مذہب اہل سنت کی عمارت کس بنیاد پر ٹکے گی؟ محترم! آپ اپنی سب سے زیادہ معتبر کتاب 'صحیح بخاری' کی صرف مندرجہ ذیل احادیث کو بار بار پڑھئے اور آخرت کو پیش نظر رکھ کر غور کیجئے تو حق کی روشن راہیں کھل کر سامنے آجائیں گی، اسے قبول کرنا یا نہ کرنا اخروی سعادت پر منحصر ہے۔

(۱) فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے جس نے اسے غضبناک کیا، اس نے مجھے غضبناک کیا۔ (ص ب باب ۱۴ ص ۳۹۰)

(۲) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت النبیؐ نے ابوبکر کے پاس اپنی میراث

کا تقاضا کیا تو انھوں نے فاطمہ کو کچھ بھی دینے سے انکار کر دیا۔ جس پر وہ ناراض ہو گئیں اور انھوں نے قطع روابط کر لئے اور تاحیات ان سے بات نہیں کی۔ (باب ۳ ص ۳۶)

(۳) فاطمہ زہرا نے انتقال کے بعد کے لئے وصیت کر دی تھی نہ جنازہ کو رات کی تاریکی میں دفن کر دیا جائے تاکہ ظالم لوگ جنازہ میں شریک نہ ہو سکیں۔ (باب ۳ ص ۳۶)

محترم! فاطمہ زہراؑ کی ناراضگی رسول اکرمؐ کی ناراضگی ہے اور رسولؐ کی ناراضگی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی۔ اب مندرجہ بالا مستند ناراضگی کو قرآن مجید کی اس آیت کی روشنی میں دیکھئے اور نتیجہ خود اخذ کیجئے: ان الذین یوذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعدلھم عذابا مھینا ☆ یعنی جو لوگ اللہ اور اسکے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لئے نہایت رسوا کن عذاب ہے۔

رسم و رواج دین و مذہب نہیں ہوتا

ت: اس انقلاب عقیدہ کے ذریعہ میں اپنی اصل منزل کی طرف واپس آ گیا کہ میرے بزرگان خاندان کا بیان ہے کہ ہم لوگ شجرہ کے اعتبار سے سادات میں ہیں جو بنی عباس کے مظالم کی بنا پر عراق سے بھاگ کر شمالی افریقہ آ گئے تھے۔ اور پھر تیونس میں قیام کیا تھا جسکے آثار آج تک پائے جاتے ہیں اسکے علاوہ شمالی افریقہ میں ایک بڑی آبادی اور ہے جسے اشراف سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ سب نسل رسول اکرمؐ سے ہیں۔ لیکن بنی امیہ اور بنی عباس کے مظالم کی وجہ سے حقیقت سے دور نکل گئے ہیں اور ان کے پاس عوامی اعزاز واحکام کے علاوہ سیادت و شرافت کا کوئی مظہر نہیں رہ گیا ہے۔

خدا کالاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے ہدایت دیدی ہے اور میری آنکھوں کو کھول دیا ہے۔ حقیقت مجھ پر واضح ہوگئی ہے اور راہ حق میرے لئے مکمل طور پر روشن اور تابناک ہوگئی ہے۔

ر: عجیب بات ہے جب یہ شخص کہتا ہے کہ وہ سادات خاندان سے ہے تو پھر یہ لوگ خاندان در خاندان کس رسم ورواج کی تقلید کرتے رہے ہیں۔ کیوں کہ بعض عادتیں اور افکار خاندان در خاندان چلی آتی ہیں یعنی انکی رسم ورواج اور عادتیں خاندان در خاندان رسولؐ کے خاندان اور زمانے سے چلے آنے کا رواج ہونا چاہئے۔ تو پھر ان کے خاندان میں یہ کون سا رواج تھا جو شیعوں سے مختلف تھا ان صاحب (تیجانی) کے سادات ہونے سے یعنی سید ہونے سے تو شروع ہی سے ان میں شیعوں کے افکار وخیالات ہونا چاہئے تھے۔ یہ اتنے برسوں تک اندھیرے میں کیوں بھٹک رہے تھے؟ اسکا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص جھوٹا بھی ہے جو اپنے کو سادات خاندان سے جوڑ رہا ہے۔

د: محترم! رسم ورواج اور شئے ہے، دین ومذہب اور۔ رسم ورواج اور عادتوں کو دین یا شریعت نہیں کہتے۔ رسم ورواج کا تعلق سماجی، علاقائی، ثقافتی تہذیب وتمدن سے ہوتا ہے۔ جبکہ دین ومذہب کے احکام قرآن وسنت رسولؐ پر مبنی ہوتے ہیں۔ آپ نے ہندوستان میں قیام کے دوران مسلم گھروں میں شادیاں دیکھی ہونگی۔ دولہا کی سجاوٹ، بارات کی دھوم، منگنی کی رسم، چوتھی کی رسم، جوتا چرائی وغیرہ وغیرہ...... یہ سب ہندوستانی رسم ورواج ہیں جو کسی نہ کسی شکل میں ہندو مسلم سنی، شیعہ، سکھ، جین سبھی کے یہاں پائی جاتی ہیں۔ کیا یہ رسمیں آپ کے یہاں بھی مسلمانوں کے درمیان رائج ہیں؟ ہندوستان میں عید کے دن سیوئیں کا رواج عام ہے۔ اگر کسی گھر میں عید کے دن سیوئیں نہ بنے تو سمجھ لیجئے کہ وہاں کوئی نہ کوئی سانحہ گذرا ہے، ورنہ عید کے دن سیوئیں نہ بننا بدشگونی ہے۔...... مگر عرب کے

ہیں جنکے لئے قرآن کہہ رہا ہے" ان کے دل تو ہیں مگر ان سے تفقہ نہیں کرتے (یعنی دین میں تلاش و جستجو سے کام نہیں لیتے) انکی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں (یعنی حق و باطل میں امتیاز نہیں پیدا کرتے، بلکہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی انجانے بن کر کہہ دیتے ہیں کہ یہ بھی ٹھیک ہے اور وہ بھی ٹھیک ہے) ان کے کان ہیں مگر ان سے سنتے نہیں (یعنی حق بات سنکر ان پر غور نہیں کرتے بلکہ کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم اچھے یا برے رہبروں کے جھگڑے میں پڑیں) "یہ لوگ گویا جانور ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے، اور یہی لوگ تو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں" (اعراف ۱۷۹) حالانکہ پروردگار عالم کا کھلا ہوا حکم ہے کہ "حق کو باطل کا لباس نہ پہناؤ اور حق کا علم ہو جانے کے بعد اسے نہ چھپاؤ (بقر۴۲)" سب کی باتیں سن کر خدا کی دی ہوئی عقل و تدبر سے کام لیکر جو لوگ حق باتوں کو قبول کر لیتے ہیں اور غلط باتوں کو چھوڑ دیتے ہیں انھیں قرآن پاک میں بشارت دی گئی ہے" (اے پیغمبرؐ!) ان لوگوں کو خوشخبری دیدیجئے جو تمام باتوں کو سنتے ہیں اور پھر اس میں جو احسن یعنی بہترین باتیں ہیں انکی پیروی کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جنکی خدا نے ہدایت کی ہے اور یہی لوگ صاحب عقل ہیں (زمر ۱۷، ۱۸)--" آپ تو بس اسی شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو آپ کی نصیحت کو قبول کرے اور بن دیکھے خدا کا (دل میں) خوف رکھے، آپ انھیں مغفرت کی اور باعزت اجر کی خوشخبری دیدیجئے۔ (یٰس ۱۱)" یہاں یہ بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ اللہ کے فرمان کے مطابق کوئی ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، جو جیسا کمائے گا ویسا ہی پائے گا، کوئی رتی برابر اچھا عمل کریگا تو وہ بھی اسکے سامنے ثواب کی صورت میں آئے گا اور جو ذرہ برابر بُرا عمل کریگا وہ بھی اسکے سامنے (عذاب کی شکل میں) آئیگا۔ **انا ھدینه السبیل اما شاکر او اما کفورا** (دہر۳)۔ انہی آیاتِ وافی ہدایۃ کے پیش نظر اپنے عجز و کوتاہی نظر کا اعتراف کرتے ہوئے بصد خلوص نیت اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے حقیر نے قلم اٹھایا

بہت سے مسلمان "سیوئیں" نام کی چیز سے بھی واقف نہ ہونگے۔ تو کیا ان رسم ورواج کو مذہب کہہ سکتے ہیں؟ محترم! شادی میں دینی عمل نکاح ہے اور عید میں شکرانے کی نماز ہے، جسے دنیا کے تمام مسلمان اپنے اپنے مسلک کے مطابق ادا کرتے ہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خمس، جہاد، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، قرآن اور اہلبیتؑ سے تمسک، جن پر اللہ کی نعمتیں نازل ہوئیں ان کی تاسی اور جن پر اللہ غضبناک ہوا ان سے اظہار برأت...... یہ تمام چیزیں وہ ہیں جن کا تعلق دین سے ہے۔ اسکے لئے نہ سید ہونے کی شرط ہے نہ غیر سید ہونے کی بات، نہ خاندانی تسلسل کی ضرورت ہے نہ کسی سے رشتہ ناطہ جوڑنے کی حاجت۔ اگر ایک کافر اسلام قبول کرلے تو اسے بت پرستی بہرحال چھوڑنا ہوگا بلکہ دین اسلام میں جو چیزیں حرام ہیں اُن سب کو ترک کرنا ہوگا، اب یہ نہیں ہوسکتا کہ "خاندان در خاندان" شراب نوشی ہوتی چلی آئے یا سور کا گوشت (لحم خنزیر) اب بھی کھاتے رہیں یا سود خوری کی رسم جاری تھی تو اب اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اسکا رواج باقی رہے، اب یہ سب ناممکن ہے۔ جس دن دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے اسی دن سے یہ چیزیں حرام ہوگئیں۔ اسی طرح اگر آپ آج مذہب شیعہ قبول کرلیں تو مسلک اہل سنت کی وہ تمام باتیں خود بخود ترک کردیں گے جو اصول مذہب شیعہ کے منافی ہیں ــــــ مثلاً "ظالم بھی رضی اللہ، مظلوم رضی اللہ" کا فارمولہ ترک کرنا پڑیگا، ہر اس حدیث وروایت کو ردّی کی ٹوکری میں ڈالنا ہوگا جس سے مرسل اعظمؐ کی عصمت وطہارت اور وہبی علوم پر آنچ آتی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے منتخب صدیقین مباہلہ کی دنیا کے بنائے ہوئے صدیق نیز دیگر صحابہ پر برتری تسلیم کرنی ہوگی، قربیٰ سے مودت اور ان کے دشمنوں سے برأت کا اعلان کرتے ہوئے صاحبان تطہیر کے دامن سے تمسک اختیار کرنا ہی ہوگا ــــــ فرض کیجئے ــــــ اگر ایسی صورت پیدا ہوجائے، یعنی آپ شیعہ ہوجائیں تو کیا کوئی آپ سے یا آپ کی شیعہ نسل سے

یہ مطالبہ کرسکتا ہے کہ ''خاندان درخاندان جو افکار زمانے سے چلے آرہے تھے۔ وہی اب بھی باقی رہنے چاہئے؟ بھائی صاحب جب علم، وقت اور حالات کے تحت مسلک ہی بدل گیا تو کیا سید کیا شیخ، کیا خان کیا پٹھان، کوئی بھی اب اپنے نئے مسلک کو اپنے باپ دادا کے ''رسم ورواج وافکار'' کا پابند نہیں بنا سکتا ہے۔ جہاںتک ڈاکٹر تیجانی کے آباؤ اجداد کے مسلک کی تبدیلی کی بات ہے۔ عین ممکن ہے کہ ظالم امرأ کے خوف سے ''تقیہ'' اختیار کیا ہو۔ رفتہ رفتہ کچھ نسلوں کے بعد حالات نے انھیں سنی مذہب میں تبدیل کردیا ہو ـــــ اب جب کہ خداوند عالم نے انھیں توفیق عطا کی تو وہ اپنی ذاتی تحقیق وجستجو سے اپنی کھوئی ہوئی اخروی دولت یعنی ''دین حق'' کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

محترم رزاق بھائی! پچھلی تاریخ بھی گواہ ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو جس خاندان میں پیدا ہوا ہو، اسمیں نسلاً بعد نسلٍ باپ دادا کے افکار وعقائد باقی رہ جائیں، محمد ابن ابی بکر حضرت عائشہ کے بھائی تھے۔ دونوں ایک ہی باپ (حضرت ابوبکر) کی اولاد تھے لیکن ان کے افکار وکردار میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ بھائی حضرت علیؑ کو حق پر مانتے تھے اور ان کی فوج میں تھے جبکہ بہن خلیفۂ برحق حضرت علیؑ کے خلاف فوج کو کمانڈ کررہی تھیں۔ عزیز محترم! ڈیڑھ ہزار سال کی تاریخ اسلام خون میں ڈوبی ہوئی ہے۔ جس میں شیعوں اور خصوصاً سادات کی برابر نسل کشی ہوتی رہی ہے۔ انھیں حالات میں سادات کرام نے کہیں شافعی، کہیں مالکی، کہیں حنفی، اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں صوفی بن کر اپنی نسلوں کی حفاظت کی ہے۔

اجماع کی تحقیق اور خلافت ابوبکر

ت: رہ گیا وہ اجماع جس کا ادعا ابوبکر کی خلافت کے بارے میں کیا گیا ہے، اور

جسکی بنیاد پر مسجد رسولؐ میں ان کی بیعت کی گئی تھی۔تو وہ ایک دعویٰ بلا دلیل ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضرت علیؑ، ابن عباسؓ اور تمام بنی ہاشم کے الگ رہنے کے باوجود اجماع کا ادعا کس طرح کیا جاسکتا ہے؟ پھر عام اصحاب میں سے بھی اسامہ بن زیدؓ، زبیر، سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاریؓ، مقداد ابن اسودؓ، عمار بن یاسرؓ، حذیفہؓ بن یمان، خزؓیمہ بن ثابت ابوہریرہ اسلمی، برا ابن عازب، ابی بن کعب، سہلؓ بن حنیف، سعد بنؓ عبادہ قیس بن سعد، ابو ایوبؓ انصاری، جابر بن عبداللہؓ، خالد بن سعید وغیرہ نے بھی شرکت نہیں کی۔اور شرکت نہ کرنے والوں کی تعداد بہت بڑی ہے۔(طبری ابن اثیر، تاریخ الخلفاء، تاریخ الخمیس، استیعاب وغیرہ)

ر: یہ شخص یہ نہیں بتا رہا ہے کہ یہ تمام نام جو حاضر نہیں تھے کہاں پر تھے؟ دوسری بات یہ کہ یہ صرف چند کتابوں کا حوالہ دے رہے ہیں جو اس واقعہ کے کئی سو سال بعد تاریخی شکل میں لکھی گئی ہے۔اس کے خلاف بھی بہت سی کتابیں ہیں جن سے یہ اتفاق نہیں کرتے ہیں۔تیسری بات یہ کہ شامل ہونے والوں کی تعداد اور ان کا نام نہیں بتایا جا رہا ہے۔

د: محترم! جو صحابہء کرام سقیفہ کی کارروائی میں شریک نہیں تھے انکی ایک بہت بڑی تعداد ہے جنمیں سے مدینہ میں رہنے والے چند معروف اور اکابر صحابہ کے نام ڈاکٹر تیجانی نے درج کئے ہیں، جنکی عدم موجودگی میں اجماع کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہ جاتی۔شریک نہ ہونے والے مسلمانوں کو فی الجملہ ۳ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔پہلا اور سب سے بڑا طبقہ وہ ہے جو مدینہ کے علاوہ دیگر شہروں اور قریوں میں آباد تھا جنھیں کچھ دنوں بعد معلوم ہوا ہوگا کہ آنحضرتؐ کا وصال ہوگیا اور آپکی جگہ حضرت ابوبکر خلیفہ ہوگئے۔دوسری بڑی تعداد مدینہ میں رہنے والوں کی ہے جو سقیفہ کی کارروائی میں شریک نہیں ہوسکے۔ وہ اپنے اپنے گھروں میں خوف

وہراس کے عالم میں وقت اور حالات کے منتظر تھے۔ اسلئے کہ ایک بزرگ صحابی آنحضرتؐ کی وفات ہوتے ہی تلوار لیکر مدینہ کے گلی کوچوں میں اعلان فرمارہے تھے کہ ''خبردار کوئی یہ نہ کہے کہ رسولؐ کا انتقال ہوگیا، جو شخص بھی کہے گا کہ آنحضرتؐ نے وفات پائی تو میں اُسے قتل کردوں گا۔'' (ترجمہ صحیح بخاری از مولانا وحید الزماں صاحب (حنفی) الموسوم بہ تیسر البخاری پارہ ۵ کتاب الجنائز ص ۵۴، علامہ شہرستانی کی الملل والنحل جلد ا ص ۲۰، اور علامہ شبلی نعمانی نے بھی اپنی کتاب ''الفاروق'' میں یہ واقعہ درج کیا ہے) تیسرا طبقہ وہ ہے جو حضرت علیؑ کو خلیفہ برحق سمجھتا تھا۔ اسلئے یہ حضرات آنحضرتؐ کی تجہیز وتکفین میں حضرت علیؑ کے شریک کار تھے اور سقیفہ کی کارروائی میں شریک نہیں ہوئے۔ یہ مسلمانوں کی وہ بڑی جماعتیں تھیں جو حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنانے کے وقت سقیفہ بنوساعدہ تک پہونچی ہی نہیں۔ اب باقی چند افراد کو حضرت عمر اپنے ساتھ لیکر سقیفہ میں پہونچے جن میں حضرت ابوبکر اور ابوعبیدہ بن الجراح کے نام اہم ہیں۔ یہ خبر جب مدینہ کے مخصوصین تک پہونچی کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں لوگ مسئلہ خلافت طے کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ مہاجرین اور انصار کے بھی چند معروف حضرات وہاں پہونچ گئے۔ انصار نے حضرت سعد بن عبادہ کو ایک چادر اوڑھا کر، انصاریوں کی طرف سے خلافت کا ''کینڈیڈیٹ'' بنا کر پیش کیا۔ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر اور عبیدہ بن الجراح کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ ان دونوں آدمیوں میں سے کسی ایک کی بیعت کرلو۔ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کے لئے اشارہ کیا۔ یہ اشارہ حضرت عمر کو ناگوار گذرا اور آپ نے فرمایا ''اگر میری گردن کاٹ دی جاتی تو بہتر تھا بہ نسبت اسکے کہ میں حضرت ابوبکر کے ہوتے ہوئے خلیفہ بنوں یا میں ان پر حاکم بنوں۔'' انصار میں سے ایک شخص نے چلا کر کہا ''منا امیر ومنکم امیر'' یعنی ایک شخص کو ہم امیر بنائیں اور ایک شخص کو تم ـــــ اس پر شور وغل مچنے لگا اور بقول حضرت عمر انھیں فساد کا

اندیشہ پیدا ہونے لگا۔ دفعتاً انھوں نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ آپ اپنا ہاتھ بڑھائیے، چنانچہ انھوں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور حضرت عمر نے سب سے پہلے انکی بیعت کی پھر وہاں پر موجود مہاجرین نے اور پھر بادل ناخواستہ انصار نے بھی بیعت کرلی۔ الفاروق جلد۲ ص ۲۱۱ پر علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں ''حضرت عمر کے معرکہ کے جو خطبے ہوتے تھے ان میں تیار ہوکر جاتے تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ میں خود انکا بیان ہے کہ میں خوب تیار ہوکر گیا تھا۔'' ___ محترم! سقیفہ میں حضرت عمر کا ''خوب تیار ہوکر جانا'' کیا اس حقیقت کی دلیل نہیں ہے کہ یہ سارا ڈرامہ پوری پلاننگ کے تحت پہلے سے رچا گیا تھا؟ سقیفہ کی کارروائی کا تفصیلی جائزہ لینے کے لئے ملاحظہ ہو؛ تاریخ طبری جلد۲۔ ص ۲۰ و ۴۵۶، تاریخ الخلفاء ص ۴۲، صواعق محرقہ ص ۲۱، مسند احمد بن حنبل جلد ا ص ۵۵، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۱۹، کنزالعمال جلد۳ ص ۱۴۰، ___ وغیرہ۔

تاریخ طبری مترجمہ سید ابراہیم صاحب مطبوعہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد جلد ا حصہ چہارم ص ۳ تا ۸ سے حضرت عمر کی خوب تیار کی گئی تقریر کا ایک اقتباس اور ملاحظہ فرمالیجئے ...... سقیفہ بنو ساعدہ میں حضرت عمر نے انصار سے کہا کہ ''بخدا عرب اس بات کونہیں مانیں گے کہ تم ان پر حکومت کرو جبکہ نبی تمہارے علاوہ دوسرے قبیلہ کے ہوں۔ ہاں البتہ عربوں کو اس قبیلہ کی حکومت تسلیم کرنے میں تامل نہ ہوگا جسمیں نبوت تھی اور اسی میں سے ان کے امیر ہونے چاہیے۔ اور اس شکل میں عربوں میں سے کوئی اسکی امارت ماننے سے انکار کریگا تو ان کے مقابلہ میں ہمارے پاس کھلی ہوئی دلیل اور کھلا ہوا حق ہوگا۔ محمدؐ کی حکومت اور امارت میں کون ہم سے تنازعہ کرسکتا ہے؟ ان کے بعد اب ہم ان کے دلی اور خاندان والے اسکے مستحق ہیں۔ صرف جو گمراہ ہوگا، گنہگار ہوگا یا جو ہلاکت میں گرفتار ہوگا وہی اس تجویز کی مخالفت کریگا، اور کوئی نہیں کرسکتا۔'' محترم! یہ ہے اجماع کی حقیقت اور

خلافت ابوبکر کا ایک مختصر خاکہ ـــــ جس سے ایک انصاف پسند مسلمان بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سچا جانشین کون ہو سکتا ہے۔

اس ''اجماع'' میں یہ بات اور جوڑی جا سکتی ہے کہ قبل وفات پیغمبر حکم پیغمبرؐ سے لشکر اسامہ بن زیدؓ پہلے ہی کافی اصحاب کے ساتھ مدینہ سے باہر جا چکا تھا، مدینہ میں کچھ ضعیف و ناتوان، کچھ وقتِ وفات پیغمبرؐ کے منتظر سیاست داں اور بنی ہاشم کے وہ افراد جنھیں آنحضرتؐ نے خود روک لیا تھا، بس وہی رہ گئے تھے۔ جو لوگ جیش اسامہ سے مدینہ واپس آ گئے تھے، ممکن ہے کہ وہ بھی سقیفہ پہونچ گئے ہوں، لیکن جیش اسامہ سے تخلف کرنے والوں پر پیغمبر اکرمؐ نے لعنت کہی تھی۔ اور جس اجماع میں (بزبان رسولؐ) یہ لعنت شدہ افراد شریک ہوں اس اجماع کی حقیقت آپ خود ہی سمجھ لیں۔

رزاق صاحب! آپ کہہ رہے ہیں کہ ''یہ شخص یہ نہیں بتا رہا ہے کہ تمام نام جو حاضر نہیں تھے کہاں پر تھے'' آپ کے سوال کا جواب خود تیجانی کی تحریر میں موجود ہے۔ اسکے علاوہ میں نے بھی تفصیل درج کر دی ہے کہ یہ لوگ سقیفہ کیوں نہیں پہنچے۔ مگر آپ یہ سوالات قائم کر کے اصل مسئلہ سے توجہ ہٹانا چاہتے ہیں۔ بنیادی سوال یہ ہے کہ ابھی جبکہ رسول اسلامؐ کی آنکھیں بند ہوئے صرف چند لمحے گذرے ہیں پورا مدینہ غم اندوہ کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہے۔ بلکہ اہل مدینہ اس عظیم المیہ کی وجہ سے اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہیں اور اعزا و اصحاب رسولؐ کی اہم ترین شخصیتیں رسولؐ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہیں، کچھ لوگوں کو کیا عجلت تھی کہ وہ سقیفہ میں جمع ہوں اور رسولؐ کی خلافت کا فیصلہ کریں۔ اور اس سے بھی زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ اُن کو کس نے یہ حق دیا تھا کہ وہ رسولؐ کی جانشینی کا فیصلہ کریں جبکہ رسولؐ کے بعض قریب ترین اور اہم ترین اعزا و اصحاب وہاں موجود نہ تھے۔

پھر آپ کہتے ہیں کہ ''تیسری جہت یہ کہ شامل ہونے والوں کی تعداد اور

اُن کا نام نہیں بتایا جارہاہے''۔ آپ کا یہ اعتراض بھی فضول ہے۔ میں کہتا ہوں کہ فرض کر لیجئے کہ سقیفہ میں تمام اہل مدینہ پہنچ گئے تھے لیکن رسولؐ کے وہ اعزاو اصحاب جو وہاں نہیں گئے کیا اس اہم اور تاریخی موقع پر اُن کی کمی اور غیر حاضری کو عام اہل مدینہ پوری کر سکتے ہیں؟ کیا اُن کی عدم موجودگی میں تاریخ اسلام کا یہ اہم ترین فیصلہ مناسب تھا؟ کیا ایسے فیصلہ کو اجماع کہا جاسکتا ہے؟

رزاق صاحب! تلخ حقیقت یہ ہیکہ رسولؐ اسلام کی آنکھ بند ہوتے ہی جبکہ اعزاء و اصحاب رسول کی اہم شخصیتیں غم و اندوہ میں مبتلا اور اُنکی تجہیز و تکفین میں مشغول تھیں، کچھ لوگوں کا سقیفہ میں جمع ہو کر چٹ پٹ خلافت کا فیصلہ کر لینا ایک سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ تھا جس کا مقصد کسی کو اس کے حق سے محروم کرنا اور کسی کو برسر اقتدار لانا تھا۔ یہ منصوبہ اور سازش نہیں تو اور کیا تھی کہ سقیفہ میں قبل اس کے کہ مہاجرین اور انصار کسی متفقہ فیصلہ پر پہنچ سکیں' حضرت عمر نے سبقت اور عجلت فرما کر حضرت ابوبکر کی خلافت کا اعلان کر دیا اور انکی بیعت کر لی دو سال بعد جب خود حضرت ابوبکر انتقال کرنے لگے تو حضرت عمر کو اپنا جانشین اور خلیفہ نامزد کر دیا۔ اس طرح انکے احسان کا بدلہ ادا کر دیا۔

رزاق صاحب! آپ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ ''دوسری بات'' یہ کہ یہ صرف چند کتابوں کا حوالہ دے رہے ہیں جو اس واقعہ کے کئی سو سال بعد تاریخی شکل میں لکھی گئی ہے۔ اس کے خلاف بھی بہت سی کتابیں ہیں جن سے یہ اتفاق نہیں کرتے ہیں۔''

محترم! آپ نے عالم اسلام کے محترم مؤقر علماء و محدثین اور تاریخ اسلام کے مستند اور معتمد مورخین مثلاً علامہ محبّ الدین طبری، شیخ عزالدین علی ابن محمد ابن اثیر جزری، علامہ جلال الدین سیوطی، قاضی حسین ابن محمد الدیار بکری (مکی)، حافظ ابی عمر یوسف ابن عبدالبر جیسے بزرگ علماء اہل سنت کی اہم ترین

کتابوں کو یک قلم غیر معتبر قرار دے دیا۔ یہی تو وہ کتابیں ہیں جو بعد کے علماء ومورخین ومحدثین کی کتابوں کا ماخذ اور بنیاد بنیں۔ اگر یہ کتابیں غیر معتبر ہیں اسلئے کہ وہ کئی سو سال بعد لکھی گئیں تو اُن کتابوں کے نام بتا دیجئے جو رحلت رسولؐ کے فوراً بعد لکھی گئیں۔ ممکن ہے آپ سیرت ابن ہشام کا نام لیں، تو آپ ملاحظہ کر لیجئے اس میں سقیفہ بنی ساعدہ کی داستان تقریباً سی طرح لکھی ہے جس طرح مذکورہ بالا مورخین نے لکھی ہے، بلکہ حقیقتاً ان کتابوں کا اصل ماخذ سیرت ابن ہشام ہے۔

محترم! مزید براں تیجانی صاحب کے اس جملہ پر پھر غور فرمالیجئے، جس میں حق شناسوں کے لئے ہدایت کی روشنی ہے۔ ''بندگان خدا! آپ بتائیں کہ اس اجماع کی کیا حقیقت ہے جس میں اسقدر جلیل القدر اصحاب شریک نہ ہوں چہ جائیکہ اگر تنہا علی ابن ابی طالبؑ شریک نہ رہتے تو اجماع بے قیمت تھا۔'' ڈاکٹر تیجانی کا یہ دعویٰ بے دلیل نہیں ہے، ثبوت میں شیخ سلیمان بلخی حنفی کی کتاب ینابیع المودت باب ۴۳ پر رقم یہ حدیث پڑھ لیجئے کہ جب لوگوں نے ابوایوب انصاریؓ پر اعتراض کیا کہ تم نے ابوبکر کی بیعت کیوں نہیں کی اور کیوں علیؑ کے طرفدار ہوگئے تو انھوں نے جواب میں حضرت رسول اکرمؐ کی یہ حدیث سنائی کہ ـــــ ''میں ایک روز رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر تھا، عمار یاسرؓ وارد ہوئے اور آنحضرت سے سوال کیا ـــــ حضرتؐ نے فرمایا کہ اے عمارؓ اگر تمام لوگ ایک راستہ پر جائیں اور تنہا علیؑ ایک راستہ پر تو تم علیؑ ہی کے راستہ پر چلنا اور دوسروں سے بے نیاز ہو جانا۔ اے عمارؓ علیؑ تم کو ہدایت کے راستہ سے برگشتہ نہ کریں گے اور ہلاکت کیطرف نہ لیجائیں گے۔ اے عمارؓ! علیؑ کی اطاعت میری اطاعت اور میری اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔'' محترم رزاق بھائی! مزید اطمینان کیلئے ابن قتیبہ دینوری کی کتاب ''الامامت والسیاست'' سے ذیل میں چند اقتباسات پیش ہیں جس سے اس ''اجماع'' کی حقیقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔ ابن قتیبہ ایک مستند

بزرگ سنی عالم تھے جن کے بارے میں ابن خلکان اپنی کتاب ''دفیات الاعیان'' میں لکھتے ہیں ''ابومحمد عبداللہ ابن مسلم ابن قتیبہ الدینوری ایک زبردست فاضل تھے اورنہایت صاف اور سچے انسان تھے۔آپ بغداد میں رہتے تھے اور اسحاق ابن راہویہ جیسے ائمہ حدیث نے آپ سے حدیثیں نقل کیں ہیں'' اور مصر کے ایک عظیم عالم محمود رفاعی تحریر فرماتے ہیں ''آپ کی کتاب ''الامامت والسیاست'' اپنے موضوع پر ایک لاجواب اور اپنے طرز وانداز میں ایک بے مثل کتاب ہے۔اس موضوع پر آپ سے پہلے کسی نے ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی تھی۔اس کتاب کے مولف نے اس کتاب کے اندر امامت کے تمام پہلوؤں پر بحث کی ہے اور صحابہ کرامؓ کا ذکر بھی کیا ہے۔'' (دیباچہ الامامت والسیاست)

پہلا اقتباس:۔۔۔۔ (جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہونے لگی تو) ''خباب ابن منذر نے اپنی تلوار کھینچ لی۔تو لوگوں نے جلدی سے بڑھ کر ان سے تلوار چھین لی تو وہ اپنے کپڑے سے لوگوں کے منھ پر مارنے لگے یہاں تک کہ لوگ بیعت سے فارغ ہوئے۔

دوسرا اقتباس:۔۔۔۔ (حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ) ''سعد ابن عبادہ کو بغیر بیعت کے نہ چھوڑو۔اس پر قیس ابن سعد نے کہا کہ انھوں نے بیعت سے انکار کردیا ہے اور سختی سے اپنے ارادہ پر قائم ہیں، جب تک وہ قتل نہ کردئے جائیں بیعت نہ کرینگے اور جب تک ان کی اولاد، گھر والے اور قبیلہ والے نہ قتل کردئے جائیں اسوقت تک ان کا مارنا ممکن نہیں۔اور ان کے اہل وعیال اسوقت تک مارے نہیں جاسکتے جب تک قبیلہ خزرج نہ مار ڈالا جائے۔اور قبیلہ خزرج کو مارنا آسان نہیں ہے جب تک قبیلہ اوس نہ قتل کیا جائے۔پس جو معاملہ بن گیا ہے اسکو نہ بگاڑو اور سعد بن عبادہ کو چھوڑ دو۔'' (جلد ا ص ۱۱)

تیسرا اقتباس:۔۔۔۔ پھر عمر اٹھے اور ان کے ساتھ ایک جماعت بھی چلی

یہانتک کہ باب فاطمہ پر پہونچے اور دروازہ کھٹکٹایا۔ فاطمہ زہراؑ نے جب ان لوگوں کی آوازیں سنیں تو بلند آواز سے چلائیں اور پکاریں کہ اے بابا! اے اللہ کے رسولؐ! آپ کے بعد ہم لوگ خطاب کے بیٹے کے ہاتھوں اور قحافہ کے بیٹے کے ہاتھوں کیا مصیبت دیکھ رہے ہیں۔ جب قوم نے فاطمہؑ کی فریاد سُنی تو روتے ہوئے پلٹ گئے اور قریب تھا کہ ان کے دل پھٹ جائیں اور کلیجے شق ہو جائیں مگر عمر اور ان کے ساتھ کچھ لوگ رک گئے اور حضرت علیؑ کو گھر سے نکالا اور ابوبکر کے پاس لے گئے اور کہا کہ بیعت کرو، (علیؑ نے) کہا کہ اگر بیعت نہ کروں تو کیا کروگے؟ تو جواب دیا کہ قسم ہے وحدہٗ لاشریک کی تمہاری گردن مار دینگے۔ (حضرت علیؑ) نے کہا کہ کیا تم خدا کے بندے اور اسکے رسولؐ کے بھائی کو قتل کروگے؟ عمر نے کہا کہ بندۂ خدا تو ٹھیک ہے مگر ہم تمہیں رسول اللہؐ کا بھائی نہیں مانتے۔ ابوبکر چپکے بیٹھے سب دیکھتے رہے، تب عمر نے کہا کہ ان کے بارے میں آپ (گردن زدنی کا) حکم کیوں نہیں دیتے؟ اس پر ابوبکر نے جواب دیا کہ جب تک فاطمہ زندہ ہیں ان پر ہم جبر نہیں کریں گے۔ اس کے بعد حضرت علیؑ قبر رسولؐ پر آئے اور رو رو کر فریاد کرنے لگے۔ "اے میرے بھائی! آپ کے بعد قوم نے مجھ کو کمزور و بے بس کر دیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتی" (جلد ا ص ۱۴)

محترم! یہ وہی جملہ ہے جو جناب ہارونؑ نے بنی اسرائیل کی شکایت کرتے ہوئے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا۔ اب اسکے بعد حدیث منزلت کا دوبارہ مطالعہ کر لیجئے جس میں آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا "اے علیؑ تم کو مجھ سے وہی منزلت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔"

محترم رزاق بھائی! میرا خیال ہے کہ سقیفہ کے اجماع اور خلافت حضرت ابوبکر کی سازش آپ کی نگاہوں میں بے نقاب ہو چکی ہوگی۔

ت: حقیقت امر یہ ہے کہ اس خلافت کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے اور یہ صرف

ہے جس میں سورہ ہود کی ۸۸ ویں آیت کو مشعل راہ بنا رہا ہے، **ان ارید الا الا صلاح ماستطعت وما توفیقی الا بالله علیه توکلت والیه انیب**☆ ـــــ یعنی میں اصلاح کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا اور یہ میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے۔ اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کیطرف رجوع کرتا ہوں۔"

برادر محترم! عقائد میں اختلاف کے باوجود آج کی اشد ترین ضرورت ہے کہ تمام مسلمان متحد ہو کر اسلام دشمن طاقتوں کا مقابلہ کریں۔ اتنی بڑی تعداد میں ہونے باوجود آج مسلمان ذلت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آخر کیوں--؟ اسکی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ مسلمان مختلف ذات پات، فرقوں اور گروہوں میں تقسیم ہو کر ایک دوسرے سے اخوت و محبت اور اتحاد کا سبق بھول گئے، جب کہ قرآن آواز دے رہا ہے "تمام مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں"۔ نا اتفاقی کا نتیجہ سامنے ہے کہ اسلام دشمن طاقتوں نے مسلم حکومتوں کو ایک دوسرے سے مشکوک بنا کر نہ صرف "ذہنی انتشار" میں مبتلا کر دیا بلکہ ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی پر بھی آمادہ کر دیا اور تعمیری علوم سے دور رکھ کر "دہشت پسندی" کی راہ پر لگا دیا۔ ذلت و رسوائی مسلمانوں کا مقدر بن گئی۔

ان مغربی طاقتوں نے مکر و فریب کا جال بچھا کر مسلمانوں کو ذہن و فکر کا مریض بنا کر اُن کی دنیا اور آخرت دونوں کی بربادی کا انتظام کر دیا۔ ایک طرف مسلمانوں پر دولت کا نشہ سوار ہے تو دوسری طرف جہالت اور قدامت پرستی کی مار۔ عرب نیز دیگر مسلم مملکتوں میں تیل کی بے پناہ دولت قدرت کی عطا ہے، مگر اُس کی کنجی امریکہ، اسرائیل، برطانیہ اور دیگر یوروپین ممالک کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ ممالک تیل کے بیش قیمت سرمایہ کے بدلے ہتھیار اور تعیش کے مہلک سامان انھیں فراہم کرتے ہیں جو بالآخر مسلمانوں ہی کی تباہی اور بربادی کا سبب بنتا ہے۔ ماڈرن سائنس، انجینئرنگ اور ٹیکنالوجی میں مسلمانوں کا حصہ نہیں کے برابر ہے جبکہ آج کامیابی اُس کی ہے جسکے

ایک ہٹ دھرمی ہے اور کچھ نہیں ہے...... اور اس بنیاد پر شیعوں کا یہ عقیدہ بالکل صحیح ہے کہ خلیفہ بلافصل حضرت علیؑ ہیں جن کی خلافت پر نص رسولؐ موجود ہے اور اسے تمام علماء اہل سنت نے نقل کیا ہے اور اس کی تاویل صرف عظمت صحابہ کے تحفظ کی بنا پر کی گئی ہے۔ ورنہ انصاف پسند انسان جانتا ہے کہ ان نصوص کے ٹھکرانے کا کوئی جواز نہیں ہے اور تمام خصوصیات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اسکے نہ ماننے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

ر: شاید یہ شخص بھول رہا ہے کہ عربوں کی بڑی تعداد نے رسولؐ اور ان کے خاندان کی حمایت کی تھی۔ جبکہ ابو بکرؓ اور عمرؓ ابھی تک اسلام قبول نہیں کئے تھے اور نہ ان سے خوف کھاتے تھے تو پھر یہ لوگ جو تعداد میں ان تین خلفاء کے حمایتیوں سے زیادہ تھے چپ کیوں بیٹھے رہے؟ اور ان کی خلافت ایک یا دو دن نہیں بلکہ برسوں یا ایسے کہیں کہ بیسوں برس تک چلتی رہی۔ اور آج کی دنیا میں جو کئی کروڑ مسلمان پڑھے لکھے ہیں تو ان میں سنیوں کی تعداد کیوں زیادہ ہے؟

اہل بیتؑ کی حمایتی خاموش کیوں رہے؟

د: محترم رزاق بھائی! (۱) پہلے دور خلافت میں مالک ابن نویرہؓ، صحابی رسول کو قتل کر کے انکی بیوی کے ساتھ فعل حرام بجالانے والے کو سزا کی جگہ "سیف اللہ" کے خطاب سے نوازا گیا ___ تمام صحابہ خاموش رہے۔ کیوں؟ (۲) امام حسنؑ سے کئے گئے معاہدے کے خلاف تمام مسلمانوں کے ایک بڑے مجمع میں امیر معاویہ نے اپنے فاسق و فاجر، شرابی و زانی اور کتوں سے کھیلنے والے بیٹے یزید کو مسند خلافت رسولؐ پر بٹھا دیا چند مسلمانوں کے علاوہ تمام مسلمانوں نے (جن میں صحابہ کی بڑی تعداد تھی) خاموشی سے اُسے خلیفہ تسلیم کر لیا ___ کیوں؟ (۳) ابن سعود کے دور حکومت میں نبی کی پارہ جگر فاطمہ زہراؑ کا روضہ مسمار کر دیا گیا۔ کلمہ گویان

رسولؐ خاموش رہے ــــــ کیوں؟ (۴) مرسل اعظمؐ کے والد محترم حضرت عبداللہ کا روضہ منہدم کر کے قبر تک کھودڈالی گئی مسلمانان عالم خاموش رہے ــــــ کیوں؟ (۵) ۱۹۷۵ء میں ہمارے ملک ہندوستان میں ایمرجنسی کے دوران ہزاروں مسلمان نامرد بنادئے گئے۔ علمائے اسلام نہ صرف یہ کہ چپکے بیٹھے رہے بلکہ اکثر علماء نے ''نس بندی'' کے حق میں غیر شرعی فتویٰ تک دیدیا ــــــ کیوں؟ (۶) پاکستان کے محبوب ترین فرمانروا، ذوالفقار علی بھٹو کو جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت میں تختہ دار پر چڑھادیا گیا۔ انکے حمایتی چپکے بیٹھے رہے ــــــ کیوں؟ (۷) ابھی چند دنوں پہلے ترکی میں ایک باحجاب لڑکی منتخب ہوکر پارلیامنٹ میں پہونچی۔ اراکین حکومت نے اسے حجاب اتارنے کے لئے مجبور کیا اور سخت ترین ذہنی اور جسمانی ایذا پہونچائی گئی، ترکی کے تمام سنی مسلمان خاموش رہے ــــــ کیوں؟ (۸) اسامہ بن لادن اور ملا عمر کو ہلاک کرنے کے نام پر امریکہ نے ہزاروں بے گناہ اور عابد وزاہد مسلمانوں کو بم اور میزائل کا نشانہ بنایا بے شمار عورتوں کی عصمت لوٹی گئی، کروڑوں کا اثاثہ آتشیں اور ایٹمی اسلحوں سے خاکستر کردیا گیا ــــــ عالم اسلام تماشائی بنا دیکھتا رہا ــــــ کیوں؟ ــــــ محترم اسطرح کے مجرمانہ ظلم و بربریت کے بے شمار واقعات تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں۔ ان تمام سوالوں کا جواب صرف ایک ہے ''Might is Right'' یعنی جس کے ہاتھ میں حکومت ہوتی ہے، اقتدار ہوتا ہے، طاقت ہوتی ہے، ڈنڈا تلوار یا بم ہوتا ہے اسکے سامنے ہر شریف انسان کو خاموش رہنا پڑتا ہے۔ چاہے خون کے آنسو پی کر چپکے بیٹھ رہے یا فریاد وآہ وبکا کر کے خاموش ہوجائے، جو جان پر کھیل کر حق کے لئے آواز بلند کرتا ہے اسے کبھی ابوذر غفاریؓ کی طرح شہر بدر ہوکر ربذہ کے بے آب وگیاہ جنگل میں رہ کر موت کا انتظار کرنا پڑتا ہے، کبھی قبیلہ بنی سلم کی طرح نذر آتش ہونا پڑتا ہے (ریاض النظرہ، طبری جلد ا ص ۱۰۰)، کبھی مالک ابن نویرہؓ کی

طرح مع محترم قبیلہ کے جان بھی دینی پڑتی ہے اور ناموس کی عزت سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ مالک بھی صحابی رسولؐ تھے یا کم از کم مسلمان ضرور تھے، اسی لئے حضرت ابوبکر نے ان کے بھائی کو دیت ادا کی تھی۔ قصور صرف اتنا تھا کہ وہ حضرت ابوبکر کو جانشین رسولؐ نہیں مانتے تھے اس لئے زکوٰۃ کی رقم انھیں دینے سے انکار کر دیا تھا۔

محترم! ایسا بھی نہیں تھا کہ اہلبیتؑ کے سبھی حمایتی خاموش ہو کر بیٹھ رہے۔ میثم تمارؒ مالکؒ اشتر، رشیدؒ ہجری، حجرؒ بن عدی بن حاتم جیسے سیکڑوں افراد صرف اہلبیتؑ کی حمایت کے جرم میں قتل کر دئے گئے۔ (تفصیل کے لئے پڑھئے ''مصائب الشیعہ'' ۸ جلدوں پر مشتمل مصنفہ مولانا سعادت حسین خاں صاحب طاب ثراہ) وہ اہلبیتؑ کے حمایتی ہی تو تھے جو بعد وفات پیغمبرؐ سقیفہ کے بجائے خانہ سیدہ میں تعزیت کے لئے جمع ہوئے تھے، جنکے لئے حضرت عمر نے کہا تھا کہ انھیں گھر سے نکالدو ورنہ ہم گھر میں آگ لگا دیں گے۔......

محترم! جہاں تک سُنی حضرات کی بڑی تعداد کا مسئلہ ہے، تو اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو پہلے ہی کی جا چکی ہے۔ (ملاحظہ ہو کیا کثرت تعداد دلیل حقانیت ہے'' صفحہ ۲۴۵)

ت: بے شک ابوبکر نے حُسن نیت یا اشتباہ کی بنا پر غلطی کی ہوتی تو جناب فاطمہؑ انھیں مطمئن کرنے کی کوشش کرتیں لیکن آپ نے غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہوئے ان سے کلام کرنے کو ترک کر دیا اور زندگی بھر بات نہیں کی کہ انھوں نے آپ کے دعویٰ کو رد کر دیا ہے اور آپ کی گواہی کو قبول نہیں کیا ہے اور اس بنیاد پر آپ کا غضب اتنا شدید ہو گیا کہ اپنے جنازہ میں بھی شرکت کی اجازت نہیں دی اور اپنے شوہر کو وصیت کر دی کہ میرے جنازے کو رات کی تاریکی میں خاموشی سے دفن کر دیا جائے (بخاری ۳ ص ۳۶، مسلم ۲ ص ۷۲، باب لانورث ماترکناہ صدقہ)

ر: کیا یہ ندامت کی نشانی نہیں ہوسکتی ہے؟

د: بھائی رزاق صاحب! توبہ کیجئے۔ صحابہ کی محبت میں ''خاتون جنت'' کی توہین نہ کیجئے۔ غیظ وغضب، ترک کلام اور بددعا، یہ سب 'ندامت کی نشانی' ہے یا 'ناراضگی کا کھلا ہوا اعلان ہے یقیناً جب آپ اپنی اس تحریر پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائینگے تو آپ کو ندامت کا احساس ہوگا اور بارگاہ معصومہؑ میں طالب عفو ہوں گے۔ اسلئے کہ صحیح بخاری کی روشنی میں فاطمہ زہراؑ کی ناراضگی آنحضرتؐ کی ناراضگی ہے اور پیغمبرؐ کی ناراضگی خدا کی ناراضگی ہے...... پس اللہ کی ناراضگی سے اللہ ہی بچائے۔

قبر جناب سیدہ مخفی رہی' کیوں؟

ت: فاطمہ زہراؑ کی قبر آج تک نامعلوم ہے کہ بعض کا کہنا ہے کہ حجرۂ پیغمبر میں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حجرہ کے سامنے اپنے گھر میں ہے اور بعض کا بیان ہے کہ بقیع میں اہلبیتؑ کی قبروں کے درمیان ہے لیکن اس کی کوئی جگہ معین نہیں ہے۔ اس پہلی حقیقت سے مجھے یہ اندازہ ہوگیا کہ جناب فاطمہؑ نے اپنی وصیت کے ذریعہ ہر نسل کو دعوت فکر دی ہے کہ لوگ ان اسباب کا پتہ لگائیں جنکی بنا پر انھوں نے اپنے شوہر کو وصیت کی تھی کہ انھیں راتوں رات دفن کر دیا جائے اور کوئی شخص ان کے جنازے میں شریک نہ ہو...... کہ اس طرح صحیح الفکر مسلمان حقیقت کا پتہ لگا سکتا ہے اور اس پر بہت سے راز منکشف ہو سکتے ہیں۔

ر: فاطمہ زہراؑ نے اپنے دشمنوں کو جنازہ میں شرکت کرنے کا موقع نہ دینے کے لئے اگر ایسا کہا کہ رات کے اندھیرے میں دفن کر دو تو پھر حضرت علیؓ، انکی اولاد اور انکے حمایتوں کو تو معلوم ہونا چاہئے تھا کہ فاطمہؓ کی قبر کہاں ہے۔ اور حضرت علیؑ کی خلافت کے دور میں تو بغیر کسی ڈر اور خوف کے انکی نشاندہی ہو جانی چاہئے تھی۔ پھر ایسا کیوں نہ ہوا؟

د: محترم! آپ کا سوال اچھا ہے اور سطحی نظر میں درست بھی معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ، اولادِ علیؑ اور چند مخصوص معتمد حمایتیوں نے ہی تدفین فاطمہ زہرا کے امور انجام دیئے تھے تو انھیں قبر کا پتہ بھی ضرور معلوم تھا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ان لوگوں نے قبر کا پتہ چھپایا یہاں تک کہ امیر المومنین حضرت علیؑ نے اپنے ظاہری دورِ خلافت میں بھی کسی غیر معتمد کو قبر کا نشان نہیں بتایا۔ یہ حسرتناک حقیقت بھی حضرت علیؑ کے حقیقی جانشین مصطفیؐ ہونے کی اور انکے علم باطنی (یعنی علم غیب) سے باخبر ہونے کی ایک محکم دلیل ہے کہ علیؑ کی نگاہیں مستقبل کو دیکھ رہی تھیں ــــ انھیں معلوم تھا کہ ابھی تاریخ اسلام کے اوراقِ مستقبل میں حجاج ابن یوسف اور شاہ سعود جیسے یزید صفت چھپے بیٹھے ہیں جو کبھی قبر حسینؑ پر ہل چلوائینگے اور کبھی روضہ (فاطمہ زہراؑ) کو منہدم کر کے قبر سیدہ کو پامال کریں گے۔ اگر سارے عالم میں احتجاج نہ ہوا ہوتا تو قبر معصومہ اور نبی زادوں کی قبریں کھد گئی ہوتیں۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ بنت رسولؐ کی وصیت کے مطابق حضرت علیؑ نے رات کی تاریکی میں خاموشی سے انھیں دفن کر دیا ــــ کسی کو قبر کا پتہ نہ بتایا حتیٰ کہ نام نہاد خلفاء پیغمبر کو بھی یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ رسولؐ کی بیٹی کی قبر کہاں ہے!! **نوٹ**: حضرت علیؑ نے سات قبریں بنا دیں تا کہ قبر فاطمہ پہچانی نہ جا سکے اور دشمنوں کے ہاتھ سے محفوظ رہے ــــ یہ تمام کلمہ گویانِ رسولؐ کے لئے ایک عظیم لمحہ فکریہ ہے۔ فاعتبروا یا ــــ

ت: مجھے یہ بھی اندازہ ہوا کہ عثمان ابن عفان کی قبر کی زیارت کرنے والے کو کافی دور چلنا پڑتا ہے جہاں انکی قبر بقیع کے آخر میں دیوار کے قریب ہے جب کہ تمام صحابہ ابتدائے بقیع میں دروازہ کے قریب دفن کئے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت (امام) مالک جو تابعین کے بھی تابع تھے ان کی قبر بھی ازواج پیغمبر کی قبروں کے قریب ہے۔ جس سے مورخین کا یہ بیان ثابت ہو جاتا ہے کہ انکی قبر یہودیوں کے

قبرستان حش کوکب میں ہے کہ مسلمانوں نے انھیں اپنے قبرستان میں دفن کرنے سے روک دیا تھا۔ اور جب حکومت معاویہ کے ہاتھوں میں آئی تو اس نے یہودیوں سے یہ زمین خرید کر بقیع میں شامل کر دی تا کہ اُس کے خاندان کے سربراہ کی قبر مسلمانوں کے قبرستان میں شامل ہو جائے ___ جنت البقیع کی زیارت کرنے والا آج بھی اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔

ر: حضرت عثمانؓ کی قبر کی جو بات اوپر ہو رہی ہے تو پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ ان کو شہید یا قتل کس نے کیا تھا؟ اسکے بعد انھیں دشمنوں نے حضرت علیؑ کی حمایت کر کے انکی خلافت قائم کی۔ تو کیا دشمن حضرت عثمانؓ کی لاش کو بقیع میں دفن ہونے دیتے یا دفن کرتے؟ یہ ایک بہت بڑا سوالیہ نشان ہے کہ اگر ہم اس پر بحث کریں تو پھر حضرت علیؓ جیسے صاحب قدر، رسول کے چچازاد بھائی اور داماد اور خلیفہ پر ہمیں شک کرنا پڑے گا، جیسا کہ اس مصنف (تیجانی) نے تینوں خلفاء پر شک کے نقاط نکالنے کی کوشش کی ہے، لیکن ہم اہل سنت الحمد اللہ حضرت علیؓ پر شک کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

د: محترم رزاق بھائی! شیعہ حضرات اس طرح کی منافقانہ فکر سے بحمد اللہ پاک ہیں۔ کسی ایسے شخص کو خلیفہٗ رسول نہیں مانتے جس پر کسی بھی شخص کے قتل کی سازش میں شرکت کا شائبہ پایا جاتا ہو ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیجئے اور بتائیے کہ یہ دورنگی فکر نہیں تو اور کیا ہے کہ ایک طرف ''دل کی بات زباں پر'' یہ ہے کہ حضرت عثمان کے قتل یا شہادت پر گفتگو کی جائے تو حضرت علیؑ جیسے صاحب قدر خلیفہ پر شک کرنا پڑیگا ___ مگر دوسری طرف ''فکری مجبوری'' دامنگیر ہے کہ اس پر شک کا اظہار نہ کیا جائے جسے ''خلیفہ رُسولؐ'' تسلیم کرلیا ہے۔ اور اسی لئے اہل سنت حضرات حضرت علیؑ پر قتل عثمان کے لئے مشکوک نگاہ رکھنے کے بعد بھی شک کا اظہار کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ محترم! کیسا متضاد اور مضحکہ خیز یہ موقف ہے کہ خلیفہٗ سوم،

حضرت عثمان کے دشمنوں اور قاتلوں نے حضرت علیؑ کی حمایت کر کے انکی خلافت قائم کی اور حضرت عثمان کے ماننے والے ان کے دشمنوں کی قائم کی ہوئی خلافت کو ''خلافت راشدہ'' تسلیم کر رہے ہیں۔

حضرت عثمان کا قتل کیوں؟ اور قاتل کون؟؟

د: محترم رزاق صاحب! کسی تاریخی واقعہ کا تجزیہ کرنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اُس واقعہ کے صرف عواقب ونتائج ہی پر نظر نہ کرے بلکہ پہلے اُن عوامل اور پس منظر پر بھی غور کرے جو اس واقعہ کا سبب بنے۔ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمان کے طرز زندگی اور حکومت نیز اُن کے مشیروں اور معتمدین کی غیر اسلامی حرکتوں نے نہ صرف اہل بصریٰ اور اہل مصر کو ان کا مخالف بنا دیا بلکہ خود مدینہ کے لوگوں میں ان کے خلاف بڑی بے چینی پائی جاتی تھی اور اسی وجہ سے حضرت علیؑ کے تمام نیک مشورے اور انکی نیز حسنین علیہم السلام کی انھیں بچانے کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ یہ خود ایک بہت ہی اہم اور تعجب خیز سوال ہے کہ حضرت علیؑ اور امام حسن اور امام حسینؑ کے علاوہ مدینہ کی دیگر محترم اور مقتدر ہستیاں (صحابہ کرام) مٹھی بھر بلوائیوں سے حضرت عثمان کو کیوں نہ بچا سکیں؟ حضرت عثمان کے اس انتہائی خطرناک اور پُر ہول وقت پر مدینہ کے وہ اہل حل وعقد کہاں تھے جنھوں نے حضرت عثمان کو خلیفہ بنایا تھا؟ طلحہٰ وزبیر کہاں تھے؟ عبدالرحمٰن ابن عوف اور عبداللہ ابن عمر کیا کر رہے تھے؟ اُم المومنین حضرت عائشہ تو حضرت عثمان سے اتنا برہم وبیزار تھیں کہ انھوں نے فرمایا ''خدا اس نعثل پر لعنت کرے اور اس کو قتل کرے۔'' یقیناً اُم المومنین کی حضرت عثمان سے اتنی خفگی اور ان کے خلاف اس جملے سے بلوائیوں کو بڑی شہ ملی ہوگی۔ اس ہنگامے کے دوران حضرت عثمان نے مدینہ میں جو تقریر کی اس سے واضح ہے کہ اہل مدینہ بھی حضرت عثمان سے خوش نہ

تھے۔ وجہ ——؟

حضرت عثمان کے طرز زندگی اور انداز حکومت پر پہلے ہی مختصراً کچھ روشنی ڈالی جا چکی ہے لیکن حقائق کی تہہ تک پہنچنے کے لئے کچھ مزید تفصیل ضروری ہے۔ آپ کا رہن سہن، عالیشان قصر کی تعمیر، بیت المال کا بے جا تصرف، خاندان پروری، عظیم المرتبت اصحاب رسولؐ کے ساتھ نازیبا سلوک عامۃ المسلمین میں بے چینی پیدا کر رہا تھا۔ اسکے برخلاف حکومت میں بنی امیہ کا تسلط اور غلبہ بڑھتا جارہا تھا معاویہ تو اپنی شاہانہ اور غیر اسلامی پالیسیوں کے باوجود برسوں سے شام کے گورنر کے عہدے پر فائز تھے ہی حضرت عثمان نے اپنے چچازاد بھائی عبداللہ ابن ابی سرح کو مصر کا گورنر بنادیا اور اپنے عزیز مروان بن الحکم کو، جسے رسولؐ نے اس کی بداعمالی وبدکرداری کی وجہ سے مدینے سے دربدر کر دیا تھا، اپنا مشیر ووزیر بنادیا اور اس کو حد سے سوا مراعات دیدیں۔ یہی وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے حضرت عثمان کے خلاف ہر طرف کے مسلمانوں میں شدید غم وغصہ پھیلا ہوا تھا۔ مگر احتجاج کے لئے مدینہ آئے مصریوں کے ساتھ جو سلوک ہوا اس نے غم وغصہ کی اس دبی ہوئی چنگاری کو بھڑکتے ہوئے شعلوں میں تبدیل کردیا جس نے خلیفہ کے وقار، مدینہ کے امن وتقدس اور اسلام کی عظمت واقتدار کو جلا کر خاک کردیا۔

آپ نے کبھی غور کیا کہ آخر وہ کیا اسباب تھے جنکی وجہ سے اہل مصر نے مصر سے مدینہ کی طرف یلغار کی؟ مصر مدینہ سے کوئی چند میل کے فاصلہ پر تو نہ تھا خصوصاً جبکہ حضرت عثمان کے قریب ترین عزیز عبداللہ ابن ابی سرح مصر کے گورنر تھے۔ مگر افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ انھیں عبداللہ ابن ابی سرح کو انتظامی نااہلی اور صوبہ کے بیت المال پر ان کا بے جا تصرف مصر میں بدامنی اور بغاوت کا سبب بنا اور مصریوں کو اپنے گورنر کے خلاف فریاد واستغاثہ اور اُن کے تبادلہ کے لئے خلیفہ وقت کے دربار میں مدینہ آنا پڑا۔ مگر بجائے اس کے کہ گورنر کے خلاف کوئی قدم

اٹھایا جاتا یا اُن کا تبادلہ کردیا جاتا خود مصری وفد حضرت عثمان کی بے اعتنائی اور مروان بن حکم کی سازش کا شکار ہوگیا۔ جو آخر میں حضرت عثمان کے قتل پر آمادہ ہوا۔ مصر کے ناگفتہ حالات اور دربار خلافت کی حکمت عملی کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب مصر میں امن وامان کی حالت عبداللہ ابن ابی سرح کے قابو سے باہر ہونے لگی تو حضرت عثمان نے حضرت عمر کے دور خلافت میں مصر کے فاتح اور بنی اُمیہ کے دیرینہ معاون ومددگار عمروبن العاص کو بلا کر اُن سے کہا کہ میں عبداللہ ابن سرح کو مصر کے والی (گورنر) کے عہدے سے ہٹا کر وہاں کا دیوان (تمام مالی امور کا نگراں) بنادیتا ہوں اور تم کو وہاں کا والی (صوبیدار) تاکہ تم وہاں کے نظم ونسق کو سنبھالو اور وہاں امن وامان بحال کرو۔ تو اسوقت کے مشہور عرب سیاس نے حضرت عثمان کو یہ جواب دے کر ششدر کردیا کہ ''جی مجھے گورنر اور عبداللہ کو وہاں کا دیوان بنا کر آپ چاہتے ہیں کہ گائے کے سینگ تو میں پکڑوں اور عبداللہ اس کو دوہیں''۔

انھیں حالات میں جب مصری وفد مدینہ آیا، حضرت عثمان سے گورنر کی شکایتیں کیں اور اُن کے تبادلہ کی درخواست کی تو اسوقت تو انکو سمجھا بجھا کر واپس کردیا گیا لیکن ابھی وہ مدینہ سے زیادہ دور نہ گئے تھے کہ انھوں نے دیکھا کہ ایک سوار تیز رفتاری سے مدینہ سے مصر کی طرف جارہا ہے۔ مصریوں نے اسکو روکا اور سوال کیا غیر اطمینان بخش جواب اور شک وشبہ پر جب اسکی تلاشی لی تو اس کے پاس سے خلیفہ کی ذاتی مہر کے ساتھ عبداللہ ابن ابی سرح کے نام ایک خط برآمد ہوا جس میں تحریر تھا کہ وفد کے ممبر جب مصر واپس پہنچیں تو انھیں قتل کردینا۔ دربار خلیفہ کا یہ پورا عمل یقیناً انتہائی احمقانہ اور بے حد شرمناک تھا اور حالات کو سدھارنے کے بجائے مصریوں کے اشتعال اور کھلی بغاوت کا سبب بنا۔ نتیجتاً وہ راستہ ہی سے مدینہ کی طرف پلٹ پڑے اور احتجاج میں حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔ اب یہ

انصاف پسند مورخین اور تجزیہ نگاروں کا فرض ہے کہ وہ طے کریں کہ خلیفہ وقت کی سرکاری مہر کیساتھ گورنر مصر کے نام یہ بدعہدی کا خط کیسے اور کس کے حکم سے بھیجا جارہا تھا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کنز العمال ص ۲۹۱، الامامت والسیاستہ، فتنۃ الکبریٰ، خلافت وملوکیت وغیرہ) اس ذیل میں روضۃ الاحباب جلد۲ ص ۱۹۸ تا ص ۲۰۲ کی عبارت کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے:

''اہل مصر جب دوبارہ پلٹ کر حضرت عثمان کی طرف آئے اور جب انھیں اسکی خبر ہوئی تو وہ رات کے وقت حضرت علیؑ کے پاس گئے اور کہا کہ اے ابوالحسن! میں آپ پر حق قرابت رکھتا ہوں، مصر والوں کو سمجھا بجھا کر واپس کر دیجئے۔ حضرت علیؑ انصار ومہاجرین کی ایک جماعت لیکر مصر والوں کے پاس گئے اور انھیں سمجھا بجھا کر مصر واپس جانے پر آمادہ کر دیا۔ مروان نے پھر اپنی چالیں شروع کر دیں اور رائے دی کہ اہل مدینہ پر اپنی کمزوری نہ ظاہر کیجئے اور انھیں بتایئے کہ اہل مصر کی غلطی بتا کر اور انھیں سمجھا کر ہم نے واپس کر دیا۔ چنانچہ حضرت عثمان نے دوسرے دن مدینہ والوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اور کہا کہ مصر والوں پر یہ واضح ہو گیا کہ جو میری شکایتیں اُن تک پہونچی تھیں وہ جھوٹی تھیں تو وہ لوگ مطمئن ہو کر واپس ہو گئے۔ عمرو بن عاص مجمع سے ایک مرتبہ چیخا کہ اے عثمان! خدا سے ڈرو اور جن افعال کے مرتکب ہوئے ان سے توبہ کرو، مظالم کم کرو ___ ایسا نہ ہو کہ معاملہ بگڑ جائے اسلئے کہ بڑی حکمت وتدبر سے مصر والوں کو واپس کیا گیا ہے۔ یہ سن کر حضرت عثمان نے اُسے ڈانٹا کہ تیری یہ مجال ہے کہ اپنی بدحالی کے ساتھ میرا مقابلہ کرے، اور مجھ سے توبہ کرنے کا مطالبہ کرے...... یہ سن کر مسجد کے ہر گوشہ سے آواز بلند ہوئی ''توبہ کرو عثمان، توبہ کرو'' یہ منظر دیکھ کر حضرت عثمان نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا اے اللہ میں توبہ کرتا ہوں۔ اس کے بعد منبر سے اترے اور گھر چلے گئے ___ حضرت علیؑ نے پھر حضرت عثمان کے گھر جا کر ان کو سمجھایا کہ ایک عام اجتماع کر کے ایسی تقریر

ہاتھ میں ماڈرن علوم سائنس اور ٹکنالوجی ہے۔ سعودی عرب لاکھ دولت مند سہی لیکن اسکی تمام دولت وحشمت کی کنجی امریکہ کے ہاتھ میں ہے کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ عرب ممالک میں دوسروں کے دیئے ہوئے ہتھیار اور ٹکنالوجی کی بدولت عراق کا ایک دبدبہ تھا عرب ممالک کے درمیان وہ سب سے طاقتور ملک تھا لیکن چونکہ اس کے پاس اپنا کچھ بھی نہیں تھا، فکر بھی زرخرید تھی نتیجتاً امریکہ اور روس کی ملی بھگت نے پہلے عراق اور ایران کو لڑوا کر انھیں کمزور کیا پھر عرب ممالک کو آپس میں ٹکرادیا اور بالآخر سعودی عرب میں امریکہ نے اپنا فوجی اڈہ (Base) اور کویت کے کنارے اپنا بحری اڈہ قائم کر کے پورے عرب کو اپنے نشانے پر لے کر اپنا مقصد حاصل کرلیا۔ یعنی عرب کی سب سے بڑی طاقت صدامی حکومت کو خاک میں ملادیا اور عراق کے خداداد ذخائر پر امریکہ اور برطانیہ نے قبضہ کرلیا۔ افغانستان میں پہلے طالبان کے ہاتھوں پھر اصلاح کے بہانے امریکہ کے ہاتھوں زبردست تباہی و بربادی ہوئی۔ اور اب امریکہ کی نگاہیں دوسرے اسلامی ممالک پر جمی ہوئی ہیں۔ **فاعتبرو ایا اولیٰ الابصار** ☆ یہ کیوں ہوا؟ صرف اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عزت کی زندگی بسر کرنے کے لئے دو فارمولے دیئے تھے پہلا فارمولا، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور مختلف گروہوں میں نہ تقسیم ہو (آلِ عمران ۱۰۳) ''اللہ اور اسکے رسولؐ کی اطاعت کرو اور آپس میں تنازعہ نہ پیدا کرو ورنہ تم ہمت ہار جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی (انفال ۴۶)۔''

اور دوسرا فارمولا۔ ''اے ایماندارو یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا سرپرست نہ بناؤ کیونکہ یہ لوگ (تمہارے مخالف ہیں) آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ (یادرکھو کہ) تم میں سے جس نے بھی انھیں اپنا سرپرست بنایا، پھر وہ بھی انھیں لوگوں میں ہوگا۔ بے شک خدا ظالم لوگوں کو راہ راست پر نہیں لاتا، تم دیکھو گے کہ جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے وہ دوڑ دوڑ کے ان سے ملتے ہیں اور اسکی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ

کیجئے کہ لوگ آپ سے مطمئن ہو جائیں اور لوگوں سے ان غلطیوں کے لئے معافی طلب کیجئے۔ میں حالات سے مطمئن نہیں ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ بغاوت پھیل جائے، پھر آپ مجھ سے کہئے کہ جا کر انھیں واپس کرو اور اگر میں نہ جاؤں تو کہئے کہ علیؑ نے میرا خیال نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت عثمان نے اہل مدینہ کو جمع کیا اور خطبہ دیا ـــــ ''لوگو! اولاد آدمؑ سے غلطی اور خطا ممکن ہے اور میں بھی ایک بشر ہوں نیز معصوم نہیں ہوں۔ انسان کے لئے ضروری ہے کہ اپنی غلطیوں پر توبہ کرے۔ چنانچہ میں بھی اپنی غلطیوں کے لئے توبہ کرتا ہوں۔ آیندہ میں آپ کی شکایتیں سنوں گا اور غلط کام نہیں کرونگا ـــــ '' تقریر سے مجمع مطمئن ہو گیا۔ اسکے بعد پھر مروان نے حضرت عثمان کو ورغلایا کہ آپ نے اس تقریر سے اپنی آبرو کھو دی علیؑ نے آپ کو ایسی رائے دے کر چاہا تھا کہ مجمع عام میں آپ ذلیل ہوں...... مروان نے حضرت عثمان سے اجازت لیکر پھر اہل مدینہ کو سخت وسست سنایا۔ لوگ پھر حضرت علیؑ کے پاس فریاد لیکر پہونچے اور سارے واقعات بیان کئے۔ حضرتؑ نے فرمایا ایہا الناس! مجھے ایک عجیب انسان سے سابقہ پڑا ہے۔ اگر گھر میں بیٹھ رہوں، معاملات میں دخل نہ دوں تو وہ کہیں گے کہ علیؑ نے قطع رحم کیا اور میری مدد نہیں کی ـــــ اور مداخلت کرتا ہوں تو اس کے نتائج تمہارے سامنے ہیں۔ مروان نے انھیں کھلونا بنا رکھا ہے۔ وہ ان کے سارے امور پر قابض ہے۔ پھر حضرت علیؑ آخری مرتبہ حضرت عثمان کے پاس گئے اور کہا کہ مروان جب تک آپ کو جاہ و عقل و دین سے منحرف نہیں کر دے گا اس وقت تک راضی نہ ہوگا۔ خدا کی قسم وہ آپ کو پانی پینے کی بھی مہلت نہ دے گا اور ہلاکتوں میں ڈال دیگا اور پھر نہ نکال سکیگا...... یہ کہہ کر حضرت علیؑ وہاں سے واپس آئے اسی دوران ہر طرف سے مسلمان جمع ہونے لگے۔ مصر، عراق، بصرہ سے جوق در جوق لوگ آنے لگے۔ گرد و نواح کے قبائل بھی جمع ہو گئے اور سب نے حضرت عثمان کا گھر گھیر لیا اور پانی بند

کر دیا۔ حضرت علیؑ کو جب خبر ہوئی تو آپ نے حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کے ہاتھ حضرت عثمان کے گھر پانی بھجوایا اور دروازہ پر حفاظت کے لئے انھیں متعین کیا۔ حضرت عثمان کے غیر مصالحانہ رویہ سے مجمع مشتعل ہو گیا ــــ کچھ لوگ ایک انصاری کے مکان سے ہو کر پیچھے سے قصر عثمان میں داخل ہو گئے اور انھیں قتل کر کے بھاگ گئے۔''

علامہ ابو النصر اپنی کتاب ''علی اور عائشہ'' کے صفحہ ۹۸ پر لکھتے ہیں کہ'' فسادیوں نے حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور آپ کو شہید کرنے کے لئے مناسب موقع کا انتظار کرنے لگے۔ اس نازک وقت میں حضرت عثمان کے عزیز واقارب ان کا ساتھ چھوڑ کر شام چلے گئے لیکن حضرت علیؑ اور ان کے بیٹوں نے کامل جاں نثاری کے ساتھ آپ کی حفاظت کی۔ اسی مدافعت کا اثر تھا کہ مفسدین دروازہ کی راہ سے حضرت عثمان کے گھر میں داخل نہ ہو سکے بلکہ پچھلی طرف سے دیوار پھاند کر انھوں نے آپ کو شہید کر دیا۔'' ــــ جہاںتک قاتل کے نام کی بات ہے تو بلوائیوں کے درمیان اصل قاتل کی شناخت بہت دشوار ہوتی ہے۔ اس لئے مختلف مورخین نے مختلف نام لکھے ہیں مثلاً علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان کو مصر کے ایک شخص نے قتل کیا جس کا نام حمار تھا۔ صاحب روضۃ الاحباب لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان کا قاتل رومان ابن سرحان تھا اور حاکم نے لکھا ہے کہ قاتل کا نام جبلہ بن ایلم تھا یا کبیرۃ السکونی نے قتل کیا۔

محترم! انصاف نظر سُنی بھائیوں کو حضرت علیؑ پر شک کی انگلی اٹھانے سے پہلے حضرت عثمان کے حالات کا تفصیلی جائزہ لینا چاہئے کہ انھوں نے کس طرح اسلامی نظام کی سادگی کو ملوکیت کے شاہانہ نظام میں تبدیل کر دیا تھا جو سچے اور انصاف پسند اصحاب کے لئے نہایت تکلیف دہ تھا، غور طلب بات ہے کہ حضرت علیؑ کے اتنا سمجھانے کے بعد بھی مروان (طرید رسولؐ اور دشمن اسلام) کے دام

فریب میں گرفتار رہنا کہاں تک درست تھا؟ اتمام حجت کے بعد اپنے بیٹوں کی جان جوکھم میں ڈالنا، یہ حضرت علیؑ جیسے شریف النفس انسان کا ہی کام ہوسکتا ہے ورنہ بلوائیوں کی بھیڑ میں ضد پر اڑے ہوئے انسان کی حفاظت کے لئے کوئی اپنے جگر پاروں کو نہیں بھیج سکتا ہے۔ وہ بھی کون بیٹے؟ جو قرآن کی روشنی میں ''ابنائے رسولؐ'' تھے۔ (دیکھئے آیہ مباہلہ) کیا اسکے بعد بھی کوئی انصاف پسند مسلمان حضرت علیؑ پر ''شک کے نقاط'' پیدا کرسکتا ہے؟...... محترم! حضرت علیؑ کو حضرت عثمان کے دشمنوں یا بلوائیوں نے خلیفہ منتخب کیا ہو، ایسا نہیں تھا، یہ فکر تاریخی حقائق سے نابلد ہونے کا نتیجہ ہے۔ تاریخ مسعودی جلد۲ ص ۲۱۵، تاریخ طبری جلد۵ ص ۱۵۶، فتنۃ الکبریٰ حصہ دوم ص ۳۰۳، تاریخ سیوطی وغیرہ کا مطالعہ فرمایئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اہل مدینہ کے اصرار کے باوجود حضرت علیؑ خلافت ظاہری سے دامن کشی کرتے رہے۔ جب حد سے سوا اصرار بڑھا تو آپ نے مسجد میں اہل بدر کو بلوایا۔ تمام اہل بدر جمع ہوئے اور انصار و مہاجرین کے ساتھ اہل بدر نے عرض کی کہ آپ سے زیادہ کوئی مستحق خلافت نہیں ہے آپ ہاتھ بڑھایئے تاکہ ہم فوراً بیعت کرلیں۔ حضرت حذیفہ یمانیؓ اسوقت کوفہ میں بیمار تھے۔ جب حضرت علیؑ کے خلیفہ ہونے کی خبر ملی تو مسجد میں سب کو جمع کر کے اعلان کیا کہ ''خدا کا شکر ہے کہ میں اس دن تک زندہ رکھا گیا پس تم گواہ رہو (یہ کہہ کر اپنے ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مار کر فرمایا) اللھم اشھدنی بایعت علیا (اے خدا تو گواہ رہنا کہ میں نے علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کی) پھر اپنے دونوں بیٹوں صفوان اور اسعد کو حکم دیا کہ علیؑ کی صف میں جا کر شریک ہو جاؤ۔ اس کے سات دن بعد حذیفہ یمانیؓ کا انتقال ہوگیا اور ان کے دونوں بیٹے جنگ صفین میں حضرت علیؑ کی نصرت میں شہید ہوئے۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری لکھتے ہیں (فتنۃ الکبریٰ ص ۳۷۹) ''جب دنیا بگڑ گئی معاملات میں انتشار پیدا ہوگیا اور اقتدار کی رسی ڈھیلی ہوگئی۔ بعضوں نے بعضوں کے ساتھ

بعضوں کے ساتھ بدگمانی کی حد کردی، بعضوں نے بعضوں کے خلاف کارروائیوں کی انتہا کردی تب کہیں جا کر ایک بڑی تعداد نے حضرت علیؑ سے التجا کی اور آپ کی بیعت کی' علامہ عمر ابوالنصر اپنی کتاب "علی و عائشہ" کے صفحہ ۱۰۵ پر تحریر فرماتے ہیں کہ "____ جب آیندہ ہونے والے خلیفہ کا سوال پیش ہوا تھا تو سب نے بالاتفاق حضرت علیؑ کا نام پیش کیا اور انھیں مجبور کر کے ان کی بیعت کرلی۔" محترم! اہل بدر، اہل مدینہ، حذیفہ یمانیؓ جیسے جلیل القدر صحابیوں نے حضرت علیؑ کی بیعت کی تھی۔ اب اگر یہ صحابہ کرامؓ دشمن عثمان تھے تو خود حضرت عثمان کے بارے میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔

ت: جن اسباب نے مجھے آباؤ و اجداد کے طریقے کو چھوڑ کر تشیع کی دعوت دی ہے ان میں سے ایک سبب ابوبکر اور علیؑ کے درمیان عقلی اور نقلی موازنہ بھی ہے۔ میں نے اس سلسلہ میں اس طریقہ کو اختیار کیا کہ متفق علیہ حقائق پر اعتماد کیا جائے اور انفرادی بیانات کو نظر انداز کر دیا جائے۔ چنانچہ میں نے فریقین کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور سوائے علی ابن ابیطالبؑ کے کسی ذات پر کوئی اتفاق نہیں پایا۔ انھیں کی امامت پر فریقین نے اتفاق کیا ہے۔

ر: اہل سنت کی کتابوں میں چاروں خلفاء سے اتفاق کیا گیا ہے اور انکی باتیں درج ہیں مگر شیعوں کی کتاب میں صرف حضرت علیؓ اور انکی باتیں درج ہیں تو یقیناً اس شخص کو دونوں کی کتابوں میں حضرت علیؓ کی باتیں ہی یکساں ملیں گی یہ (تیجانی) کس کو اپنی باتوں سے دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ کیا معصوم اور ان پڑھ لوگوں کو؟

د: محترم رزاق بھائی! ناراض نہ ہوئیے۔ تیجانی کسی کو دھوکہ نہیں دینا چاہتے بلکہ دھوکہ میں پڑے ہوئے سیدھے سادے (بے خبر) مسلمانوں کی اور حق کے متلاشی حضرات کی رہنمائی کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ انھوں نے ذاتی محنت اور جستجو سے اُن ذوات مقدسہ کو پہچان لیا ہے جو "صراط مستقیم" کے رہبر ہیں اور جن پر اللہ تعالیٰ نے

نعمتوں کی بارش کی ہے اوران لوگوں سے بھی اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں جن پر اللہ کا غضب ہے اور جو ضآلین کے مصداق ہیں'' اسلئے ان کے دل میں ایک جذبہ موجزن ہے کہ کاش گمراہی میں پڑے ہوئے میرے دوسرے ساتھی بھی کشتی نجات میں سوار ہوکر منزل نجات حاصل کرلیں۔اور یہ جذبہ ایک فطری عمل ہے فمن شاء اتخذ الیٰ ربہٖ سبیلاہ (پس جو چاہے اپنے رب کی راہ اختیار کرلے)۔

محترم! حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ ''غصہ عقل کو کھا جاتا ہے'' اس لئے حق کے متلاشی مسلمانوں کو غصہ سے پرہیز کرتے ہوئے، ٹھنڈے دل سے ''صراط مستقیم'' کی جستجو میں قدم آگے بڑھانا چاہئے۔ قابل غور بات ہے کہ ایک طرف بعد رسولؐ وہ شخصیت ہے جسکی مدح سرا قرآن کی بے شمار آیتیں ہیں، جو سب سے پہلے اسلام کا کلمہ پڑھتا ہے، جو سب سے پہلے رسول اسلامؐ کے ساتھ نماز پڑھنے کا شرف رکھتا ہے، جو آغوش نبوت میں پلتا بڑھتا ہے، جو شب ہجرت فدیہ رُسولؐ بن کر بستر رسولؐ پر سوکر نبیؐ کی جان بچاتا ہے، جسے تقریب مواخات میں پیغمبرؐ اسلام نے اپنے لئے منتخب کیا، جس سے اپنی پارہ جگر خاتون جنت فاطمہ زہراؑ کا عقد کیا، جو ہر جنگ کا فاتح ہے، جسکے لئے خیبر کے دن رسول اللہؐ نے فرمایا ''کل میں جھنڈا اس شخص کے ہاتھ میں دونگا جو اللہ اور اسکے رسولؐ کے ساتھ محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اسکے رسولؐ کو بھی اس سے محبت ہے'' جسے مدینہ میں اپنا جانشین بنا کر آنحضرتؐ غزوۂ تبوک میں تشریف لے گئے، جسکے لئے حضورؐ نے فرمایا ''تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی''، جسکے لئے آنحضرتؐ نے سوا لاکھ کے مجمع میں اعلان کیا ''جس کا میں سردار ہوں علیؑ بھی اسکے سردار ہیں' اے خدا جو علیؑ کو دوست رکھے اس کو تو بھی دوست رکھ اور جو اس سے دشمنی کرے تو بھی اس سے دشمنی کر'' (تفصیل ملاحظہ ہو فتنۃ الکبریٰ ص ۳۰۷ و ۳۰۸)......اور دوسری طرف وہ افراد ہیں

جو بظاہر رسولؐ اکرم سے قریب تو رہے لیکن مندرجہ بالا خصوصیات سے متصف نہیں ہیں اور جو قرآن کے خلاف حکم دیتے ہیں شریعت میں تبدیلیاں پیدا کرتے ہیں، حلال محمدؐ کو حرام اور حرام محمدؐ کو حلال قرار دیتے ہیں، قرآن کی منتخب صدیقہ کو جھوٹا ← قرار دیتے ہیں جنھوں نے میدان جہاد سے اکثر فرار اختیار کیا اور جنھوں نے بنت رسولؐ کو غضبناک کر کے خدا اور اسکے رسولؐ کا غضب مول لیا ـــــ اب آپ ذرا انصاف سے فیصلہ کیجئے کہ دین وشریعت کی ذمہ داری بعد رسولؐ کن ہاتھوں میں ہونی چاہئے؟ اور اگر دوسرے گروہ کے نااہل، غیر معصوم افراد سیاسی جوڑ توڑ کر کے یا دہشت پھیلا کر اس عظیم اسلامی ذمہ داری کو اپنے ہاتھ میں لے لیں اور خدا ورسولؐ کے محبوب کو نہ صرف اس کے حق سے محروم کریں بلکہ اس پر ظلم بھی جائز قرار دیں تو ایک حق پسند کس کے لئے تعریفی کلمات سننا پسند کریگا؟ اور کس سے اظہار برأت کریگا؟ کیا ظالم اور مظلوم دونوں سے محبت کا دعویٰ کرنے والا حق پر کہا جائیگا؟...... محترم! شیعہ اثناء عشری فرقہ کی خصوصیت اور منفرد شناخت یہی ہے کہ جب اھدنا الصراط المستقیم کہا تو ہر راستہ کو صراط مستقیم نہیں مانتا...... بلکہ دلائل وبراہین کی روشنی میں چھان بین کر کے یقین واطمینان کے ساتھ صرف حقیقی صراط مستقیم پر گامزن ہوتا ہے اور جب یہ فرقہ غیر المغضوب علیھم ولاالضآلین (یعنی جن پر اللہ کا غضب ہے اور جو گمراہ ہیں ان کے راستہ پر نہ چلا) کی تلاوت کرتا ہے تو گمراہوں کو تلاش کر کے ان سے برأت اختیار کرتا ہے۔ بھیڑ کی چال چلنے والے تمام مسلمانوں کے لئے ہماری دعا ہے کہ ''اے پالنے والے انھیں بھی احساس بیداری عطا کرتا کہ وہ بھی حق اور باطل میں تمیز کر کے ''صراط مستقیم'' پر گامزن ہوں۔ آمین' نیز ''مغضوب'' اور ضآلین'' کو پہچان کر ان سے برأت اختیار کرلیں تا کہ صراط مستقیم پر استقامت حاصل ہو۔ ثم آمین'' ہم میں سے اکثر شیعہ حضرات نماز پنجگانہ کی تعقیبات میں دیگر دعاؤں کے

ساتھ یہ دعا بھی پڑھتے ہیں اللھم اصلح کل فاسد من امور المسلمین (یعنی اے اللہ تمام مسلمانوں کے دینی و دنیوی امور میں جو خامیاں ہوں اُن میں اصلاح پیدا کر) انھیں دعاؤں کے نتیجہ میں جو لوگ منزل کی جستجو کرتے ہیں اور قسمت سے توفیق الٰہی بھی شامل حال ہوتی ہے انھیں صراط مستقیم مل جاتا ہے۔

ت: اور اس کے مقابلہ میں ابوبکر کے فضائل کے روایات خود اہل سنت کی کتابوں میں بھی اس مقدار میں یقیناً نہیں ہیں اور جو روایات بھی ہیں وہ یا تو ان کی صاحبزادی حضرت عائشہ سے منقول ہیں جنکا موقف بالکل واضح ہے کہ وہ حضرت علیؑ کی عداوت میں اپنے باپ کی ہر طرح تائید کرنا چاہتی تھیں چاہے اس کام کے لئے روایتیں ہی کیوں نہ وضع کرنا پڑیں ___ یا عبداللہ ابن عمر سے منقول ہیں جو امام علیؑ سے بالکل بیزار تھے۔ اور تمام امت کے بیعت کر لینے کے بعد بھی انھوں نے امام علیؑ کی بیعت نہیں کی تھی۔ اور یہ اعلان کرتے رہے کہ افضل الناس بعد النبی ابوبکر ہیں پھر عمر، پھر عثمان اور پھر اس کے بعد کوئی افضلیت نہیں۔ اور تمام لوگ برابر کی حیثیت رکھتے ہیں (بخاری ۲ ص ۲۰۲)...... یعنی اس بیان نے حضرت علیؑ کو عوام الناس کے برابر بنا دیا اور ان کی حیثیت ایک معمولی انسان سے زیادہ کچھ نہ رہ گئی۔ ظاہر ہے کہ عبداللہ بن عمر کے اس بیان کی کیا حیثیت ہے علماء امت کے بیانات کے مقابلہ میں جن میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ حضرت علیؑ کے برابر کسی صحابی کے فضائل نقل نہیں کئے گئے ہیں۔ تو عبداللہ ابن عمر نے ان احادیث میں سے کوئی حدیث نہیں سنی تھی؟ اور انھیں کسی بات کی اطلاع نہیں ہوئی تھی؟ یقیناً ہوئی تھی لیکن خدا برا کرے سیاست دنیا کا کہ یہ حقائق کو بدل دیتی ہے۔ اور عجوبہ روزگار اعمال انجام دیا کرتی ہے۔

ر: یہ شخص بھول رہا ہے کہ اہل سنت کی معتبر کتاب صحیح بخاری میں یہ حدیث اگر موجود ہے تو پھر وہ حدیثیں بھی موجود ہیں جن میں حضرت علیؑ کی فضیلت بیان کی

گئی ہے۔ جنھیں اس شخص نے اپنی کتاب کے پچھلے صفحوں پر درج کیا ہے۔ شاید اس شخص کی عقل ماری گئی ہے جو برعکس سوچتا ہے، ورنہ اہل سنت عادلانہ انداز میں دونوں باتوں کو درج کررہے ہیں کہ کس نے کیا کہا تھا اور کس نے کیا کہا تھا۔ یعنی دونوں باتیں کہی گئی تھیں اور دونوں مصدقہ ہیں۔ پھر یہ شخص ایک کو ہی کیوں مصدقہ مانتا ہے اور دوسرے سے انکار؟

د: محترم! ایک ہی زبان سے اگر حق کی بھی مدح سرائی ہو رہی ہو اور باطل کی بھی، تو دونوں باتیں مصدقہ کیسے ہو سکتی ہیں؟ حق بہر حال حق رہیگا اور باطل باطل، ہاں یہ ضرور ہے کہ حق پسند نظر میں ایسی دورنگی زبان (یا تحریر) غیر معتبر ہوگی۔ محترم! آپ اپنے بیان پر غور فرمائیں کہ کوئی (نام نہاد) معتبر سے معتبر ترین شخص بھی "دو متضاد تصویریں" پیش کریگا تو کوئی بھی صاحب عقل دونوں باتوں کو مصدقہ تسلیم نہیں کریگا۔ مثلاً وہ ایک جگہ لکھے کہ "خدا عادل ہے وہ کسی پر رتی برابر بھی ظلم نہیں کرتا" —— پھر دوسری جگہ لکھے کہ (معاذ اللہ) "خدا صالحین کو بغیر کسی سبب کے جہنم میں اور مشرکین و منافقین کو جنت میں بھیج سکتا ہے" —— یا —— ایک جگہ لکھے کہ "مرسل اعظم نبیؐ اور صرف نبیؐ ہیں، وحی الٰہی کے بغیر گفتگو نہیں کرتے" پھر دوسری جگہ رقمطراز ہو کہ "ایک بڑے صحابی کے قول کے مطابق نبیؐ ہذیان بک رہے تھے" —— یا —— ایک جگہ وہ پیغمبرؐ کی حدیث نقل کرے کہ "جس نے فاطمہؑ کو غضبناک کیا اس نے رسولؐ کو غضبناک کیا اور رسول اکرمؐ کا غضب خدا کا غضب ہے" پھر لکھے کہ "فاطمہؑ جب تک زندہ رہیں جن دو صحابیوں پر غضبناک ہوئیں، ان سے ناراض رہیں اور زندگی بھر ان سے بات نہیں کی"۔ پھر

انھیں دونوں صحابیوں کے بارے میں یہ بھی لکھے کہ "یہ دونوں حضرات بعد النبیؐ افضل الناس ہیں" ـــــ محترم! ایمان سے بتایئے کیا دونوں باتیں مصدقہ ہوسکتی ہیں؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ ظالم بہرحال ظالم رہیگا، کسی کے کہنے سے عادل نہیں ہوسکتا غاصب کو بہرحال غاصب تسلیم کرنا ہوگا، کسی کے لکھنے سے انصاف پسند نہیں مانا جاسکتا۔ محترم! بصد معذرت عرض ہے کہ شیعہ علماء کی کتابوں میں صرف حضرت علیؑ کا تذکرہ ہو، ایسا نہیں ہے بلکہ دیگر اصحاب کا ذکر بھی موجود ہے، لیکن جس نے جیسا کیا، مستند کتابوں کے حوالہ سے اسکے لئے ویسا ہی لکھا گیا۔

خلافت کا مستحق کون؟

ت: دوسری طرف ابوبکر تھے جو خلیفہ اول تھے اور ان کے قوم میں اثرات تھے، اموی حکومتوں نے ان کے حق میں روایتیں گڑھنے والوں کے لئے انعامات مقرر کیئے تھے۔ ان کے جعلی فضائل سے کتابوں کے صفحات سیاہ کئے گئے تھے۔ لیکن اسکے باوجود ان کے کل فضائل امام علیؑ کے فضائل ومناقب کے عشر عشیر بھی نہیں ہیں۔ اور جو فضائل بھی ہیں اگر ان کا تجزیہ کیا جائے اور تاریخ کے حقائق کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو ان میں ایسے امور کا تذکرہ پایا جاتا ہے جو عقل اور شرع کسی اعتبار سے قابل قبول نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر روایت کہ "اگر ابوبکر کے ایمان کو ساری امت کے ایمان سے تولا جائے تو ابوبکر کا پلہ بھاری رہیگا" قطعاً ناقابل اعتبار ہے اسلئے کہ اگر رسول اکرمؐ کو ایسے عظیم ایمان کا علم ہوتا تو ہرگز اسامہ کو ان کا سردار نہ بناتے، اور ان کے بارے میں شہادت دینے سے گریز فرماتے، اور یہ نہ فرماتے کہ خدا جانے تم لوگ میرے بعد کیا کرنے والے ہو۔ یہاں تک کہ ابوبکر زار وقطار رونے لگے اور حضورؐ نے تسلی بھی نہ دی (موطا امام مالک اص ۳۰۷، مغازی واقدی ص ۳۱۰)...... اور پھر سورہ برأت کو دینے کے بعد حضرت علیؑ کو بھیج کر ان

واقدی ص ۳۱۰)...... اور پھر سورہ برأت کو دینے کے بعد حضرت علیؑ کو بھیج کر ان سے واپس نہ لیتے اور انھیں تبلیغ برأت سے منع نہ فرماتے (ترمذی ۴ ص ۳۳۹، مسند احمد بن حنبل ۲ ص ۳۱۹، متدرک حاکم ۳ ص ۵۱) اور روز خیبر یہ اعلان کرنے کے بعد کہ "کل اسے علم دونگا جو مرد میدان، خدا اور سول کا محبّ و محبوب اور کرار غیر فرار ہوگا اور خدا نے اس کے دل کا امتحان لے لیا ہوگا" علم لشکر حضرت علیؑ کے حوالے نہ کردیتے بلکہ ابو بکر ہی کو دیدیتے۔ (صحیح مسلم باب فضائل علیؑ ابن ابی طالبؑ)...... اور اگر آپ کو حضرت ابو بکر کے وسیع و عظیم ایمان کا علم ہوتا تو ہر گز اس بات کی تہدید نہ فرماتے کہ اگر تم نے رسولؐ کی آواز پر آواز کو بلند کردیا تو تمہارے سارے اعمال برباد کردیے جائیں گے۔ (بخاری ۴ ص ۱۸۴)..........

اور اگر خود ابو بکر کو بھی اس ایمان کا علم ہوتا تو اس امر پر افسوس نہ کرتے کہ کاش میں نے خانۂ زہرا پر حملہ نہ کیا ہوتا...... اور کاش میں نے فجاۃ السلمی کو جلا نہ دیا ہوتا...... اور کاش میں نے خلافت کو عمر یا ابو عبیدہ کے حوالہ کردیا ہوتا (طبری ۴ ص ۵۲، الامامت والسیاست ا ص ۱۸، تاریخ مسعودی ا ص ۴۱۴)........... جس کے پاس ایسا عظیم ایمان ہوتا ہے وہ زندگی کے آخری لمحات میں اس طرح کی ندامت یا شرمندگی یا پشیمانی کا اظہار نہیں کرتا۔ اور نہ یہ آرزو کرتا ہے کہ اے کاش میں انسان نہ ہوتا جانور کا بال یا اونٹ کی مینگنی ہوجاتا...... کیا ایسے انسان کا ایمان بھی ساری امت کے ایمان کے برابر یا اس سے افضل ہوسکتا ہے۔

ر: اس صفحہ (۱۹۳) سے آخری صفحہ (۲۰۳) تک یہ شخص اپنی حجت قائم کرنا چاہتا ہے۔ اگر حدیث کا حوالہ دیتا ہے تو اسے اپنے ڈھنگ اور رنگ سے ظاہر کررہا ہے۔ اور زیادہ ترجتیں اس نے تاریخ کی کتابوں سے کی ہیں، یہ شخص کسی حدیث سے یہ ثابت کررہا ہے یا کسی تاریخی کتاب سے؟ جیسا کہ میں نے پہلے کہا تھا کہ تاریخی شہادت تو انسان کی لکھی ہوئی ہے۔ اسمیں زمانے کے حساب سے فرق آیا

ہم تو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم (ان سے مدد نہ لیکر) زمانہ کی گردش میں مبتلا ہو جائیں ـــــ (مائدہ ۵۲، ۵۳)'' یہ ان دونوں نصیحت آمیز فارمولوں پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ ہے جو تمام مسلم ممالک عیسائی اور یہودی حکومتوں کے شکنجہ میں بری طرح جکڑ گئے ہیں اور مسلمان خواہ عرب ہوں افغان ہوں یا کوئی اور آج ذلت کی زندگی بسر کررہے ہیں ورنہ بقول ''آیۃ اللہ خمینیؒ'' اگر دنیا کے تمام مسلمان متحد ہو کر صرف ایک ایک بالٹی پانی دشمن اسلام اسرائیل پر ڈالدیں تو صفحہ ہستی سے اسرائیل نیست و نابود ہو جائیگا۔ مقصد یہ ہے کہ تمام مسلمانوں میں اتحاد ہر قیمت پر ضروری ہے دنیا میں فلاح و بہبود اور عزت و شرافت آپس میں اتحاد رکھنے سے حاصل ہوگا اور آخرت یعنی دائمی حیات کو سنوارنے کے لئے صراطِ مستقیم کی تلاش و جستجو کرکے اس پر گامزن ہونا ضروری ہے۔ خدا کرے کہ ہماری فکر اور کاوش نہ صرف ہمارے لئے بلکہ دوسروں کے لئے بھی مشعلِ راہ ثابت ہو۔ آمین

جناب ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی کی کتاب ''مجھے راستہ مل گیا'' پر بھائی عبدالرزاق صاحب کا ''تبصرہ'' اور اس تبصرہ پر حقیر کی کاوش ''جواب تبصرہ'' بشکل ''جستجو'' حاضر ہے۔

کرتا ہے اور اس پر اختلافات بھی پائے جاتے ہیں۔

د: محترم رزاق بھائی! ڈاکٹر تیجانی نے صرف تاریخ کی کتابوں سے حوالے نہیں پیش کیئے ہیں بلکہ صحاح اور مسانید سے حوالے درج کیئے ہیں، مذہب اہل سنت کے چوٹی کے علماء ومحدثین کے حوالہ جات سے گفتگو کی ہے ___ اس لئے برادران اہل سنت کے لئے انکار نا ممکن ہے۔ جہانتک تاریخی کتب کا سوال ہے تو میں پھر عرض کرونگا کہ آپ انھیں یکسر نہیں ٹھکرا سکتے۔ حدیث کا براہ راست سلسلہ تو سرکار دو عالمؐ کی حیات طیبہ تک محدود ہے، اسکے بعد جو کچھ ملیگا وہ تاریخ وسیرت کی کتابوں سے ہی ملیگا۔ آپ ہی بتایئے سقیفہ کا واقعہ تاریخ سے ملیگا یا حدیث سے؟ حضرت عمر کی خلافت کیلیئے حضرت ابو بکر کی وصیت تاریخ بتائے گی یا حدیث؟ مجلس شوریٰ کی تعیین، اسکی حضرت علیؑ کی خلافت کیلیئے نا قابل قبول شرطیں اور حضرت عثمان کا ان شرطوں کو قبول کر کے مسند خلافت پر بیٹھنا، خلافت کو ملوکیت کا رنگ دینا ___ وغیرہ وغیرہ تاریخ کے صفحات میں ملے گا یا حدیث کے مجموعوں میں؟ مورخ کے قلم میں مسلک اور جذبہ داری کی آمیزش تو ہو سکتی ہے مگر حقائق کی روشنی میں کوئی مورخ اگر کوئی بات اپنے مسلک کے خلاف لکھ رہا ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ بات اتنی پختہ اور سچی ہے کہ مورخ کا قلم اُسے رقم کرنے پر مجبور ہو گیا ___ ورنہ وہ اپنے مسلک ومذہب کے خلاف اپنی قلم سے ایسی بات کبھی نہ لکھتا۔ محترم! تاریخ سے یکسر روگردانی نہیں کی جا سکتی۔ البتہ تاریخ ہو یا حدیث یا سیرت سے متعلق روایتیں انھیں قرآن اور عصمت پیغمبر کی کسوٹی پر پرکھئے اگر منافی عصمتِ پیغمبرؐ ہو یا قرآن کے خلاف ہو تو دیوار پر پھینک دیجئے ورنہ قبول کر لیجئے۔ محترم! میری درخواست ہے کہ ڈاکٹر تیجانی کی مندرجہ بالا عبارتوں کو حوالہ جات کی روشنی میں پھر پڑھئے اور غور وفکر وتدبر سے کام لیتے ہوئے صحیح نتیجہ تک پہونچنے کی کوشش کیجئے کہ کیا حضرت علیؑ کی موجودگی میں حضرت ابو بکر حضرت عمر اور حضرت عثمان کو مسند

"میں شہر علم ہوں اور علیؑ اسکے دروازہ ہیں":

ت: جن روایات واحادیث نے مجھے اس بات پر مجبور کیا ہے کہ میں امام علیؑ کی اقتدا کروں اور جنھیں اصحاب صحاح ومسانید اہل سنت نے بھی نقل کیا ہے وہ حسب ذیل احادیث ہیں...... علماء شیعہ کے یہاں تو یہ ذخیرہ بہت عظیم ہے، لیکن میں نے شروع سے یہ طے کرلیا ہے کہ صرف متفق علیہ مواد پر اتفاق کرونگا اور منفردات کو نظر انداز کردونگا......

ا۔حدیث "انا مدینۃ العلم وعلی بابھا"...... (مستدرک حاکم ۳ص ۱۲۷، تاریخ ابن کثیر ص ۳۵۸، مناقب احمد ابن حنبل)

ر: یہ حدیث کی کتابیں نہیں ہیں اور کسی بھی صحیح حدیث کی کتاب میں یہ حدیث نہیں پائی جاتی ہے۔

د: محترم! سرکار دوعالم کی اس مشہور ومعروف حدیث کی بہت سی سندیں ہیں جنھیں پیش کیا جائیگا، انمیں سے ڈاکٹر تیجانی نے صرف تین شہادتیں پیش کی ہیں۔ ایک حدیث سے ایک تاریخ سے اور ایک مسلک اہل سنت کے امام احمد بن حنبل کی "مناقب" سے۔ صاحبان نظر کیلئے حاکم کی کتاب مستدرک یا امام حنبل کی تحریر کا حوالہ کافی ہے، اسلئے کہ علمائے اہل سنت کے نزدیک یہ معتبر حوالے ہیں۔ شیخ الاسلام ابی عبد اللہ محمد ابن عبد اللہ الحاکم النیشاپوری الحافظ کی کتاب کا پورا نام "مستدرک علی الصحیحین فی حدیث" (کشف الظنون) خود ظاہر کرتا ہے کہ حدیث پر یہ ایک مستند اور معتبر کتاب ہے جسکی صحت پر کسی سُنی کو شک کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ انکے بارے میں ابن خلکان "وفیات الاعیان" میں تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ اپنے زمانہ کے تمام محدثین کے امام تھے۔ آپ نے

حدیث پر ایسی کتابیں لکھی ہیں جیسی کتابیں آپ سے پہلے کسی نے نہیں لکھی تھیں"...... امام احمد بن حنبل کی تحریر پر انگلی اٹھانا کسی سُنی بزرگ کو زیب نہیں دیتا اسلیئے کہ وہ مسلک اہل سنت کے چار مصلوں میں سے ایک مصلے کے امام ہیں، جنکی اقتدا تمام اعمال کی صحت اور جنت کی ضامن کہی جاتی ہے۔

محترم! رزاق بھائی! تیجانؔی صاحب کے تین حوالے اگر آپ کو کم محسوس ہو رہے ہیں تو لیجیئے چند حوالہ جات اور بھی نوٹ کر لیجئے، انمیں حدیث سیرت تاریخ ہر صنف کی کتابیں ہیں، لکھنے والے سبھی علماء اہل سنت ہیں۔

(۱) ینابیع المودة باب ۱۴ ص ۵۹۰ (بہت ہی مستند اسناد کے حوالہ سے یہ حدیث لکھی گئی ہے)

(۲) وسیلۃ النجاۃ ص ۱۳۶ میں ملا مبینؔ فرنگی محلی (لکھنؤ) تحریر فرماتے ہیں "اس حدیث کو بزازؒ نے جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے اور ابن عدیؒ نے ابن عمر سے اور طبرانی نے ان دونوں کے علاوہ جناب ابن عباسؓ سے بھی اور حاکم نے علیؑ اور ابن عمر سے روایت کی ہے کہ جو ارادہ کرے علم کا اسکو چاہئے کہ دروازے سے آئے (یعنی علیؑ کی راہ سے آئے) اور یہ حدیث حاکم کی رائے میں صحیح ہے ــــ ترمذیؔ اور ابو نعیمؔ نے حضرت علیؑ سے یوں بھی روایت کی ہے آنحضرتؐ نے فرمایا انا دار الحکمة وعلی بابها یعنی میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اسکا دروازہ ہے"

(۳) مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۶۳ میں جامع ترمذی کے حوالہ سے مندرجہ بالا دونوں حدیثیں درج ہیں۔

(۴) منتخب کنز العمال ص ۳۰

(۵) استیعاب ابن عبد البرہ ص ۴۷۴ جلد ۲

(۶) ریاض النضرۃ ص ۱۹۳ جلد ۲

(۷) جامع صغیر ص ۹۳

(۸) کنز الحقائق ص ۷۲

(۹) ازالتہ الخفا ص ۲۶۲

(۱۰) تاریخ الخلفاء ص ۱۱۶ (علامہ سیوطی)

(۱۱) اسد الغابہ ابن اثیر جزری

(۱۲) شرح فقہ اکبر ص ۷۶ میں ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں ___ "اور جو مسائل مشکلہ بڑے بڑے صحابہ نے حضرت علیؑ سے پوچھے اور انھوں نے اس کے فتاوے کیطرف رجوع کیا ان اوصاف میں بڑے مشہور اور بہت فضائل ہیں جو فرمان رسولؐ اللہ کی تصدیق کرتے ہیں میں شہر علم کا ہوں اور اس کا دروازہ علیؑ ہے اور فرمان نبویؐ کہ تمہارا اچھا فیصلہ کرنے والا علیؑ ہے۔"

محترم! اس حدیث کے بے شمار حوالہ جات ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی تشفی کے لئے مندرجہ بالا ایک درجن سے زائد حوالے کافی ہوں گے۔ یہ تو اسناد کی بات تھی خود مولیٰ علیؑ کا کلام آج بھی دعوتِ فکر ونظر دے رہا ہے۔ میری درخواست ہے کہ "نہج البلاغہ" کا مطالعہ ضرور کیجئے۔ چند خطبات (بلکہ پہلا ہی خطبہ) پڑھنے کے بعد آپ اس حدیث کے معترف ہو جائیں گے اور عجب نہیں کہ بے ساختہ کہہ اٹھیں کہ حقیقتاً باب مدینۃ العلم علی ابن ابیطالبؑ علوم ربانی کے بے مثال خزینہ ہیں۔ علم عظیم ترین نعمت ہے۔ خصوصاً علم قرآن وحدیث، اور حضرت علیؑ چاہتے تھے کہ دنیا زیادہ سے زیادہ علم نبی کو وارث علم نبی سے حاصل کر لے تا کہ مسلم قوم کبھی کسی زمانے میں علوم کے مسئلہ میں دوسری قوموں سے پیچھے نہ رہے۔ اسی لئے حضرت علیؑ بار بار فرماتے تھے "سلونی سلونی قبل ان تفقدونی" یعنی "مجھ سے جو پوچھنا چاہو پوچھ لو قبل اس کے کہ تم مجھے گم کر دو ___ پوچھ لو مجھ سے کیوں کہ میرے سینہ میں علوم بے شمار بحر زخار کی طرح موجزن ہیں ___ میں

نبوت کے اسرار کا خزانہ ہوں، ـــــ میں گذرے ہوئے لوگوں کے واقعات کا جاننے والا ہوں اور ان حالات سے بھی آگاہ ہوں جو آئندہ لوگوں پر گذریں گے ـــــ مجھ سے کتاب اللہ کی بابت دریافت کرو۔ قسم بخدا کوئی آیت ایسی نہیں، لیکن یہ کہ میں اسکی بابت جانتا ہوں کہ یہ دن میں نازل ہوئی یا رات میں، میدان میں نازل ہوئی یا پہاڑ پر......" (تفصیل کے لئے علماء اہل سنت کی یہ کتابیں پڑھئے: منہاج السنتہ ابن تیمیہ جز و ثالث ص ۱۲۷، استیعاب ابن عبد البر جز و ۲ ص ۴۷۵، ریاض النضرہ محبّ الدین طبری، تہذیب التہذیب ابن حجر مکی جز و ۷ ص ۳۳۸، صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص ۷۷، طبقات الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۰۲، مطالب السؤل محمد ابن طلحہ شافعی ص ۱۰۸، طبقات ابن سعد......وغیرہ)

خود حضرت علیؑ اپنے علم کے بارے میں کیا فرماتے ہیں علماء اہل سنت کی کتابوں کے حوالہ سے ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) ملا علی متقی کنز العمال میں تحریر فرماتے ہیں۔" حسبی حسب رسول اللہ ودینی دینه من تناول منی شیئاً فانما تناوله من رسول اللہ یعنی میرا حسب رسول اللہ کا حسب ہے۔ جس نے جو کچھ مجھ سے حاصل کیا گویا اس نے وہ سب کچھ رسول اللہؐ سے حاصل کیا۔" ـــــ اس لئے کہ:

(۲) حضرت علیؑ نے فرمایا" جب میں آنحضرتؐ سے پوچھتا تھا وہ جواب عنایت فرماتے تھے اور جب میں خاموش رہتا تو وہ خود سے پہل فرماتے تھے۔" (جامع ترمذی باب مناقب علیؑ ص ۴۶۱، محمد ابن عیسیٰ ترمذی)

(۳) مناقب خوارزمی میں ہے کہ حضرت علی فرماتے تھے کہ" آنحضرتؐ نے علم میرے سینہ میں یوں بھرا ہے جیسے پرندہ اپنے بچہ کو دانا بھراتا ہے۔" اس مثال میں بڑی معنویت ہے پرندہ جو دانہ اپنی چونچ میں رکھ کر لاتا ہے وہ اپنے بچہ کو بغیر کسی کم وکاست کے چگا دیتا ہے۔ یعنی مرسل اعظم کو پروردگار عالم سے علم و معرفت کا جو

خزانہ ملتا تھا آپ اُسے بغیر کسی تغیر کے حضرت علی کے سینہ میں اتار دیتے تھے۔ اسی لئے باب مدینۃ العلم فرماتے ہیں کہ.

(۴)...... مجھ سے علم کی سیل جاری ہوتی ہے اور میری بلند منزلت تک طائر وہم وخیال بھی نہیں پہونچ سکتا...... (نہج البلاغہ)

(۵) ملا صالح کشفی (حنفی) مناقب مرتضوی کے باب سوم میں حضرت علیؑ کے ارشادات نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الف: میں وہ ہوں کہ میرے پاس علم کی کنجیاں ہیں، ان کنجیوں کو آنحضرتؐ کے بعد میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ب: میں وہ ہوں جس کے پاس گذشتہ اور آیندہ کے مطابق کتاب اللہ کا علم ہے۔

ج: میں وہ ہوں جس کے پاس انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں سے ہزار کتابوں کا علم موجود ہے۔

د: میں وہ ہوں جو ہر زبان میں کلام کرسکتا ہوں۔

محترم رزاق بھائی! میرا خیال ہے کہ اب آپ کو اس حدیث کے بارے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہنا چاہئے کہ ''نبیؐ رحمت علم کا شہر ہیں اور علیؑ اس کا دروازہ'' آخر کتاب میں انشاء اللہ باب مدینۃ العلم کا وہ جامع اور فصیح خطبہ منسلک کیا جائیگا جس میں کہیں حرف ''الف'' کا استعمال نہیں ہوا ہے۔ ترجمہ ''بے الف'' بھی ملاحظہ فرمائیے گا۔ یہ ترجمہ ابی العلام سرکار ظفر الملۃ طاب ثراہ نے کیا ہے۔ فی البدیہہ خطبہ بے الف حضرت علیؑ کے باب مدینۃ العلم ہونے کی جیتی جاگتی دلیل اور محکم حجت ہے۔

ت: ''**ایھا النّاس** !میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جنھیں لے لو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، وہ کتاب خدا ہے اور میری عترت جو میرے اہل بیت ہیں۔ تمہیں خدا کو یاد دلا رہا ہوں اپنے اہلبیتؑ کے بارے میں، میں تمہیں خدا

کو یاد دلا رہا ہوں اپنے اہل بیت کے بارے میں۔'' (صحیح مسلم باب فضائل علیؑ ۵ ص ۱۲۲، صحیح ترمذی ۵ ص ۳۲۸، مستدرک حاکم ۳ ص ۱۴۸، مسند احمد بن حنبل ۴ ص ۱۷)

د: (اس حدیث پر محترم رزاق صاحب نے کوئی تبصرہ نہیں لکھا) کاش رزاق بھائی اور دیگر برادران اہل سنت صرف اسی حدیث پر غور فرماتے جو کہ نہ صرف صحاح بلکہ تقریباً سبھی علماء اہل سنت کے نزدیک مسلم ہے، تو کبھی اِدھر اُدھر نہ بھٹکتے، اور ''صراط مستقیم'' تک رسائی حاصل کر لینے کے بعد ''الحمدللہ'' کا کلمہ زبان پر جاری ہوتا ____ اور ____ قرآن مجید کی اس آیت پر عمل بھی ہو جاتا۔ ''ما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا واتقو اللہ ان اللہ شدید العقاب ☆ یعنی اللہ کے رسولؐ جو کچھ تمہیں دیں اسے لے لو اور جن چیزوں سے منع کریں ان سے دور رہو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (ورنہ) یقیناً اللہ کے سخت عذاب سے دوچار ہونا پڑیگا)'' (حشر ۷)

ت: میں نہیں سمجھ سکتا کہ مجھے ایسے صحابی کے بارے میں کیا کہنا چاہئے جو مالک ابن نویرہ جیسے جلیل القدر صحابی، سردار بنی تیم و بنی یربوع کو قتل کرے...... خالد نے مالک کو دھوکہ دیا اور جب ان لوگوں نے اسلحہ رکھدیا اور نماز جماعت میں شریک ہوگئے تو انھیں رسیوں سے باندھ دیا اور انھیں اسیروں کے درمیان لیلیٰ بنت منہال زوجۂ مالک کو دیکھا جو اپنے حُسن و جمال میں شہرۂ آفاق تھی ____ تو اس کے حُسن پر فریفتہ ہوگیا ____ مالک نے صاف کہہ دیا کہ ''خالد ہمیں ابوبکر کے پاس بھیجدو وہ ہمارے بارے میں فیصلہ کریں گے'' اور عبداللہ ابن عمر اور ابو قتادہ انصاری نے بھی اس تجویز کی تائید کی کہ انھیں ابوبکر کے پاس بھیجدیا جائے اور وہ فیصلہ کریں لیکن خالد نے تمام مطالبات کو ٹھکرا دیا اور کہا کہ ''خدا مجھے معاف نہ کرے اگر میں اسے قتل نہ کردوں ____ '' خالد نے ان کی گردن اڑادی اور لیلیٰ کو

گرفتار کر کے اسی رات اس سے ہمبستری کی۔ (ابو الفدا ا، اص ۱۵۸، یعقوبی ۲ص ۱۱۰، تاریخ ابن شہنہ بر حاشیہ کامل ااص ۱۱۴، وفیات الاعیان ۶ص ۱۴) ___ یہ اسی وجہ سے کہ ابوقتادہ واپس چلے آئے اور انھوں نے قسم کھائی کہ جس لشکر کا سردار خالد ہوگا اس میں ہرگز شرکت نہیں کریں گے (طبری ۳ص ۲۸۰، یعقوبی ۲ص ۱۱۰، ابو الفدا ا، اصابہ ۳ص ۳۳۶)

اس سلسلہ میں استاذ ہیکل کا وہ اعتراف نقل کردینا بھی کافی ہوگا کہ انھوں نے اپنی کتاب ''ابوبکر الصدیق'' میں رائی عمر و حجتہ فی الامر کے ذیل میں درج فرمایا ہے کہ ''حضرت عمر قطعی عدالت کا نمونہ تھے اور ان کا خیال تھا کہ خالد نے ایک مسلمان پر زیادتی کی ہے اور اسکی زوجہ سے بدکاری کی ہے لہٰذا اس کا لشکر میں رہنا کسی قیمت پر مناسب نہیں ہے تاکہ ایسے جرائم کی تکرار نہ ہونے پائے اور امور مسلمین میں فساد پیدا نہ ہو ___ اور اسے بغیر سزا نہ چھوڑا جائے کہ اس نے لیلیٰ کے ساتھ بدکاری کا ارتکاب کیا ہے''...... ''ان کی زوجہ کے ساتھ بدکاری تو بہر حال حد کی موجب ہے اور اس کا یہ عذر ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وہ سیف اللہ ہے یا وہ ایک سردار ہے جسکی رکاب میں فتح وظفر چلا کرتی تھی ___ اسلئے کہ اگر ایسے عذر قابل قبول ہوگئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خالد جیسے افراد کے لئے تمام حرام حلال ہوجائیں گے اور یہ بات احترام کتاب اللہ کی بدترین مثال ہوگی ___ اور شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر برابر ابوبکر سے سزا کے بارے میں اصرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ انھوں نے اسے بلا کر ڈانٹ دیا'' (الصدیق ابوبکر ص ۱۵)

اس مقام پر کیا میں استاذ ہیکل اور اپنے ان تمام علماء کرام سے جو تقدیس صحابہ کے لئے ہر ناجائز اقدام کرنے کے لئے تیار ہیں ___ یہ سوال کرسکتا ہوں کہ حضرت ابوبکر نے خالد پر حد کیوں نہیں جاری کی؟ ___ اور اگر عمر قطعی اور حتمی عدالت و انصاف کے نمونہ تھے تو انھوں نے صرف معزولی پر کیوں اکتفا کرلی اور

حد کا تقاضہ کیوں نہیں پورا کیا تا کہ یہ مسلمانوں میں احترام کتاب اللہ کی بدترین مثال نہ بننے پائے، جیسا کہ انھوں نے اپنے احتجاج میں فرمایا تھا اور کیا ان حضرات نے کتاب اللہ کا احترام کرلیا اور حدود الٰہیہ کو قائم کردیا ــــــ ؟ ہرگز نہیں، یہ صرف ایک سیاسی چال تھی جسے ہر شخص نہیں سمجھ سکتا کہ سیاست عجائب روزگار جنم دیا کرتی ہے اور حقائق کو منقلب کردیا کرتی ہے۔ سیاست نصوص قرآنی کو دیوار پر ماردیا کرتی ہے۔

ر: یہ شخص بھول رہا ہے کہ خلیفہ وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے اور صرف ان کا ہی حکم چلتا تھا۔ حضرت عمرؓ صرف اپنی رائے دے سکتے تھے، اور یہ شخص یہ بھی بھول رہا ہے کہ خلیفہ ابوبکرؓ کی خلافت میں حضرت علیؓ بھی بقید حیات تھے تو انھوں نے کیوں اسکے خلاف آواز نہیں اٹھائی اور نہ ہی اسکے خلاف قدم اٹھانے کی کوشش کی؟ کیا حضرت علیؓ ظلم ہونے دے رہے تھے اور حق کہنے سے یا حق کی مدد کرنے سے ڈر رہے تھے؟ جبکہ حضرت علیؓ مجلس شوریٰ کے ایک رکن تھے۔

د: محترم رزاق بھائی! یہ سچ ہے کہ خالد بن ولید نے جب صحابی رسول مالک بن نویرہؓ اور انکے محترم مسلم قبیلے کا قتل عام کیا اور اسی رات انکی بیوی کے ساتھ فعل بد کا مرتکب ہوا تو اسوقت خلیفہ وقت حضرت ابوبکر تھے اور انھیں کے حکم سے یہ چڑھائی کی گئی تھی اور انھیں کے حکم کا سکہ اسوقت چل رہا تھا، چلئے آپکی بات تسلیم کہ حضرت عمر اسوقت ایک مشیر کی حیثیت رکھتے تھے اسلئے مالک ابن نویرہؓ کے قتل اور انکی زوجہ کے ساتھ بدکاری کے ذمہ دار (شاید) وہ نہ رہے ہوں......مگر......محترم! آپ حضرت عمر کا دفاع تو کررہے ہیں......پر......حضرت ابوبکر کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کہ اتنے عظیم جرم کے بعد بھی ایک صحابیٔ رسولؐ کے قاتل اور زانی کو بجائے سنگسار کرنے کے ''سیف اللہ'' کا خطاب عطا کررہے ہیں؟؟ محترم! تاریخی واقعات گواہ ہیں کہ دونوں بزرگوار اپنے سیاسی مقاصد کے حصول میں ایک

ہی سکہ کے دو پہلو تھے۔

جہانتک حضرت علیؑ کے آواز نہ اٹھانے کی بات آپ نے کہی ہے، تو میں سمجھتا ہوں کہ اب آپ حقیقت سے اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے وصال کے بعد حضرت علیؑ کی کیا حیثیت رہ گئی تھی۔ بغیر علیؑ کی شرکت کے مسئلہ خلافت طے کر لینا، علیؑ اور فاطمہ زہراؑ کے گھر پر آگ اور لکڑی جمع کرنا، دروازہ جلایا جانا، علیؑ کی زوجہ اور بنت نبیؐ کا پہلو زخمی ہونا، علیؑ کے گلے میں رسی کا پھندہ ڈالکر کشاں کشاں دربار خلافت میں لانا، دربار میں علیؑ کی زوجہ اور بچوں کو جھوٹا قرار دینا ـــــ ایسے واقعات ہیں کہ جس کے بعد حضرت علیؑ کے لئے ضروری تھا کہ گوشہ نشینی اختیار کر کے خاموشی کے ساتھ دین اسلام کی حفاظت کرتے رہیں۔ اسی لئے بدر و حنین و خیبر و خندق کا عظیم فاتح پچیس سال تک تاریخ اسلام کے اوراق پر کہیں نظر نہیں آتا، سیرت کی کتابوں میں ضرور ملتا ہے کہ جب خلفاء وقت پر کوئی مشکل پڑ جاتی تھی تو ''مشکلکشا'' کو یاد کیا جاتا تھا اور آپ بڑھ کر انکی مشکلکشائی کر دیتے تھے، اور بس، نہ ہی حضرت علیؑ کسی خلیفہ کی بنائی ہوئی مجلس شوریٰ کے رکن تھے، اور نہ آپ انکے معاملات میں خود سے دخل انداز ہوتے تھے۔ بعد پیغمبرؐ حضرت علیؑ کی کیا پوزیشن خلفاء کی نظر میں تھی، ڈپٹی نذیر احمد (ایک بے باک سُنی عالم) کے ایک جملہ سے واضح ہے کہ ''کسی دوسرے کو ایسے پیہم صدمات پہونچتے تو وہ زہر کھا کر مر جاتا۔'' (رویائے صادقہ)...... ان حالات میں حضرت علیؑ کی صدائے احتجاج کون سن سکتا تھا؟ محترم رزاق بھائی خالد ابن ولید کے بارے میں جب حضرت ابو بکر نے اپنے محسن اور مشیر خاص حضرت عمر کی بات نہ مانی تو بھلا حضرت علیؑ کی کیا سنتے ''حضرت علیؑ ظلم ہونے دے رہے تھے'' ایسا نہیں تھا جب خود حضرت علیؑ اور اُن کی ذریت پر ظلم توڑے جا رہے تھے تو وہ دوسروں کو ظلم و ستم سے کہاں بچا سکتے تھے۔

تبصرہ وجواب تبصرہ

تعارف

جناب ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی تیونیشیا کے رہنے والے ہیں جنھوں نے سن شعور پر پہونچنے کے بعد مختلف فرقوں کے عقائد ونظریات کا گہرا مطالعہ کیا، دور و دراز کے سفر کئے علماء اعلام کے ساتھ نشستیں ہوئیں اور بعد از تحقیق وجستجو مذہب اہلسنت والجماعت ترک کر کے مذہب شیعہ قبول کرلیا۔ ڈاکٹر تیجانی نے شیعیت قبول کرنے کے بعد عربی زبان میں ''ثم اھتدیت'' نامی کتاب تصنیف کی جس کا ترجمہ دنیا کی مختلف زبانوں کے ساتھ اردو زبان میں بھی کیا گیا۔ اس ترجمہ کا نام ''مجھے راستہ مل گیا'' رکھا گیا۔ یہ کتاب محترمی ظفر حسین (علیکو انجینئرس لکھنؤ) نے اپنے برادر نسبتی جناب عبدالرزاق کاظم صاحب (سنی المذہب) کے پاس برائے مطالعہ کویت بھیج دی۔ محترم عبدالرزاق کاظم نے اس کتاب کو پڑھا اور اس پر اپنا تنقیدی تبصرہ لکھ کر ظفر صاحب کے پاس واپس بھیج دیا۔ اسی تبصرہ پر ''جواب تبصرہ'' بنام ''جستجو'' پیش خدمت ہے۔

ڈاکٹر تیجانی نے کتاب کے ابتدائی صفحات میں طریقہ تیجانیہ اور اس کے عقائد ورسوم کو پیش کیا ہے۔ اسی اعتقاد پر رہتے ہوئے، مالکی مسلک پر وہ پلے بڑھے، علم قرآن وحدیث وتاریخ حاصل کیا۔ کم سنی میں ہی حج کی سعادت حاصل ہوگئی۔ حج کے سفر کے دوران وہابی نظریات سے متاثر ہوئے، پھر شیخ عبدالقادر جیلانی کے شیدائی بن گئے۔ ایک صوفی بزرگ شیخ اسمٰعیل سے ملاقات کرائی گئی، جن کی زیادہ قربت نے ان بزرگ کو شک کے دائرہ میں کھڑا کردیا۔ اُن کا ہر عمل مشکوک نظر آنے لگا۔ حال قال کی محفلیں ڈاکٹر تیجانی کو پسند نہیں آئیں۔ مختلف

ت: مجھے میرے ایک (شیعہ) دوست نے اسوقت حیرت میں ڈال دیا جب میں اسکی مزاح پسند طبیعت کو دیکھ کر خالد کے خصوصیات بیان کر رہا تھا اور سیف اللہ کے لقب سے یاد کر رہا تھا تو اس نے کہا وہ ''سیف الشیطان المشلول'' تھا...... اور مجھے اسوقت یہ بات انتہائی ناگوار اور عجیب معلوم ہوئی تھی لیکن جب میں نے خود تحقیق کی تو اللہ نے میری بصیرت کے دروازے کھول کر مجھے ان لوگوں کے حالات سے باخبر بنا دیا......''

ر: کیا کسی سُنی نے ان کے کسی گذشتہ یا حالیہ لیڈر کو کبھی ایسے الفاظ سے یاد کیا ہے؟

د: محترم رزاق بھائی! مسلمانوں کے قاتل اور ایک زانی کو اہلسنت والجماعت کا لیڈر نہ قرار دیں تو بہتر ہے۔ میرے محترم دوست! خالد بن ولید کی محبت میں اتنا سرشار نہ ہو جایئے کہ حضور اکرمؐ کی محبت اور ان کا اتباع پیچھے رہ جائے۔ محترم! خالد بن ولید کو ''سُنی قائد'' تسلیم کرنے سے پہلے پھر سے غور و فکر کیجئے کہ مرسل اعظمؐ جس کے ناپاک عمل سے برأت کا اظہار فرمائیں (صحیح بخاری) جسکے لئے قبلہ رو ہو کر ہاتھوں کو بلند کر کے بددعا کریں (سیرت ابن ہشام وغیرہ) جو مسلمانوں کا قاتل ہو، جس نے ایک صحابیٔ رسولؐ کی بیوی کو اپنی ہوس کا شکار بنایا ہو اور جسے سزا دینے کے لئے حضرت عمر اصرار کر رہے ہوں...... ایسے شخص کو ''سیف اللہ'' کہا جائیگا یا ''سیف الشیطان''......؟ کیا ایسے ناعاقبت اندیش کو کسی مذہب کا لیڈر تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ ''ہاں'' تو سوچئے کہ جس مذہب کا لیڈر ایسا ''شیطان صفت'' انسان ہوگا بھلا اس مذہب کو کیا کہا جائیگا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اہل بیتؑ کی مثال سفینۂ نوحؑ کی ہے

ت: رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ ''میرے اہل بیتؑ کی مثال سفینۂ نوحؑ کی سی ہی

ہے جو اس پر سوار ہوگیا نجات پاگیا اور جو اس سے الگ رہ گیا وہ غرق ہوگیا" (مستدرک حاکم ۳ ص ۱۵۱، تلخیص ذہبی، ینابیع المودت ص ۳۰، ۳۷، صواعق محرقہ ص ۱۸۴، ۲۳۴، تاریخ الخلفاء سیوطی ــــ) "تمہارے درمیان میرے اہلبیتؑ کی مثال بنی اسرائیل میں باب حطہ کی سی ہے، جو اس میں داخل ہوگیا اُسے بخش دیا گیا۔" (مجمع الزوائد ۹ ص ۱۶۸) ــــ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ اہلبیتؑ کو سفینہ نوح سے تشبیہ دینے کا مقصد یہ ہے کہ جس نے ان سے محبت کی اور ان کی عظمت کا اعتراف کیا' ان کے علماء کی ہدایت کی راہ پر چلتا رہا وہ مخالفتوں کی تاریکیوں سے نجات پاگیا اور جو ان سے منحرف ہوگیا وہ کفران نعمت کے سمندر میں غرق ہوگیا اور سرکشی کے طوفان میں گم ہوگیا...... اور باب حطہ سے تشبیہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح خدا نے باب اریحا یا باب بیت المقدس کو بنی اسرائیل کے لئے سبب مغفرت قرار دیا تھا اگر وہ تواضع اور استغفار کے ساتھ داخل ہوجائیں، اسی طرح اس امت کے لئے اہل بیتؑ کی محبت کو وسیلہ مغفرت قرار دیا ہے۔

ر: یہ شخص پھر حدیثوں سے اور قرآن سے ہٹ کر تاریخی یا قدیم علماء کی کتاب کی طرف رجوع کر رہا ہے۔

د: محترم! تیجانی صاحب نے کوئی تاریخی واقعہ نہیں پیش کیا ہے بلکہ حدیث سفینہ پیش کی ہے جو تقریباً حدیث کے تمام مجموعوں میں موجود ہے۔ اسلئے حدیث سفینہ یا حدیث باب حطہ کے قبول کرنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہئے۔ برادران اہل سنت والجماعت کے لئے حاکم کی کتاب "مستدرک علی الصحیحین فی الحدیث" کا حوالہ ہی حجت کی حیثیت رکھتا ہے اور کافی ہے۔

ت: مجھے اب اندازہ ہوگیا ہے کہ ہمارے (اہل سنت والجماعت) علماء کی تمام تر کوشش یہی ہے کہ حقائق کی پردہ پوشی کریں اور انھیں عوام پر واضح نہ ہونے دیں

اور اس راہ میں وہ کبھی احادیث صحیحہ کی تاویل کرتے ہیں اور اسے عجیب وغریب معانی پر محمول کرتے ہیں اور کبھی احادیث معتبرہ کا انکار ہی کر دیتے ہیں چاہے ان کا اندراج صحاح اور مسانید ہی میں کیوں نہ ہو___ اور خود رسول اکرمؐ کی وصیت کو بھی فراموش کر دیتے ہیں جیسا کہ بقول بخاری و مسلم رسول اکرمؐ نے وقت وفات تین باتوں کی وصیت فرمائی تھی:

ا۔ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دیا جائے۔

۲۔ ہر وفد کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا جائے جیسا کہ میں کیا کرتا تھا۔

۳۔ راوی کا بیان ہے کہ میں تیسری وصیت کو بھول گیا (بخاری ا ص ۱۲۱ باب جوائز الوفد من کتاب الجہاد، صحیح مسلم کتاب الوصیۃ)

___ اور صحابہ تین وصیتوں کو بھی محفوظ نہ رکھ سکے جبکہ ان حضرات کا حافظہ اس قدر قوی تھا کہ ایک مرتبہ قصیدہ سننے کے بعد پورے قصیدے کو محفوظ کر لیا کرتے تھے۔ تو کیا یہ نہ کہا جائے کہ یہ سب سیاست کی بازیگری ہے جس نے انھیں نسیان اور عدم ذکر پر مجبور کر دیا ہے___ یقیناً رسول اکرمؐ کی وصیت کا تعلق حضرت علیؑ کی خلافت سے تھا اور اسی لئے صحابی کا حافظہ خطا کر گیا۔ اور اس وصیت کو یاد نہ رکھ سکا جبکہ اس مسئلہ میں تحقیق کرنے والا صاف محسوس کر لیتا ہے کہ روایت سے وصیت وصایت علیؑ کی خوشبو آرہی ہے۔ اگرچہ اسکے چھپانے پر پورا زور صرف کر دیا گیا ہے جیسا کہ بخاری نے کتاب الوصایا میں اور مسلم نے کتاب الوصیۃ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ سے اس امر کا تذکرہ کیا گیا تھا کہ رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں وصیت کی تھی۔ (بخاری ۳ ص ۶۸ باب مرض النبی ووفاتہ، مسلم ۲ ص ۱۴ کتاب الوصیۃ)

د: محترم رزاق بھائی نے مندرجہ بالا عبارت پر کوئی تبصرہ نہیں فرمایا ہے۔ بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ خدا انھیں اور تمام حق پسند برادران اہل سنت کو حقیقت کی

روشنی میں ''حق'' کو پرکھنے، سمجھنے اور قبول کرنے کی توفیق عطا کرے تاکہ حضرت علیؑ اور اہل بیت طاہرینؑ کا سچا عرفان حاصل ہو سکے۔ آمین!

ت: اور اس کے بعد عمر بن الخطاب کی خلافت اسی اجتہاد کے نتیجہ میں سامنے آئی اور ابوبکر نے اس شوریٰ کو نظر انداز کر دیا جس سے اپنی خلافت کی صحت پر استدلال کیا کرتے تھے اور عمر نے مٹی کو اور بھی گیلا کر دیا کہ امور مسلمین پر قبضہ کر کے حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال بنا دیا (سنن ابوداوٗد، اص ۳۴۴)...... اس کے بعد عثمان کا دور آیا تو وہ سو قدم اور آگے چلے گئے اور انھوں نے اپنے سابقین کو بھی پیچھے چھوڑ دیا اور سیاست و مذہب کے میدان میں اجتہاد کا بازار گرم ہو گیا۔ یہاںتک کہ انقلاب برپا ہو گیا اور انھیں اپنے اجتہاد کی مکمل قیمت ادا کرنی پڑی۔

ر: یہ کس کی کتاب ہے اور کون اسے معتبر مانتا ہے۔ سُنی یا شیعہ؟

د: محترم! سنن ابوداوٗد مذہب اہلسنت کی معتبر ترین کتابوں میں سے ایک ہے اور اس کا شمار ''صحاح ستہ'' میں ہے۔ مذہب اہل سنت کی بنیادی چھ کتابیں یہ ہیں: ۱۔ صحیح بخاری (۲) صحیح مسلم (۳) صحیح ترمذی (۴) سنن ابوداوٗد (۵) سنن ابن ماجہ (۶) سنن نسائی، کتاب ابوداوٗد میں چار ہزار آٹھ سو حدیثیں ہیں۔ امام ابوداوٗد کی پیدائش ۲۰۳ھ میں اور وفات ۲۷۵ھ میں ہوئی۔ محترم! جب اہل سنت کی ایک معتبر ترین حدیث کی کتاب میں یہ درج ہے تو اب تو مان لیجئے کہ ''حضرت عمر نے مٹی کو اور بھی گیلا کر دیا کہ امور مسلمین پر قبضہ کر کے حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال بنا دیا''۔

معاویہ کاتب وحی، مجتہد اور قاتل امام حسنؑ!

ت: اس بحث سے یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ اہل سنت نے سنت نبوی کے لکھنے سے روکنے کی بنا پر اپنے کو اکثر معاملات میں بے سہارا پایا اور نتیجہ میں قیاس، رائے،

استحسان اور سد باب ذرائع وغیرہ کا سہارا لینا پڑا لیکن شیعوں کو اس لاوارثی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اور انھوں نے حضرت علیؑ کی شخصیت کو اپنا مرکز شریعت قرار دیا جو باب مدینۂ علمِ پیغمبرؐ تھے اور ان کا مسلسل اعلان تھا کہ جو چاہو دریافت کرلو مجھے رسولؐ اکرم نے علم کے ہزار باب تعلیم کیئے ہیں اور میں نے ہر باب سے ہزار باب کھولے ہیں۔ (تاریخ دمشق ابن عساکر ۲ ص ۴۸۴، مقتل الحسین خوارزمی ا ص ۳۸، الغدیر ۳ ص ۱۲۰)

غیر شیعہ افراد نے معاویہ کے گرد حلقہ باندھا تھا جس کے پاس سنت رسول کا علم نہ ہونے کے برابر تھا۔ اور وہ امیر المومنین حضرت علیؑ کے بعد باغیوں کا امام ہونے کیلئے امیر المومنین بھی بن گیا تھا۔ اور اس نے اپنے پیش رو افراد سے زیادہ نصوص کے مقابلہ میں اجتہاد کیا تھا۔ اور اسے کاتب وحی اور عالم و مجتہد کا ہی درجہ دیتے رہے۔ حالانکہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ شخص کس طرح مجتہد قرار دیا جاسکتا ہے جس نے فرزند رسولؐ سردار جوانان جنت امام حسنؑ کو زہر دیا ہو اور ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا ہو ــــــ مگر یہ کہ اسے بھی اجتہاد قرار دیا جائے اور خطائے اجتہادی کا درجہ دیدیا جائے۔

بھلا معاویہ کیسا مجتہد ہے کہ اس نے جبر و قہر کے ساتھ اپنے لئے اور پھر اپنے بیٹے یزید کے لئے بیعت حاصل کی اور نظام شوریٰ کو قیصریت میں تبدیل کر دیا۔ اور حضرت علیؑ اور اہلبیتؑ کرام پر منبروں سے ۶۰ سال تک لعنت کرائی۔ مگر یہ کہ اسے بھی اجتہاد قرار دیدیا جائے۔

آخر معاویہ کو کاتب وحی کس اعتبار سے قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ وحی کا سلسلہ ۲۳ سال تک جاری رہا اور معاویہ اس میں سے ۲۱ سال مشرک رہا اور پھر فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوا۔ اور کسی روایت میں نہ معاویہ کے مدینہ میں رہنے کا ذکر ہے اور نہ رسول اکرمؐ کے فتح مکہ کے بعد مکہ میں قیام کرنے کا تذکرہ ہے، تو کیا

کاتب وحی ایسا ہی انسان ہوتا ہے؟ فلا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ر: امام حسنؑ کو زہر دینے کا الزام حضرت معاویہ پر کس نے تراشا ہے؟ اور اسکی تصدیق کس نے کی؟ کیا شیعوں کی ہر بات درست ہے اور سنیوں کی غلط؟

د: محترم رزاق بھائی! حقائق سے چشم پوشی نہ کیجئے، بلکہ فکر و تحقیق کی نظر کو وا کیجئے۔ اور تلخ حقیقتوں کو تسلیم کیجئے یہاں یہ سوال نہیں ہے کہ شیعوں کی ہر بات صحیح ہوتی ہے یا نہیں، اس کتاب "جستجو" میں بھی تمام تر گفتگو یا قرآن سے ہے یا کتب اہل سنت سے۔

جہاں تک حضرت امام حسنؑ کی شہادت کا تعلق ہے تو اُسے بھی ڈاکٹر تیجانی نے، امیر معاویہ کے ذریعہ زہر دیئے جانے کی بات اپنی طرف سے تراش کر نہیں لکھی ہے، بلکہ اکثر علماء اہل سنت نے تحریر کیا ہے کہ امام حسنؑ کی زوجہ جعدہ بنت اشعث ابن قیس کندی نے آپ کو وہ زہر پلا دیا جسے معاویہ نے خفیہ طور پر اُسے بھیجا تھا۔ اور کہلایا تھا کہ اگر تو امام حسنؑ کو قتل کردیگی تو میں ایک لاکھ درہم دونگا اور یزید سے عقد کردونگا۔ اسی سبب سے جعدہ امام حسنؑ کو زہر دینے پر آمادہ ہوگئی۔ جب امام کی شہادت ہوگئی تو معاویہ نے مال تو دیدیا اور یہ کہلا دیا کہ میں یزید کی زندگی چاہتا ہوں...... اگر یہ بات نہ ہوتی تو یزید سے نکاح کے وعدے کو بھی پورا کرتا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (۱) علامہ ابن عقیل کی النصائح الکافیہ ص ۷۰، ۹۵ (۲) علامہ ابوالحسن مسعودی کی مروج الذہب ص ۳۶، ۵۹، (۳) علامہ شہر ابن آشوب کی کتاب مناقب شہر آشوب، جلد ۴ ص ۵۸ (۴) ابن عبدالبر کی استیعاب جلد ۱ ص ۳۷۵ (۵) سبط ابن جوزی کی تذکرۃ الخواص الامہ (۶) علامہ زمخشری کی ربیع الابرار (۷) علامہ دیار بکری کی تاریخ الخمیس (۸) علامہ دمیری کی حیوۃ الحیوان (۹) علامہ عبدالقادر ابن محمد طبری کی حسن السریرہ (۱۰) تاریخ ابوالحسن مدائنی وغیرہ وغیرہ ___)

خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز سُنی یا شیعہ؟

ت: شاید معاویہ ہی نے ہمیں اہل سنت والجماعت کا نام دیا تھا تو اس کا مقصد سبِّ علیؑ کی سنت تھی جس کا سلسلہ ۶۰ برس تک جاری رہا اور جسے عمر ابن عبدالعزیز کے علاوہ کوئی نہ روک سکا اور اس نے بھی روک دیا تو بعض مورخین کے مطابق بنی امیہ ہی نے اس کے قتل کی سازش کی تھی تو صرف اس لئے کہ اس نے ''سنت'' یعنی حضرت علیؑ پر لعنت کو بند کر دیا۔

ر: شکر ہے کہ اس شخص نے قبول کیا کہ سنیوں میں کوئی تو ایسا انصاف پسند گذرا یقیناً عمر ابن عبدالعزیز سچا مسلم ہوگا' تو اس شخص نے کیوں کھوج نہیں کی کہ عمر ابن عبدالعزیز کس فرقہ پر قائم تھے اور کسے سچا سمجھتے تھے؟

د: محترم رزاق بھائی! یہ بات پہلے ہی بصد استدلال پیش کی جا چکی ہے اور عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ ''اہل سنت والجماعت'' میں مختلف عقیدے، مختلف مسالک اور مختلف نظریات کے مسلمان ملتے ہیں، مثلاً جو اللہ کو لطیف یعنی لمس و دید سے بالاتر مانے وہ بھی سنی مسلمان اور جو اللہ کو مجسم مانے نیز دیدار کا قائل ہو وہ بھی سنی مسلمان ، جو اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر کو ہر حال میں نبی اور معصوم سمجھے وہ بھی مذہب اہلسنت کا رکن اور جو نبی اکرم کو بھول چوک، (معاذ اللہ) شہوت پرستی، بعض صحابہ کے مقابلہ میں کم سوجھ بوجھ والا مانتا ہو وہ بھی سنی مسلمان ۔ جو اہل بیت طاہرینؑ کو صحابہ پر فضیلت دیتا ہو وہ بھی سنی مذہب میں داخل اور جو انھیں مفضول قرار دے وہ بھی سُنی مسلمان۔ جو حضرت علیؑ کو اسد اللہ، معصوم، مفترض الطاعۃ، ''خدا کے بعد نبیؐ ہے نبیؐ کے بعد علیؑ'' کہے وہ بھی مذہب اہل سنت کی جان اور جو اس ذات گرامی پر سب وشتم جائز سمجھتا ہو وہ بھی مذہب اہلسنت کا رکن۔ جو معاویہ پر لعن کہنا جائز اور درست سمجھتا ہو وہ بھی دائرہ اہلسنت میں داخل اور جو ''امیر المومنین'' سمجھتا ہو وہ بھی تابع مذہب

اہل سنت۔ جو یزید کے نام کے ساتھ ''علیہ اللعن'' لکھتا ہو وہ بھی ایک سنی مسلمان اور جو ''رحمۃ'' ــــــ 'لکھتا ہو وہ بھی اپنے مذہب کا دفاع کرنے والا ایک سنی مسلمان ــــــ محترم! ایسا نہیں ہے کہ شیعہ لوگ تمام سنی حضرات کو سرے سے غیر منصف یا ظالم ہی سمجھتے ہیں۔

جہانتک عمر ابن عبد العزیز کی بات ہے تو میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ظاہراً وہ کس فرقہ پر قائم تھے اور کسے سچا سمجھتے تھے ــــــ مگر ــــــ ان کے متعلق ایک سنی بزرگ عالم خواجہ حسن نظامی (دہلی) نے اپنی کتاب ''یزید نامہ'' مطبوعہ ۱۹۲۹ء ص ۱۴۵ میں اور علامہ ابن عبد ربہ نے اپنی کتاب ''عقد الفرید'' جلد ۳ ص ۲۴۷ میں جو کچھ لکھا ہے اسکا ماحصل اسطرح ہے کہ ''سلیمانؔ ابن عبد الملک کے بعد عمؔر ابن عبد العزیز زبردستی تخت خلافت پر بٹھائے گئے۔ حکومت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی حضرت علیؑ پر سبّ وشتم کی سنت کو بند کرایا فدک آل رسولؐ کو واپس کردیا۔ لوگوں نے کہا کہ اے امیر تم نے فدک واپس کر کے حضرت ابوبکر و حضرت عمر پر طعن کیا تو انھوں نے جواب دیا ھما طعناً علیٰ انفسھما یعنی انھوں نے خود ہی اپنے نفس پر طعن کیا...... ایک شخص نے یزید کو امیر المومنین کہا تو اسے بیس دُرّے لگوائے ــــــ پھر عمر ابن عبد العزیز نے ارادہ کیا کہ خلافت بنی فاطمہؑ کے سپرد کر دیں۔ بنی امیہ نے جب سنا تو ان کے قتل کی سازش کی، چنانچہ عبد الملکؔ بن مروان کے بیٹے یزید (ثانی) نے ایک نوکر کی سازش سے انھیں زہر دیدیا۔ رزاق صاحب آدمی کا نظریہ اور عقیدہ اس کے عمل سے پرکھا جاتا ہے۔ عمر ابن عبد العزیز کا عمل ایک کھلی کتاب ہے۔

پیغمبر اسلامؐ کی جنوں پر نبوت

محترم رزاق بھائی نے تیجانیؔ صاحب کی کتاب پر تبصرہ ختم کرنے کے

بعد علامہ ذیشان حیدر جوادی طاب ثراہ کی ایک تقریر کے حوالے سے ان پر اعتراض کیا ہے کہ انھوں نے بغیر کسی حدیث کا حوالہ دیئے ہوئے نبی اکرم کو جنوں کے لئے نبی کیسے قرار دیدیا اور جناتوں کا سردار حضرت علیؑ کو کیسے بنادیا؟ ذیل میں رزاق بھائی کی تحریر اوراس کا جواب حاضر ہے۔

ر: بتاریخ 20-4-2000 بروز جمعرات رات کے تقریباً ساڑھے نو بجے اسلامی نیٹ ورک ٹیلیویژن پر واعظ ذیشان حیدر کا بیان: اس تقریر کا مختصر پہلو میں یہاں لکھ رہا ہوں جس میں انھوں ے قرآن کا حوالہ دے کر کہا کہ جب جن نے پہلی مرتبہ قرآن کی تلاوت کو سنا تو اپنی قوم سے جا کر یعنی اپنے ساتھی جناتوں سے کہا کہ اس نے عجیب باتیں سنیں اور یہ جن مسلمان ہوگیا...... پھر انھوں نے اس کو نبوت سے ملایا کہ جسکے ذریعہ قرآن آیا وہ نبی یعنی محمدؐ رسول اللہ انسان کے لئے بھی نبی اور جنوں کے لئے بھی نبی۔ مگر انھوں نے اس ضمن میں کوئی بھی حدیث کا حوالہ نہیں دیا۔ پھر انھوں نے لوگوں کو بہکانے کے لئے لفظوں کو جوڑ کر ایک خیالی ماحول پیش کیا اور جوڑ دیا کہ جو رسولؐ کا جانشین ہوگا وہ جناتوں کا بھی سردار ہوگا، یعنی ان کا پورا زور اس پر تھا کہ جناتوں کے سردار حضرت علیؓ ہیں۔ حالانکہ اب تک شیعہ یہ حجت قائم نہ کر سکے کہ رسولؐ کے جانشین صرف حضرت علیؓ ہی ہیں ورنہ آج شیعوں کی تعداد دنیا میں سنیوں سے زیادہ ہوتی۔ اس پر یہاں میں بحث نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ دوسری بات یہ کہ اگر ہم قرآن میں نظر دوڑائیں اور اس پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ جنات کے بارے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور کا ذکر ہے جو نبی تھے اور محمد بھی نبی اور رسول تھے یعنی اللہ کے نبی تو کیا شیعہ حضرت علیؓ کی نبوت کے دعویدار ہیں؟

د: جناب رزاق صاحب! آپ کو یہ اعتراض تو سمجھ میں آتا ہے کہ مولانا ذیشان صاحب مرحوم نے حضرت علیؑ کو جنات کا سردار کیسے کہہ دیا اسلیئے کہ سنی عقیدہ پر قائم

ہونے کی وجہ سے آپ حضرت علیؓ کو جناب رسالتمآبؐ کا روحانی اور مذہبی جانشین نہیں سمجھتے لیکن تعجب ہے کہ آپ معترض ہیں کہ ''مولانا ذیشان صاحب نے اس امر کے لئے کسی حدیث کا حوالہ نہیں دیا کہ محمد رسول اللہ انسان کے لئے بھی نبی ہیں اور جنوں کے لئے بھی'' جب قرآن مجید میں واضح الفاظ میں اور تفصیل سے ذکر ہے کہ ''جب جنوں نے سرکار رسالتمآبؐ سے قرآن کی آیات کی تلاوت سنی تو ایمان لے آئے۔'' تو اب اس امر کے لئے کسی حدیث کے ذکر کی کیا ضرورت؟ قرآن کا پورا سورہ جنوں کی ہدایت اور ان کے ایمان کا ذکر کر رہا ہے۔ ملاحظہ ہو:

قل اوحی الی.......... وانا منا الصٰلحون و مناالقاسطون ——

(الی الآخر) سورۂ جن آیات ۱-۱۷، جنوں کے ایمان کا ذکر سورہ احقاف کی آیات میں بھی کیا گیا ہے۔ **واذ صرفنا الیك نفراً من الجن یستمعون القرآن فلماحضر وہ قالو اانصتوا**...... (سورہ احقاف آیات ۲۹-۳۲)

محترم! قرآنی آیات کو کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہے بہرحال مزید تسکین کے لئے خادم الحرمین کی طرف سے تقسیم شدہ قرآن جسکی تفسیر مولانا صلاح الدین یوسف نے فرمائی ہے، انکی تحریر پیش ہے: ملاحظہ ہو سورہ احقاف ۲۹ کا ترجمہ اور تفسیر ص ۱۴۲۵ پر: ترجمہ: ''اور یاد کرو جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف متوجہ کیا کہ وہ قرآن سنیں، پس جب (نبی کے) پاس پہونچ گئے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے خاموش ہو جاؤ، پھر جب پڑھ کر ختم ہو گیا تو اپنی قوم کو خبردار کرنے کے لئے واپس لوٹ گئے'' —— تفسیر: صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکہ کے قریب نخلہ وادی میں پیش آیا، جہاں آپؐ صحابہ کرامؓ کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے جنوں کو تجسس تھا کہ آسمان پر ہم پر بہت زیادہ

معتقدات ونظریات سے تنگ آ کر باآلاخر ''حقیقی اسلام'' کی تلاش میں وہ سفر پر نکل پڑے۔ پہلے مصر کا سفر کیا وہاں مختلف علماء سے ملاقات کی۔ مصر میں چند دن قیام کے بعد اسکندریہ کے سفر پر روانہ ہوئے۔ اسی سفر میں انکی ملاقات ایک شیعہ نوجوان سے ہوگئی جسے (شیعہ ہونے کیوجہ سے) ڈاکٹر تیجانی نے شروع میں بڑی حقارت کی نظر سے دیکھا۔ مگر اس نوجوان کی گفتگو اور کردار نے موصوف کو اتنا متاثر کیا کہ اس کے ہمراہ کربلا، نجف اور بغداد وغیرہ کا سفر طے کیا۔ وہاں شیخ عبدالقادر جیلانی کے مزار پر حاضری دی اور مختلف شیعہ علماء سے ملاقات کی نیز مذہب حق کی جستجو میں لگ گئے۔ بالآخر ہر پہلو سے مطمئن ہونے کے بعد شیعہ مذہب اختیار کرلیا۔

''مجھے راستہ مل گیا'' کے علاوہ ڈاکٹر تیجانی نے کئی اور کتابیں لکھیں، جن میں ''اھل الذکر'' اور ''کونوا مع الصادقین'' ناچیز کے مطالعہ میں آچکی ہیں۔ صاحبان تحقیق کیلئے یہ مشعل راہ ثابت ہوں گی۔ زیر بحث کتاب ''مجھے راستہ مل گیا'' انکی پہلی اور تعارفی کتاب ہے...... جس میں شیعہ وسنی فرقوں کے تمام اختلافی پہلوؤں پر بحث نہیں کی گئی ہے۔ اس لئے اس کتاب پر تبصرہ اور جواب تبصرہ بھی کسی محقق کے لئے ناکافی رہیگا۔ اسی لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ ''جواب تبصرہ'' یعنی ''کتاب جستجو'' کے ساتھ ایک قدرے تفصیلی شکل میں شیعہ وسنی عقائد و نظریات پر مبنی ''ضمیۂ کتاب جستجو''، لکھی جائے جس میں حقائق ومسلمات کی روشنی میں شکوک وشبہات پیدا کرنے والے بیشتر مسائل کا حل قرآن مجید اور علمائے اہلسنت کی مستند کتابوں سے تلاش کرلیا جائے جس سے مذہب حق کی جستجو کرنے والوں کے سامنے حق اور باطل کی تصویریں واضح ہوجائیں۔ فمن شاء اتخذالیٰ ربہٖ سبیلا ☆

اس کتاب ''جستجو'' میں قارئین کرام کی آسانی کے لئے تیجانی صاحب

سختی کردی گئی ہے اور اب ہمارا وہاں جانا تقریباً ناممکن بنادیا گیا ہے، کوئی بہت ہی اہم واقعہ رونما ہوا ہے جس کے نتیجہ میں ایسا ہوا ہے۔ چنانچہ مشرق و مغرب کے مختلف اطراف میں جنوں کی ٹولیاں واقعے کا سراغ لگانے کے لئے پھیل گئیں۔ ان ہی میں سے ایک ٹولی نے یہ قرآن سنا اور یہ بات سمجھ لی کہ نبی ﷺ کی بعثت کا یہ واقعہ ہی ہم پر آسمان کی بندش کا سبب ہے۔ اور جنوں کی یہ ٹولی آپ پر ایمان لے آئی اور جا کر اپنی قوم کو بھی بتایا (مسلم کتاب الصلوٰۃ باب الجہر بالقرأۃ فی الصبح والقرأۃ علی الجن۔ صحیح بخاری میں بھی بعض باتوں کا تذکرہ ہے۔ کتاب مناقب الابصار، باب ذکر الجن) بعض دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ اس کے بعد جنوں کے یہاں تشریف لے گئے اور انھیں جا کر اللہ کا پیغام سنایا اور متعدد مرتبہ جنوں کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ (فتح الباری، تفسیر ابن کثیر وغیرہ)''...... اسی سورہ احقاف کی ۳۱ ویں آیت کی تشریح میں مولانا صلاح الدین یوسف تحریر فرماتے ہیں ''جنوں نے اپنی قوم کو نبی کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی...... اس امر میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات میں جنوں میں سے رسول بھیجے یا نہیں؟ ظاہر آیات قرآنیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں کوئی رسول نہیں ہوا، تمام انبیاء ورسل علیہم السلام انسان ہی ہوئے ہیں ـــــ اسی لئے رسول اللہ ﷺ جس طرح انسانوں کے لئے رسول تھے اور ہیں، اسی طرح جنات کے رسول بھی آپؐ ہی ہیں''۔

ـــــ محترم! یہی عقیدہ شیعوں کے یہاں بھی مسلم ہے کہ آنحضرتؐ جس طرح

انسانوں کے لئے رسول تھے اور ہیں اسی طرح جنات کے بھی رسول ہیں۔ بس ہمارے اور آپ کے عقیدہ میں فرق صرف یہ ہے کہ ہمارے علماء کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے جبکہ علماء اہل سنت کے درمیان، قرآن کی متواتر آیات ہونے کے باوجود اختلاف ہے جیسا کہ آپکی تحریر اور مندرجہ بالا تحریر سے ظاہر ہے۔ اب آپ کا دوسرا اعتراض کہ ''یعنی ان کا (مولانا ذیشان کا) پورا زور اس پر تھا کہ جناتوں کے سردار حضرت علیؑ ہیں۔'' معلوم نہیں یہ الفاظ 'جناتوں کے سردار حضرت علیؑ ہیں' آپ کے ہیں یا ذیشان صاحب کے۔ میرے نزدیک حضرت علیؑ کو جناتوں کا سردار کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ جناتوں کا سردار تو انھیں میں سے کوئی ہوگا۔ البتہ شیعوں کے نزدیک جو جنات مومن ہیں حضرت علیؑ اُن کے امام اور مذہبی پیشوا ہیں اور یہ رسولؐ کی اُس متفق علیہ حدیث کے تحت ہے جس میں آپؐ نے فرمایا ''من کنت مولاہُ فھذا علیٌ مولاہُ'' اس حدیث شریف میں رسولؐ اسلام کا بالکل واضح الفاظ میں ارشاد ہے کہ جس کا میں مولا ہوں اسکے علیؑ بھی مولا ہیں۔ آپ کو اختیار ہے کہ اُمت مسلمہ میں رسولؐ کی حیثیت کو پیش نظر رکھ کر آپ مولا کے جو معنی نکالیں —— مالک، آقا، دوست (یا معاذ اللہ غلام)، ہم شیعہ یہاں مولا کے لفظ کو بمعنیٰ خلیفہ فصیح و بلیغ اور جامع و مانع سمجھتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ رسولؐ کی طرح علیؑ بھی مومنین کے نفسوں پر اولیٰ بالتصرف ہیں۔ اس کے لئے علیؑ کا نبی ہونا ضروری نہیں ہے اور نہ ہم شیعہ علیؑ کی نبوت کے قائل ہیں۔ ہم حضرت علیؑ کو صاحبان ایمان کا امام اور پیشوا نبی ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ نائب نبی ہونے کی حیثیت سے مانتے ہیں لہٰذا رسولؐ اسلام کے مذکورہ بالا حدیث کے تحت حضرت علیؑ مومن جنوں کے بھی اُسی طرح مولا ہیں جس طرح جناب رسالتمآبؐ تھے۔ امام شافعی نے بھی حدیث رسولؐ ''من کنت مولاہُ فھذا علیٌ مولاہ'' کے یہی معنی نکالے ہیں وہ فرماتے ہیں:

علی حُبّہ جُنّة قسیم النّار والجنّة
وصی المصطفیٰ حقّاً امام الانس والجنّة

"یعنی علیؑ کی محبت ہی (عذاب آخرت کیلئے) سپر ہے، وہی جنت اور جہنم کے تقسیم کرنے والے ہیں حضرت محمد مصطفیٰ کے وصی برحق علیؑ ہیں اور علیؑ ہی تمام انسان اور جنات کے امام وقائد ہیں۔"

حضرت علیؑ کی یہی وہ حیثیت تھی جس کے تحت آپ نے انسانوں کے ساتھ جنات کے درمیان بھی تبلیغ وہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ خود علماء اہل سنت نے جنات اور حضرت علیؑ کے مابین جنگ کے کئی واقعات درج کیے ہیں جن میں جنوں کی شکست ہوئی اور انھوں نے حضرت علیؑ کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا منجملہ ان واقعات کے تین واقعات پیش ہیں، ملاحظہ ہو:

(۱) ملا عبدالرحمٰن جامی کی کتاب شواہد النبوۃ میں یہ روایت درج ہے جسکے راوی حضرت ابن عباسؓ جیسے عظیم صحابی رسول ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ "جب حضرت رسولخداؐ بروز صلح حدیبیہ مکہ کی طرف چلتے ہوئے جحفہ کے مقام پر ٹھہرے تو کہیں پانی نہیں ملا۔ اور کئی مرتبہ بہت سے اصحاب سقاؤں کو لیکر ایک کوئیں پر گئے مگر بسبب خوف جنات کوئی شخص کنوئیں تک نہ پہونچ سکا۔ وہ کنواں گنجان درختوں میں تھا اور وہاں سے ہولناک آوازیں آئیں اور سر بے تن اور تن بے سر نظر آتے تھے اور آگ کے شعلے دکھائی دیتے تھے۔ جب کوئی صحابی وہاں تک نہ پہونچ سکا تو حضرت رسول خداؐ نے جناب امیرؑ کو روانہ فرمایا۔ جناب امیرؑ آگے آگے ہو لئے اور لوگوں سے کہا پانی کے برتن لئے ہوئے میرے پیچھے چلے آؤ خوف نہ کرو۔ جب ان درختوں میں پہونچے تو وحشت ناک آوازیں آئیں اور مہیب عجیب الخلقت صورتیں نظر آئیں اور ہر چند انھوں نے ڈرایا مگر حضرت علیؑ بے خطر کنوئیں پر پہونچ گئے۔ آپ کے ساتھیوں نے ڈول کنوئیں میں ڈالے مگر جنات نے رسی کاٹ لی۔

حضرت نے فرمایا اور ڈول لشکر سے لے آؤ، مگر کسی کی ہمت جانے کی بھی نہ ہوئی۔ تب حضرت ذوالفقار لے کر کنوئیں میں کود پڑے کچھ عرصہ تک چاہ سے عجیب عجیب آوازیں آتی رہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت نے نعرہ اللہ اکبر بلند کیا۔ پھر چاہ اور درختوں میں خاموشی چھا گئی اور امن ہو گیا۔ پانی اچھی طرح بھر لیا گیا۔ اس معرکہ میں کئی جنات ذوالفقار کے گھاٹ اترے اور بہت سے مسلمان ہو گئے......" احسن الکبار، نوحات القدس اور مناقب صالح کشفی حنفی میں حضرت علی علیہ السلام کی جناتوں اور شیاطین سے جنگ اور مومن جناتوں کو تعلیم دینے کے متعدد واقعات مذکور ہیں۔ (کلمۃ الحق ص ۶۰۶)

(۲) علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب الاصابہ...... جلد ۴ قسم ا ص ۲۳۵ پر حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ "ایک روز ہم آنحضرتؐ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے کہ ہم نے ایک آواز سنی السلام علیک یارسول اللہ مگر کوئی شخص نظر نہیں آیا۔ آنحضرتؐ نے جواب سلام دے کر فرمایا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں عرفطہ بن شمراخ الجنی من بنی نجاح ہوں اور مسلمان ہوں۔ حضرتؐ نے فرمایا مرحبا ہمارے سامنے ظاہر ہو جاؤ، پس وہ جن ظاہر ہوا (روایت میں اس کا تفصیلی حلیہ درج ہے) اس نے عرض کیا یارسول اللہ کسی کو میرے ساتھ روانہ فرمائیں تاکہ وہ میری قوم کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ پھر میں صحیح و سالم ان کو آپ کے پاس واپس لا دونگا۔ حضرت رسولؐ کے ارشاد پر حضرت علیؑ اونٹ پر سوار ہوئے اور سلمان کو ردیف بنالیا۔ اس جن کے ساتھ ایک صحرا میں پہونچے جہاں نہ کوئی زراعت تھی نہ شجر، جنوں کے مجمع میں حضرت علیؑ نے خطبہ ارشاد فرمایا بجز چند کے بہت سوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ پھر حضرت علیؑ نے ایک طویل دعا پڑھی۔ اسکے ساتھ ہی ایک بجلی گری اور بہت سے کافر جنوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ جو بچے انھوں نے اس معجزہ کو دیکھ کر اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ سلمانؓ کو لئے ہوئے واپس

آئے۔"

(۳) ملا عبدالرحمٰن جامی، ایک سُنی بزرگ عالم اپنی کتاب شواہد النبوۃ میں جنگ صفین کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں "صفین کو جاتے وقت آپ کے لشکر کو پانی کی ضرورت ہوئی۔ اور پانی کسی وجہ سے نہ ملا، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ پانی کئی فرسخ دور تھا۔ حضرت امیرؑ ہمراہیوں کو لیکر ایک جانب چلے۔ تھوڑی دور پر ایک دیر نظر آیا، لوگوں نے راہب سے پوچھا، اس نے کہا پانی میرے پاس بھی نہیں، یہاں سے ۳ فرسخ دور ہے۔ حضرت نے روبقبلہ ہوکر مرکب کو چند قدم چلایا۔۔۔۔ اور سواری سے اتر پڑے اور ایک جگہ نشان کر کے وہاں کھودنے کا حکم دیا تھوڑا سا کھودا تھا کہ پتھر کی ایک سل نمودار ہوئی۔ آپ نے اس کو نکالنے کا حکم دیا۔ بہت سے لوگوں نے اس کو نکالنے کی کوشش کی مگر ہلا نہ سکے۔ کوئی اوزار بھی کارگر نہ ہوا، تب آپ نے آستین چڑھا کر اس پتھر کو اکھاڑ کر دور پھینک دیا۔ اس کے نیچے سے آب شیریں کا ایک چشمہ جاری ہوا کہ ایسا پانی کبھی کسی نے نہ پیا تھا۔ جب سب سیراب ہو چکے تو آپ نے اس چشمہ کو پوشیدہ کر دیا۔ یہ حال دیکھ کر راہب فوراً حاضر ہوا اور حضرت سے کہنے لگا کہ تم پیغمبر ہو؟ یا وصی پیغمبر؟ یا فرشتہ؟ کیوں کہ ہماری کتب میں لکھا ہے کہ اس چشمہ کو سوائے پیغمبر، وصی پیغمبر یا فرشتہ کے کوئی نہیں نکال سکتا۔ آپ نے فرمایا "میں وصی ہوں پیغمبر آخر الزمانؐ کا" چنانچہ وہ راہب ایمان لایا۔۔۔۔"

علیؑ وصیٔ رسولؐ: محترم رزاق بھائی! آپ کی یہ دلیل بھی تعجب انگیز ہے کہ "اب تک شیعہ یہ حجت قائم نہ کر سکے کہ رسولؐ کے جانشین صرف حضرت علیؑ ہی ہیں ورنہ آج شیعوں کی تعداد دنیا میں سنیوں سے زیادہ ہوتی" خلافت وامامت اور وصایت حضرت علیؑ پر تفصیلی اور مدلل گفتگو اوپر کے صفحات میں پیش کی جا چکی ہے۔ خود حدیث رسولؐ **من کنت مولاہ** .... سے حضرت علیؑ کی جانشینی ثابت

ہے، جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا ہے۔ رسولؐ اسلام کی اس مفہوم میں کوئی حدیث کسی شخص کے بارے میں نہیں آئی۔ دوسرے حضرات یا تو خود جانشین رسولؐ بن گئے یا اُن کو رسولؐ کے علاوہ کسی اور نے جانشین بنا دیا۔ کسی حقیقت کے ماننے والوں کی تعداد کا کم ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ حقیقت ثابت نہیں ہے۔ جناب نوح جناب ابراہیم جناب موسیٰ علیہم السلام کو ان کے زمانے میں کتنوں نے نبی مانا؟ کیا یہ ذوات مقدسہ اپنی نبوت کو ثابت نہیں کر سکی تھیں؟ آنحضرتؐ نے تیرہ سال مکے میں تبلیغ فرمائی مگر مکے کی اکثریت کافر و مشرک رہی۔ تو کیا سرکار رسالتمآب اپنی نبوت کی حقانیت کو ثابت نہیں کر سکے تھے؟ ہجرت کے بعد اور سن ۸ھ کے پہلے (یعنی فتح مکہ سے قبل) مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ ۶ھ میں رسولؐ کے ساتھ عمرہ میں جانے والے مسلمانوں کی تعداد تقریباً چودہ سو تھی۔ کیا اب بھی رسولؐ کی رسالت غیر مصدقہ تھی؟ آج چودہ سو برس گذرنے کے بعد بھی پوری دنیا میں مسلمانوں کی تعداد دوسری اقوام کی مجموعی تعداد سے کم ہے، تو اب تک رسول اسلامؐ اور دین اسلام کی حقانیت غیر مسلّم ہے؟ کیا آپ غیر مسلمین کا یہ استدلال قبول کرلیں گے کہ ''مسلمان اب تک اپنے رسولؐ اور دین اسلام کی حقانیت کو ثابت نہ کر سکے ورنہ مسلمانوں کی تعداد غیر مسلموں سے زیادہ ہوتی'' ....؟ رزاق صاحب حق حق ہوتا ہے چاہے اس کے ماننے والے کم ہوں یا زیادہ۔

محترم رزاق بھائی: مجھے نہ صرف امید ہے بلکہ یقین ہے کہ اب آپ مندرجہ بالا عقلی و منطقی گفتگو نیز محکم حجت اور دلیل سے مطمئن ہو گئے ہوں گے کہ حضرت علیؑ ہی سچے جانشین رسولؐ ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العٰلمين وصلى الله علىٰ خير خلقهٖ محمد و اٰله الطاهرين ☆اللهم صل على محمد وآل محمد

خطبۂ معجزہ

(بلا الف)

مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام

ترجمہ بقید بلا الف

از

حجۃ الاسلام الحاج جناب مولانا سید ظفر الحسن صاحب قبلہ طاب ثراہ

سابق پرنسپل جوادیہ عربی کالج، بنارس

بسمہ سبحانہٗ

حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کا خطبۂ معجزہ (بلا الف)

ترجمہ بقید بے الف

از: آیۃ اللہ الحاج مولانا سید ظفر الحسن صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہٗ

(عمید جامعہ جوادیہ بنارس)

تاریخ کے ہاتھوں عہد بہ عہد اوراق زمیں پر افراد انسانی کی طرح انکے کارناموں کی فہرست بھی طویل وعریض ہوتی چلی آرہی ہے۔لیکن اس طومار میں حقیقی انسان اور سچے کارنامے بہت کم نظر آتے ہیں،شاید اسی لئے عقلائے زمانہ نے انسانیت کی حد بندی کرتے ہوئے یہ نظریہ قائم کردیا ہے کہ المرء با صغریہ قلبہٖ ولسانہٖ (دل وزبان کی دو مختصر ترین چیزوں کا نام انسان ہے) مگر جب اس نظریہ کے عملی پہلو تلاش کئے جاتے ہیں یا کسی صحیح مصداق کی جستجو کی جاتی ہے تو دنیا کی بڑی بڑی قوتیں ناکام رہ جاتی ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ اس وقت میں تمام عالم کے لئے اس نظریہ کا ایک مکمل عملی انسان پیش کررہا ہوں،خود نہیں تاریخ کے حوالہ سے،من گھڑت نہیں،غیروں کی زبان سے،تاریخ امم شاہد ہے دل وزبان کی قوت وبیان جیسا کہ اسلام کے سچے خدمت گذار محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حقیقی شاگرد ''علیؑ'' میں دیکھے گئے۔دنیا کی بڑی سے بڑی شخصیت میں بھی نہیں پائے گئے۔علیؑ کی شجاعت (جس کا تعلق دل سے ہے) سے تو دنیا واقف ہے لہٰذا سردست اس سے قطع نظر کرتا ہوں،البتہ ان کی فصاحت وبلاغت (جس کا تعلق زبان سے ہے) سے بہت کم لوگ واقف ہوں گے افسوس یہ ہے کہ دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کے بعد جب عام تحریروں کا لطف مٹ جاتا ہے تو پھر علیؑ کے ''معجز نما اسلوب'' کی شان دوسری زبانوں میں کیا باقی رہ سکتی ہے۔اسی لئے ہمت بھی نہیں ہوتی تھی کہ اس موضوع پر قلم اٹھاؤں،لیکن کیا عجب عام حضرات کے لئے یہ

کوئی بالکل نئی چیز ثابت ہو۔

ابن ابی الحدید اپنی کتاب شرح نہج البلاغہ میں ناقل ہیں کہ ایک دن صحابہؓ کرام میں یہ بحث ہو رہی تھی کہ حروف تہجی میں سب سے زیادہ کثیر الاستعمال حرف کون سا ہے؟ طے ہوا کہ کلام میں ''الف'' بغیر کام نہیں چل سکتا۔ یہ سن کر علیؑ ابن طالب کھڑے ہو گئے اور فی البدیہہ ایک ایسا خطبہ ارشاد فرمایا جو مفہوم کے اعتبار سے نہایت پر مغز اور بلیغ لفظوں کے لحاظ سے انتہائی پر اثر، اور فصیح ہے، پھر لطف یہ ہے کہ مقفیٰ ہوتے ہوئے بھی ابتدا سے آخر تک ''آورد'' کی طرح ''الف'' سے بھی خالی ہے۔

اسی خطبہ کے متعلق کمال الدین محمد طلحہ شافعی اپنی کتاب مطالب السؤل میں یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ ''یہ وہ خطبہ ہے جسے حضرت نے علم بیان کی پوری رعایت کے ساتھ بغیر الف کے ارتجالاً پیش فرمایا ہے۔ یہ خطبہ آپ کے مختلف النوع علوم اور طرح طرح کے فضائل کا خزانہ ہے۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ صرف عنایت ربانی تھی جس نے علوم و حکم کے باب صرف آپ کے لئے کھول رکھے تھے۔ یہاں تک کہ اس کے خالص وطیب حصہ کو آپ کے لئے پیش کر دیا اور آپ کے قلب و زبان کے لئے معرفتِ حکمت و فصل خطاب کو مخصوص کر دیا۔''

دو معتبر اور غیر جانبدار شہادت پیش کرنے کے بعد اب میں اصل خطبہ تحریر کرتا ہوں لیکن اسے اُپج کہا جائے یا جدت پسندی کہ باوجود نا اہل ہونے کے میں نے اس امر کی کوشش کی ہے کہ ترجمہ میں بھی کہیں الف نہ آنے پائے۔ اور بقدر فہم صحیح ترجمہ سے عدول بھی نہ ہو۔ اگر چہ سارا ترجمہ آورد سے دست و گریباں ہے، لیکن مجبوری عذر خواہ ہے اور وہ بھی اردو زبان کہ جس کی لفظیں محدود اور اضافی علامتیں کثیر الاستعمال ہیں۔ بہر حال باخبر حضرات: ''**تعرف الاشیاء باضدادھا**'' کو مد نظر رکھیں اور ناواقف لوگ عاجز کے کلام سے مقتدر کے کلام کی

رفعت و بلندی کا اندازہ لگائیں۔ ادھر غور و فکر ہے اور اس طرف ارتجال، یہاں خاطی کا قلم ہے اور وہاں لسان اللہ کا دہن۔

رفع اشتباہ: کسی صاحب کو یہ شبہ نہ ہو کہ اس خطبہ کے ترجمہ میں ''الف'' نہ لانے کا جو التزام کیا گیا ہے تو (معاذ اللہ) اس میں حضرتؑ کا مقابلہ مقصود ہے جیسا کہ بعض کم فہم افراد کا خیال ہم تک پہونچا ہے۔ استغفر اللہ اس طرح کا تصور کوئی ادنیٰ شیعہ علیؑ بھی نہیں کرسکتا، کجا باب شہر علمؑ، اور کجا یہ ظلوم و جہول۔

مترجم جلیل المرتبت کے مختصر حالات

از قلم حقیقت رقم عالیجناب ادیب العصر مولانا ظفر مہدی صاحب قبلہ جونپوری مرحوم

امام جمعہ و جماعت رانچی بہار

ولادت: ۲۱/ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ (ظفر الحسن تاریخی نام ہے) اپنے نانہال خطیب پور ضلع اعظمگڈھ میں رونق افروز کاشانہ عالم ہوئے۔ پانچویں سال میں جناب کے والد مرحوم مولوی سید ضمیر الحسن صاحب اعلی اللہ درجاتہٗ نے خود بسم اللہ کرائی۔ جناب مرحوم کی زیارت احقر نے متعدد بار کی ہے قدیم اخلاق حسنہ اور نیک نفسی کا عملی نمونہ تھے مرحوم کی تربیت و تعلیم نے جو خشت اول رکھی تھی اس کی برکت یہ ہوئی کہ مولانائے موصوف کی ذات علم و عمل کا ایک قصر بلند بن گئی جس سے تمام مومنین عراق و ہند واقف ہیں۔

وطنی تعلیم کے بعد مدرسہ ایمانیہ بنارس میں تشریف لائے جو اپنی تعلیم سے زیادہ اپنی تربیت کے لئے مشہور تھا۔ اور راقم السطور اپنی کم عمری میں اسکے حالات جونپور میں سنا کرتا تھا۔ یہ زمانہ جناب مولانا سید محمد سجاد قبلہ طاب ثراہ (بانی جامعہ جوادیہ بنارس) کا تھا جن کے بارے میں مجھے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ انکے آثار کالشمس فی رابعۃ النہار روشن ہیں۔

کے اقتباس سے پہلے ''ت'' لکھا گیا ہے، جبکہ عبدلرزاق صاحب کی عبارت سے پہلے ''ر'' اور خود ناچیز کی تحریر سے پہلے ''د'' لکھدیا گیا ہے۔ خداوند عالم سے دُعا ہے کہ وہ ہماری رہبری کرے اور صراط مستقیم پر گامزن رہنے کی توفیق عطا کرے آمین!

بسم اللہ وباللہ وصلی اللہ علیٰ رسول اللہ وافوض کتابی الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد اللھم صل علیٰ سیدنا محمد و آلِ محمد وسلم تسلیما، اما بعد:

ت: مجھے آج تک یاد ہے کہ بچپنے میں میرے والد محترم مجھے کس طرح علاقہ کی مسجد کی طرف لے گئے تھے جہاں ماہ رمضان میں تراویح پڑھائی جاتی تھی جبکہ میری عمر صرف دس سال تھی۔ اور مجھے نمازیوں پر مقدم کر دیا گیا تھا...... میں اس مختصر عمر میں نصف قرآن حفظ کر چکا تھا...... جب میں امتحان میں کامیاب ہو گیا اور توقع کے مطابق جماعت کے ساتھ نماز اور تلاوت تمام کر چکا تو مجمع دست بوسی کیلئے مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ سب میرے حافظہ سے خوش اور میرے معلم کے شکر گذار تھے لوگ میرے والد کو مبارکباد دے رہے تھے، اور سب کے سب اللہ کی حمد و ثناء میں مصروف تھے کہ اس نے نعمت اسلام کے ساتھ شیخ کی برکات سے بھی سرفراز فرمایا ہے، میں نے اس دور میں ایسے ایام بھی گذارے ہیں جو میرے حافظہ سے محو نہیں ہو سکتے اس لئے کہ میں مسلسل دیکھ رہا تھا کہ لوگ میرے قدرداں ہیں اور میری شہرت سارے شہر تک پھیل چکی ہے۔

ر: اپنا تبصرہ شروع کرنے سے پہلے بائبل کی ایک بہت ہی معنیٰ خیز مثال یہاں لکھ رہا ہوں: بائبل کہتا ہے کہ ''جو کوئی شخص خود اپنی گواہی دیتا ہے وہ جھوٹا ہے''، یعنی سچے انسان کی گواہی دوسرے لوگوں کو دینا چاہئے۔ یا اس شخص کو بڑے ہی مشہور اور محترم شخص کا حوالہ دینا چاہئے جس کی طرف لوگ آسانی سے رجوع کر سکیں اور اسکی

لکھنؤ کا قیام اور حصول علم وکمال: بنارس کے چند سال قیام کے بعد جناب مولاناؒ لکھنؤ تشریف لے گئے اور اسی زمانہ میں الہ آباد اور لکھنؤ یونیورسٹی کے عربی وفارسی کے کل امتحانات فرسٹ ڈویژن میں پاس کئے اور ۱۹۳۵ء میں سلطان المدارس کا آخری امتحان دیگر نمایاں طور سے کامیابی حاصل کی۔

اس عہد کے افاضل کی خوش نصیبی تھی کہ سلطان المدارس میں جناب قبلہ وکعبہ مولانا سید محمد ہادی صاحب طاب ثراہ، اور جناب مولانا سید عالم حسین صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ درجاتہٗ جناب مولانا سید عبدالحسین صاحب قبلہ نوراللہ مرقدہٗ، جناب قبلہ وکعبہ مولانا سید محمد صاحب ابن جناب باقر العلوم جعل الجنۃ مثواہ اور خطیب ومتکلم لاثانی جامع المعقول والمنقول حضرت فرید الزمن مولانا سید ابن حسن صاحب قبلہ نونہروی مدظلہٗ العالی اساتذہ میں تھے۔ جناب مولانا نے ان سب علماء واجلہ سے حصول علم وکمال کیا۔

درجات اعلیٰ میں جس وقت پہنچے تو اپنے معاصرین کے ہمراہ جماعت **نادی الادباء** قائم کی جس کا مقصد عربی نثر ونظم کی مہارت اور طلبہ میں تشویق علم دین تھا، اس کر سرپرست جناب ناصر الملۃ اعلیٰ اللہ مقامہٗ تھے اور جناب نصیر الملۃ طاب ثراہ، نگراں وہمدرد تھے۔ اس انجمن نے عربی کا رسالہ ماہنامہ الادیب بھی نکالنا شروع کیا تھا۔ جو تھوڑے عرصہ تک جاری رہا۔ اس انجمن اور رسالے کا ذکر ڈاکٹر سید بدرالحسن صاحب نے اپنے مقدمہ "قصائد تجلیات بدر" میں کیا ہے۔

استحکام استعداد اور اعلیٰ کردار: جناب ممدوح اپنے علم وعمل میں زمانہ تعلیم ہی سے افاضل میں معزز اور نامور تھے۔ اور بحمد للہ امتداد زمانہ کے ساتھ اس میں جو اضافہ ہوتا گیا اس کا ذکر اس مختصر تحریر میں ممکن نہیں۔ تمام عقیدتمندان خود واقف ہیں۔ راقم بے بضاعت کو اس موقع پر آپ کے دو ہمعصر علماء کی یاد بے ساختہ آرہی

ہے یعنی جناب مولانا سید محمد حسین صاحب طاب ثراہ اور جناب مولانا سید محسن نواب صاحب قبلہ فازہ اللہ اعلیٰ درجات الفردوس۔

احقر کو سلطان المدارس میں چار سال تک جناب مولانائے ممدوح کی ہم نشینی کی مسرت حاصل رہی ہے لیکن اس کا افسوس ہے کہ راقم الحروف ایسے ماحول میں رہ کر کورے کا کورا ہی رہا۔ سچ ہے۔ باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد چند سال مدرسہ باب العلم مبارکپور میں مدرس اعلیٰ رہے اسی زمانہ میں اس خطبۂ مبارکہ کا ترجمہ بھی کیا تھا جو سرفراز میں شائع ہوا تھا۔

ایک قابل ذکر اور قابل فخر امر: جب یہ ترجمہ شائع ہوا تو استاد علام مولانا سید شبیر حسن صاحب قبلہ مرحوم طاب ثراہ جونپوری (ادیب نامور) نے احقر سے اس ترجمے کی نہایت مسرت کے لہجہ میں تعریف کی۔

مبارک پور کے قیام کے بعد عازم عراق ہوئے اور حصول علم اور برکاتِ عتبات عالیات و اجازہ اجتہاد از آیۃ اللہ السید جواد التبریزیؒ، آیۃ اللہ الاصفہانیؒ و آیۃ اللہ السید جمال الگلپائگانیؒ و آیۃ اللہ ابراہیم الرشتی الغرویؒ و آیۃ اللہ اسد اللہ الزنجانیؒ و آیۃ اللہ السید عبداللہ الشیرازی دام ظلہ، وغیرہم لے کر ہندوستان واپس ہوئے۔ جامع العلوم جوادیہ کالج بنارس میں اس وقت سے آجتک نیابت کے بعد مدرس اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہیں اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ جوادیہ کی بقا اور وجود ترقی اب آپ ہی کی ذات مستودہ صفات سے وابستہ ہے۔ اسی طرح آپ نے اپنے استاد جلیل المرتبت جناب مولانا سید محمد سجاد صاحب قبلہ طیب اللہ رمسہ کی جانکاہ محنت کو بقاء دوام عطا کر دیا۔ اجرھم علی اللہ۔

نام و نمود سے احتراز: ناظرین کرام کو یقیناً میرے بیان سے تعجب ہوگا۔ ، جناب ناصر الملۃ اعلیٰ اللہ مقامہ، کا بے مثل مرثیہ اور تاریخ عربی میں اسی زمانے

میں کہی اور برسہابرس تک مجھے بھی علم نہ ہو سکا مصرعہ تاریخ یہ تھا۔

سَادَ الجِنانَ بِنَشرِہِ العَبقات

ماہنامہ الجواد کا اجراء: ۱۹۵۰ء میں آپ نے ایک ماہنامہ بنام ''الجواد'' جاری کیا اور اس طرح سرپرستی فرمائی کہ ابتدا سے آج تک اس کا معیار بلند سے بلند تر ہوتا گیا۔ اور بحمدہٖ تعالیٰ اب بھی اپنے بلند معیار کے ساتھ جاری ہے اور آپکی سرپرستی میں ملت ومذہب کی خدمت انجام دے رہا ہے۔ فزادت توفیقاتہٗ۔

علمی وادبی حیثیت: حلقہ ادب میں آپ کی علمی وادبی حیثیت مسلم ہے، مزید ثبوت کے لئے خود ترجمہ بے الف پیش ہے جسے بلاشبہ اردو ادب کے باب میں ایک خاص اضافہ کہا جا سکتا ہے۔ فارسی وعربی کے علاوہ اردو نظم ونثر کا ایک ذخیرہ ہے کچھ زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے، کچھ غیر مطبوعہ ہے۔ آپ نے بہائی مسلک کی رد میں ایک کتاب ''انتظار قائم آل محمدؐ'' تین جلدوں میں تحریر فرمائی جو طبع ہو کر مشعل ہدایت بنی ہوئی ہے۔

ظفر مہدی جونپوری

یکم رجب المرجب ۹۲ء

عجز مترجم

باسمہ سبحانہ تعالی

آج سے ۳۵ سال قبل جبکہ حقیر جامعہ سلطانیہ لکھنؤ سے صدر الافاضل کرنے کے بعد مدرسہ باب العلم مبارکپور اعظم گڈھ میں مدرس اعلیٰ کے فرائض انجام دے رہا تھا 'سرفراز' رجب نمبر ۱۳۵۶ھ کے لئے اس ''خطبہ معجزہ'' کا ترجمہ حقیر نے کیا تھا جسے برادرم سید انصار حسین صاحب نے ''مترجم نہج البلاغہ'' کے

پہلے ایڈیشن میں شامل کرلیا تھا، چنانچہ اسی سے نقل کرکے جناب مظفر حسین صاحب
جونپوری دام عزہ نے علیحدہ ایک رسالہ کی شکل میں مجھے دکھایا۔ اب جو میں نے
غائر نظر ڈالی تو اپنے ترجمہ میں خامیاں نظر آئیں چنانچہ اپنی اہم مشغولیتوں کے
باوجود چند خاص مقامات پر کچھ تبدیلیاں کردی ہیں۔ اور آخر میں پھر وہی اعتراف
عجز ہے جسے ۳۵ سال قبل پیش کرچکا ہوں کہ خاطی کلام معصومؑ کا ترجمہ قید مذکور کے
ساتھ صحیح طور پر نہیں کرسکا ہے۔ والعذر عند کرام الناس مقبول

''مترجم''

سید ظفر الحسن الرضوی

۱۳؍رجب المرجب ۱۳۹۲ھ

خطبۂ معجزہ

حَمِدتُ مَنْ عَظُمَتْ مِنَّتُهُ وَسَبَغَتْ نِعْمَتُهُ وَسَبَقَتْ رَحْمَتُهُ
غَضَبَهُ وَنَفَذَتْ مَشِيئَتُهُ وَبَلَغَتْ حُجَّتُهُ وَعَدَلَتْ قَضِيَّتُهُ
حَمِدتُ حَمْدَ مُقِرٍّ بِرُبُوبِيَّتِهِ مُتَخَضِّعٍ لِعُبُودِيَّتِهِ مُتَنَصِّلٍ
مِنْ خَطِيئَتِهِ مُتَفَرِّدٍ بِتَوْحِيدِهِ مُسْتَعِيذٍ مِنْ وَعِيدِهِ مُؤَمِّلٍ
مِنْهُ مَغْفِرَةً تُنْجِيهِ يَوْمَ يُشْغَلُ عَنْ فَصِيلَتِهِ وَبَنِيهِ وَ
نَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَرْشِدُهُ وَنَسْتَهْدِيهِ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ
عَلَيْهِ وَ شَهِدْتُ لَهُ شُهُودَ عَبْدٍ مُخْلِصٍ مُوقِنٍ وَفَرَّدْتُهُ
تَفْرِيدَ مُؤْمِنٍ مُتَيَقِّنٍ وَوَحَّدْتُهُ تَوْحِيدَ عَبْدٍ مُذْعِنٍ لَيْسَ
لَهُ شَرِيكٌ فِي مُلْكِهِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ فِي صُنْعِهِ جَلَّ عَنْ
مُشِيرٍ وَوَزِيرٍ وَعَنْ عَوْنٍ وَمُعِينٍ وَنَصِيرٍ وَنَظِيرٍ عَلِمَ
فَسَتَرَ وَبَطَنَ فَخَبَرَ وَمَلَكَ فَقَهَرَ وَعُصِيَ فَغَفَرَ، وَعُبِدَ

فَشَكَرَ، وَحَكَمَ فَعَدَلَ لَنَّ يَزُولَ وَلَمْ يَزَلْ، لَيْسَ كَمِثْلِهِ
شَىْءٌ وَهُوَ قَبْلَ كُلِّ شَىْءٍ (وَبَعْدَ كُلِّ شَىْءٍ) رَبٌّ مُتَعَزِّزٌ
بِعِزَّتِهِ، مُتَمَكِّنٌ بِقُوَّتِهِ، مُتَقَدِّسٌ بِعُلُوِّهِ ،مُتَكَبِّرٌ بِسُمُوِّهِ،
لَيْسَ يُدْرِكُهُ بَصَرٌ وَلَمْ يُحِطْ بِهِ نَظَرٌ قَوِىٌّ مَنِيعٌ بَصِيرٌ
سَمِيعٌ رَؤُفٌ رَحِيمٌ عَجَزَ عَنْ وَصْفِهِ مَنْ يَصِفُهُ وَضَلَّ عَنْ
نَعْتِهِ مَنْ يَعْرِفُهُ قَرِيبٌ فِى بُعْدِهِ وَبَعِيدٌ فِى قُرْبِهِ يُجِيبُ
دَعْوَةَ مَنْ يَدْعُوهُ وَ يَرْزُقُهُ وَيَحْبُوهُ ذُولُطْفٍ خَفِىٍّ وَبَطْشٍ
قَوِىٍّ وَرَحْمَةٍ مُوسِعَةٍ وَعُقُوبَةٍ مُوجِعَةٍ رَحْمَتُهُ جَنَّةٌ
عَرِيْضَةٌ مُونِقَةٌ وَعُقُوبَتُهُ جَحِيمٌ مَمْدُودَةٌ مُوبِقَةٌ وَ شَهِدْتُ
بِبَعْثِ مُحَمَّدٍ رَسُولِهِ وَعَبْدِهِ وَصَفِيِّهِ وَ نَبِيِّهِ وَنَجِيِّهِ
وَحَبِيبِهِ وَخَلِيلِهِ بَعَثَهُ فِى خَيْرِ عَصْرٍ وَحِينِ فَتْرَةٍ وَكُفْرٍ
رَحْمَةً لِعَبِيدِهِ وَ مِنَّةً لِمَزِيدِهِ خَتَمَ بِهِ نُبُوَّتَهُ وَشَيَّدَبِهِ
حُجَّتَهُ فَوَعَظَ وَنَصَحَ وَبَلَّغَ وَكَدَحَ رَؤُفٌ بِكُلِّ مُؤْمِنٌ
رَحِيمٌ بِكُلِّ مُؤْمِنٍ، رَضِىٌّ وَلِىٌّ زَكِىٌّ عَلَيْهِ رَحْمَةٌ وَتَسْنِيمٌ
وَبَرَكَةٌ وَ تَكْرِيمٌ مِنْ رَبٍّ غَفُورٍ رَحِيمٌ قَرِيبٌ مُجِيبٌ
وَصَّيْتُكُمْ جَمِيعُ مَنْ حَضَرَ بِوَصِيَّةِ رَبِّكُمْ وَذَكَرْتُكُمْ سُنَّةَ
نَبِيِّكُمْ فَعَلَيْكُمْ بِرَهْبَةٍ تَسْكُنُ قُلُوبَكُمْ وَخَشْيَةٍ تَذْرِى
دُمُوعَكُمْ وَ تَقِيَّةٍ تُنْجِيكُمْ قَبْلَ يَوْمٍ يَذْهَبُكُمْ وَ يَبْلِيكُمْ يَوْمَ
يَفُوزُفِيهِ مَنْ ثَقُلَتْ وَزْنُ حَسَنَةٍ وَخَفَّ وَزْنُ سَيِّئَةٍ
وَلْتَكُنْ مَسْئَلَةَ ذُلٍّ وَ خُشُوعٍ وَ شُكْرٍ وَخُضُوعٍ وَتَوْبَةٍ وَ
نُزُوعٍ وَنَدَمٍ وَرُجُوعٍ وَلْيَغْتَنِمْ مِنْكُمْ صِحَّةً قَبْلَ سُقْمِهِ
وَشَبِيبَةً قَبْلَ هَرَمِهِ وَكِبَرِهِ وَفُرْصَتِهِ وَسِعَتِهِ وَفَرْغَتِهِ

قَبلَ شُغلِهِ وَغِنيَّتِهِ قَبلَ فَقرِهِ وَحَضرِهِ قَبلَ سَفرِهِ مِن قَبلِ يَهرَمُ وَيَكبرُ وَيَهرِمُ وَيَسقِمُ وَيَملِّ طَبِيبُهُ وَيَعرِضُ عَنهُ حَبِيبُهُ وَيَنقَطِعُ عُمرُهُ وَيَتَغَيَّرُ لَونُهُ وَيَقِلُّ عَقلُهُ قَبلَ قَولِهِم هُوَ مَرعُوكَ وَجِسمُهُ مَنهُوكَ وَقَبلَ جَسَدِهِ نَزعٍ وَشَدِيدٍ وَحُضُورِكُلِّ قَرِيبٍ وَبَعِيدٍ قَبلَ شُخُوصِ بَصرِهِ وَطَمُوحِ نَظرِهِ وَرُشحِ جَبِينِهِ وَخَطفِ عَرنِيَّتِهِ وَسُكُونِ حَسَنِينِهِ وَحَدِيثِ نَفسِهِ وَبَكيِ عُرسِهِ وَيَتمِ مِنهُ وُلدِهِ وَ تَفَرَّقَهُ عَنهُ عَدوَّهُ وَصَدِيقُهُ وَقَسَمَ جَمعُهُ وَنُهِبَ بَصرُهُ وَسَمعُهُ وَكُفِنَ وَ مُدِّدوَوُجِّهَ فَجرِّدَ وَعُرِيَ وَغُسِّلَ وَنُشِّفَ وَسُجِّيَ وَبُسِّطَ لَدَيَّ وَهِيَ وَنُشِرَ عَلَيهِ كَفَنُهُ وَشُدِّمِنهُ ذَقَنُهُ وَقُمِّصَ وَعُمِّمَ وَوُدِّعَ وَسُلِّمَ وَحُمِلَ فَوقَ سَرِيرٍ وَصُلِّيَ عَلَيهِ بِتَكبِيرٍ بِغَيرِ سُجُودٍ وَتَعفِيرٍ وَنُقِلَ مِن دُورٍ مُزَخرَفَةٍ وَقُصُورٍ مُشَيَّدَةٍ وَ حُجرٍ مُنجَّدَةٍ وَجُعِلَ فِي ضَرِيحِ مَلحُودٍ وَضِيقَ مَرصُودٍ بِلَبِنٍ مَنضُودٍ مُسَقَّفٍ بِجُلمُودٍ وَهِيلَ عَلَيهِ حُفرَهُ وَحُثِيَ عَلَيهِ مَدَرُهُ وَتَحَقَّقَ حَضرُهُ وَ نُسِيَ خَبَرُهُ وَ رَجَعَ عَنهُ وَلِيُّهُ وَصَفِيُّهُ وَنَدِيمُهُ وَنَسِيبُهُ وَحَمِيمُهُ وَتَبَدَّلَ بِهِ قَرِينُهُ وَحَبِيبُهُ فَهُوَ حَشوُ قَبرٍ وَ رَهِينُ قَعرٍ يَسعَىٰ بِجِسمِهِ دُودُ قَبرِهِ وَيَسِيلُ صَدِيدُهُ، مِن مِنخَرِهِ يُسحَقُ بِرُمَّةِ طَمِّهِ وَيَنشَفُ دَمُهُ وَيَرِمُ عَظمُهُ حَتَّى يَومَ حَشرِهِ فَيُنشَرُ مِن قَبرِهِ حِينَ يُنفَخُ فِي صُورٍ وَيُدعَى بِحَشرٍ وَنُشُورٍ فَثَمَّ بُعثِرَت قُبُورٌ وَحُصِلَت سَرِيرَةُ صُدُورٍ وَجِيئَى بِكُلِّ نَبِيٍّ وَصِدِّيقٍ

وشهيدٍ يُؤخذُ للفصل قديرٌ بعبدِهِ خبيرٌ بصيرٌ فكم من زفرةٍ تغنيهِ وحسرةٍ تضنيه موقفٍ مهيلٍ ومشهدٍ جليلٍ بين يدى ملكٍ عظيمٍ وبكلِّ صغيرٍ وكبيرٍ عليمٍ وحينئذٍ يلجمهُ عرقهُ ويحضرهُ قلتهُ عبرتهُ غير مرحومةٍ وصرختهُ غير مسموعةٍ وحجّتهُ غير مقبولةٍ و تبلّغت جريرتهُ ونشرت صحيفتهُ فنظر في سوءِ عملهِ وشهدت عليهِ عينهُ بنظرهِ ويدهُ ببطشهِ ورجلهُ بخطرهِ وفرجهُ بمسّهِ وجلدهُ بلمسهِ فسلسل جيدهُ وغلّت يدهُ.

وسيق يسحب (فسحب) وحدهُ فورد جهنّم بكربٍ وشدّةٍ فظلّ يعذّبُ في جحيمٍ تشوى وجههُ وتسلخ جلدهُ و تضربهُ زبنيّتهُ بمقمعٍ من حديدٍ و يعودُ جلدهُ بعد نضجهِ كجلدٍ جديدٍ يستغيثُ فتعرض عنهُ خزنةُ جهنّم ويستصرخ فيلبثُ حقبةً يندم نعوذُ بربّ قديرٍ من شرّ كلِّ مصيرٍ ونسئلهُ عفو من رضي عنهُ ومغفرة من قبلهُ.وهو وليّ مسئلتي ومنجح طلبتي فمن زحزح عن تعذيب ربّهِ جعل في جنّتهِ بعزّتهِ وخلّد في قصورٍ مشيّدةٍ وملك بحورٍ عينٍ وحفدةٍ وطيف عليهِ بكئوسٍ وسكّن حظيرة قدسٍ وّ تقلّب في نعيمٍ وسقي من تسنيمٍ و شرب من عينٍ سلسبيلٍ وّ مزج لهُ بزنجبيلٍ مختّمٍ بمسكٍ وعبيرٍ مستديمٍ للملكِ مستشعرٍ للسّرورِ يشرب من خمورٍ في روضٍ مغدقٍ ليس يصدع من شربهِ وليس يترف لبّهُ هذهِ منزلةُ من خشي ربّهُ

وَحَذَّرَ نَفسَهُ مَعصِيَّتَهُ وَتِلكَ عُقُوبَةُ مَن جَحَدَ مَشِيَّتَهُ وَسَوَّلَت لَهُ نَفسُهُ مَعصِيَتَهُ فَهُوَ قَولٌ فَصلٌ وَحُكمٌ عَدلٌ وَخَيرُ قَصَصٍ قَصَّ وَوَعظٍ بِهِ نَصَّ تَنزِيلٌ مِن حَكِيمٍ حَمِيدٍ نَزَلَ بِهِ رُوحُ قُدُسٍ مُبِينٍ عَلَى قَلبِ نَبِيٍّ مُهتَدٍ رَشِيدٍ صَلَّت عَلَيهِ رُسُلٌ سَفَرَةٌ مُكرَمُونَ بَرَرَةٌ عُذتُ بِرَبٍّ عَلِيمٍ رَحِيمٍ كَرِيمٍ مِن شَرِّ كُلِّ رَجِيمٍ☆

فَليَتَضَرَّع مُتَضَرِّعُكُم وَليَبتَهِل مُبتَهِلُكُم وَليَستَغفِر كُلُّ مَربُوبٍ مِنكُم لِي وَلَكُم وَ حَسبِي رَبِّي وَحدَهُ☆

ترجمہ خطبہ معجزہ بقید بلا الف

مستحقِ حمد ہے وہ معبود جس کی عظمت خیز منت مکمل نعمت غضب سے بڑھی ہوئی رحمت، ہمہ گیر مشیت، محیط حجت درست فیصلے مجھے دعوت حمد دے رہے ہیں۔

جس طرح کوئی ربوبیت سے متمسک، عبودیت میں مستغرق توحید میں متفرد، لغزشوں سے بری، دھمکیوں سے خوف زدہ محشر کی کسمپرسی میں بخششوں کی طرف متوجہ ہو کر معبود کی تعریف کرے، بعینہ یوں ہی میں بھی مدح گستر ہوں۔

ہم معبود ہی سے رشد و مدد و رہبری کے متمنی ہیں۔ وہی ہستی ہم سب کے لئے مرکز تدین و موجب توکل ہے، عبد مخلص کی طرح ہم وجود معبود کے مقر ہیں۔ مومن متیقن کی طرح متفرد سمجھتے ہیں، مضبوط عقیدہ بندے کی طرح فرد فرید تسلیم کرتے ہیں نہ کوئی ملک میں شریک ہے، نہ صنعت گری میں دستگیر، وہ مشیر و وزیر کے مشوروں سے برتر ہے، نیز مدد و مدد کنندہ، ہم پشت و ہمسر کی ضرورت سے

مستغنی، قدرت ہم سب کی لغزشوں کو خوب سمجھتی ہے مگر مخفی رکھتی ہے، وہ تو تہہ کی چیزوں سے بھی خبر رکھتی ہے۔ وہ حکومت میں سب کو منظّم رکھتی ہے حکم سے سرکشی کے وقت بھی عفو کے قلم کو حرکت دیتی ہے۔ لوگ بندگی کرتے ہیں تو قدرت عوضِ شکریہ پیش کرتی ہے، فیصلہ میں ہمیشہ عدل کو مدنظر رکھتی ہے، وہ ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گی، معبود کی مثل و نظیر نہ کوئی چیز تھی، نہ ہے، نہ ہوگی، وہ ہر شئے سے پہلے ہے نیز ہر شئے کے بعد ہے وہ عزت سے معزز ہے، قوت سے متمکن، بزرگی کی وجہ سے مقدس ہے، برتری کی وجہ سے متکبر، چشم مخلوق نہ معبود حقیقی کو دیکھ سکتی ہے نہ کسی کی نظر محیط ہوسکتی ہے۔ وہ قوی و منیع سمیع و بصیر روف و رحیم ہے۔ وصف کنندہ معبود کی غیر محدود صفتوں کو دیکھ کر سب گنگ ہیں بلکہ معرفت کے مدعی بھی حقیقی تعریف سے گم گشتہ ہیں۔ وہ نزدیک ہوتے ہوئے دور ہے، دور ہوتے ہوئے نزدیک ہے۔ یہ قدرت ہی تو ہے جو ہر دعوت پر لبیک کہتی ہے۔ رزق دیتی ہے بلکہ ضرورت سے بڑھ کر بھی بخشش دیتی ہے۔ وہی تو مخفی مروت قوی شوکت کی مظہر نیز وسیع رحمت، تکلیف دہ عقوبت کی مصدر ہے۔ یہ وہی ہستی تو ہے جسکی رحمت لمبی چوڑی قبول صورت جنت ہے جسکی عقوبت مہلکہ خیز دوزخ ہے۔ میری ہستی بعثت محمدؐ کی مصدق ہے جو رسول عربیؐ عبد حقیقی برگزیدہ نبی، شریف خصلت حبیب و خلیل ہیں۔ وہ حضرت بہترین عہد مگر کفر و بے عملی کے دور میں منصب نبوت پر متمکن ہوئے۔ بندوں پر رحم کرتے ہوئے منت و کرم میں مزید ترقی دیتے ہوئے قدرت نے کل کمی پوری کردی یعنی حضرت محمدؐ پر نبوت ختم کر کے حجت مستحکم کردی۔ حضرت نے بھی لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے میں کوئی کمی نہیں کی بلکہ بھرپور جدوجہد کی وہ حضرتؐ جملہ مومنین کے لئے شفیع، ہمدرد، رحمدل، سخی، پسندیدہ و برگزیدہ ولی

تھے۔رب رحیم، قریب و مجیب و حکیم کی طرف سے محمد عربی پر رحمت و تسلیم نیز برکت و تکریم کی کثرت ہو گروہ موجودہ! میرے ذریعہ سے تم لوگوں کے لئے رب قدیر کی وصیت، نبی کریم کی سنت پیش ہو رہی ہے۔ جس میں تم سبکے لئے نیز میرے لئے نصیحت و موعظت کے دفتر ہیں۔ تم پر فرض ہے کہ تم میں وہ ڈر موجود ہو جس سے خود تمہیں لوگوں کے دل کو سکون میسر ہو۔ وہ خوف مخفی ہو جس کی موجودگی میں چشم نم سے سیل بہہ نکلے۔ وہ تقیہ ہو جو بوسیدگی کے دن سے پہلے کل مہلکوں سے محفوظ کر دے۔ نیز روز محشر سے بے فکر کر دے جبکہ نیکیوں کی وزنی تول سے بدیوں کی تول سبک ہو نیکی وجہ سے بشر کو عیش و عترت کی زندگی نصیب ہو۔ تم لوگوں پر یہ بھی فرض ہے کہ خضوع و خشوع تو بہ و رجوع ذلت و شرمندگی کی صورت سے معبود کی خدمت میں عرض و معروض و تملق کرو۔ نیز تم لوگ موقع کو غنیمت سمجھو مرض سے پہلے صحت کی قدر کرو۔ پیر فرتوت ہونے سے پہلے پیری کی عزت کرو، فقیری سے پہلے دولت کی توقیر کرو۔ مشغولیت سے پہلے وقت فرصت کو مدنظر رکھو۔ سفر سے پیشتر حضر کی قدر کرو مرنے سے پہلے زندگی کی حقیقت کو سمجھ لو، نہ معلوم کتنے ہوں گے جو ضعیف و کمزور و مریض بن چکے ہوں گے جن کی کیفیت یہ ہوگی کہ خود طبیب (نسخہ لکھتے لکھتے) تھکن محسوس کرنے لگیں گے۔ دوست بھی پرہیز کرنے لگیں گے عمر ختم کے قریب ہوگی، عقل و فہم منہ موڑ چکے ہونگے۔ کچھ لوگ یہ کہہ رہے ہوں گے یہ تو جیسے (جوتوں سے) پٹی صورت ہے۔ جسم بھی (پتلی چھڑی کی طرح) مدقوق ہے کہ یک بیک نزع کی کیفیت شروع ہوگی نزدیک و دور کے سب لوگ موجود ہوں گے مریض کے دیدوں کی گردش سلب ہو چکی ہوگی ٹکٹکی بندھی ہوگی جبین عرق ریز، بینی کج، تکلیف دہ چیخ میں سکون بس نفس میں رنج و غم کی کیفیت

بات کی تصدیق کر سکیں۔ میں نے تمام مشہور و معروف عالموں کی فہرست کھوج ڈالی مگر اس میں ڈاکٹر محمد تیجانی السماوی کا نام مجھے نظر نہیں آیا۔ خیر مجھے زیادہ بحث میں نہیں جانا ہے اسلیئے اب اس کتاب اور مصنف کے بارے میں ان کی ہی زبان سے نکلی ہوئی بات پر تبصرہ کرونگا۔

تبصرہ: دیکھئے یہ کیسا عالم ہے اور اس گاؤں کے لوگ کیسے جاہل اور ان پڑھ ہیں کہ ایسے شخص کو عالم مان لیتے ہیں جو خود کہتا ہے کہ اس نے صرف نصف قرآن ہی حفظ کر لیا تھا اور صرف نماز پڑھانا سیکھ لیا تھا۔ اور صرف اتنی سی بات سے لوگ اس کے قدرداں بن گیے۔ ہاتھ چومنے لگے اور اسکی شہرت سارے شہر میں پھیل گئی۔ اگر ایک مسلمان مکمل قرآن بھی حفظ کر لے تو وہ عالم نہیں کہلاتا ہے۔ عالم بننے کے لئے باقاعدہ قرآن و حدیث اور فقہ کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرنی پڑتی ہے اور اس میں کامیاب ہونا پڑتا ہے۔ یعنی کسی دینی کالج سے کامیابی حاصل کر کے سرٹیفیکٹ حاصل کرنا پڑتا ہے، چاہے وہ اہلسنت کا ہو یا شیعہ لوگوں کا۔ جیسے کہ ڈاکٹری یا انجینئرنگ کے لئے ہوتا ہے۔ اس کتاب کے سارے صفحوں میں سے کسی ایک پر بھی اس مصنف نے یہ نہیں لکھا ہے کہ اسکی دینی تعلیم کس کالج میں مکمل ہوئی۔ اور اس نے کن کن مضامین میں کامیابی حاصل کی۔

د: محترم تیجانی صاحب نے "میری حیات کے مختصر اشارے" کے عنوان کے تحت اپنی زندگی میں آنے والے فکری انقلابات کو پیش کیا ہے کہ کسطرح بچپن میں ہی انکی ذکاوت، حفظ قرآن اور مختلف علوم پر دسترسی نے انھیں کافی شہرت اور مقبولیت بخش دی تھی۔ موصوف نے اپنی شہرت کے ذکر کے ساتھ کم مائیگی کا بھی اعتراف کیا ہے کہ "کم سنی میں امامتِ جماعت کی ذمہ داری جو میرے والد اور میرے استاد نے میرے حوالے کی تھی اس نے مجھے یہ شعور مستقل دیا کہ میں اس سطح پر پہونچنے سے قاصر ہوں جس کا لوگ مجھ سے مطالبہ کر رہے ہیں" حصول علم کیلیئے ضروری نہیں

محسوس ہو رہی ہوگی، بیوی رو پیٹ رہی ہوگی، بچے یتیم ہو رہے ہوں گے لحد درست ہو رہی ہوگی عزیزوں میں تفرقہ کی نیو پڑ رہی ہوگی۔ ترکہ کی تقسیم ہوتی ہوگی مگر خود میت چشم و گوش سے بے تعلق ہوگی نوبت یہ پہنچے گی کہ لوگ جسم کے حصے کھینچ کھینچ کر درست کردیں گے پھر بدن سے کپڑے دور کریں گے یوں ہی برہنہ غسل دیں گے پھر دھو پونچھ کر کسی چیز پر رکھ دیں گے۔ بعدہ کفن میں لپیٹیں گے، پہلے میت کی ٹھڈی کی بندش کریں گے پھر قمیص دے کر سر پر پگڑی دیں گے پھر تسلیم کر کے رخصت کریں گے، یعنی کسی تخت پر میت کو رکھ دیں گے، پھر بغیر سجدے کے فریضہ سے تکبیر کہہ کر سب لوگ سبکدوش ہوں گے نیز میت کے لئے مغفرت طلب کریں گے، پھر زیب و زینت دئے ہوئے گھر، مضبوط و مستحکم بنے ہوئے قصر، سربلند و مزین محل سے منتقل کر کے لحد بنی ہوئی قبر پہلے سے درست کئے ہوئے گڈھے کے سپرد کردیں گے جس پر سنگ و خشت کو بہم کر کے (معمولی سی) چھت درست کردیں گے پھر کچھ مٹی کچھ ڈھیلے سے گڑھے کو بھر دیں گے، یہیں پر لوگ (جدید مصیبت کو دیکھ کر) معبود کی خدمت میں حضوری کو یقینی سمجھیں گے، لیکن خود مردے کو سہو محو کردیں گے۔ دوست ہمدم، ہم مشرب، عزیز قریب دفن سے پلٹنے کے بعد دوسرے دوسرے دوست و رفیق ڈھونڈ لیں گے مگر میت غریب بیکسی کے گھر میں گرد ہے بلکہ قبر کے پیٹ میں لقمہ ہے کیفیت یہ ہے کہ لحد کے کیڑے بے حس جسم پر دوڑ رہے ہیں نتھنوں سے رطوبت بہہ رہی ہے کیڑے مکوڑے گوشت و پوست کو چھلنی کر رہے ہیں، خون پی رہے ہیں ہڈیوں کو بوسیدہ کر رہے ہیں، یوم محشر تک یہی صورت رہے گی۔ پھر صور پھونکنے کے وقت حشر و نشر کیلئے طلب ہوں گے۔ یہی تو وہ وقت ہے کہ قبروں کی جستجو ہوگی، سینے کے مخفی خزینے پیش ہونگے

نبیؑ، صدیقؓ، شہیدؑ (یعنی محمدؐ علیؑ حسنینؑ) محشر میں طلب ہوں گے پھر رب قدیر کی طرف سے جو کہ خبیر و بصیر ہے سب کے فیصلے ہونگے ملک عظیم کے پیش نظر جو ہر چھوٹی بڑی چیز سے مطلع ہے۔ محشر کے زبردست پُر ہول موقف میں نہ معلوم کتنے زندگی کش شیون بلند ہونگے نہ معلوم کتنی دبی ہوئی حسرتیں پوری ہوں گی (یعنی ظلم پیشہ گروہ سے مظلوموں کے حقوق ملیں گے) یہی وہ وقت ہے جب کہ گلے گلے پسینہ میں سب غرق ہوں گے جہنم کے شعلے ہر طرف سے گھیرے ہوں گے، چشم حسرت سے مسلسل جھڑی بندھنے کے بعد بھی رحمت کے در مسدود، چیخیں بے سود دلیلیں مردود ہوں گی۔

جُرم حد کو پہونچ چکے ہوں گے، دفتر عمل کھلے رکھے ہوں گے، پیش نظر بُرے عمل ہوں گے، چشم مجرم نظر کی لغزش کی، دست ظلم تعدی کے، قدم غلط روش کے، جلد بدن غیر محرم سے ملنے کے، جسم کے مخفی حصے لمس وتقبیل کے خود بخود مقر ہوں گے۔ ختم حجت کے بعد، طوق در گردن دست بہ زنجیر کھینچتے گھسیٹتے دوزخ کی طرف لے چلیں گے پھر کرب وشدت کی معیت میں جہنم کے سپرد کردیں گے۔ پس طرح طرح کی عقوبتیں شروع ہوں گی، پینے کیلئے خون، پیپ پیش کریں گے، جس کی وجہ سے صورت جھلسی ہوئی معلوم ہوگی، جسم کی جلد گل گل کے گر رہی ہوگی، لوہے کے گرز سے فرشتے پیٹ رہے ہوں گے، جلد بدن جل جل کے گرتی ہوگی دوسری نئی بنتی ہوگی۔

بدنصیب کے رونے پیٹنے کی طرف سے جہنم کے مؤکل فرشتے بھی منھ پھیرے ہوں گے غرض کہ یوں ہی غیر معین مدت تک چیخ نیز شرمندگی کی کیفیت میں بسر ہوگی۔ ہم رب قدیر سے ہر طرح کے فتنہ وشر سے طلب حفظ کرتے ہیں۔ وہ جن

لوگوں سے خوش ہوکر جس مقبولیت کی صف میں جگہ دئے ہوئے ہے ہم بھی کچھ ویسی ہی مغفرت ومقبولیت کے متمنی ہیں کیونکہ وہی ہستی ہم سب کے ہر مقصود ومطلب کی متکفل ہے بے شک جولوگ معبود کی عقوبتوں سے (نیک چلن ہونے کی وجہ سے) بچ گئے وہ عزت معبود ہی کے طفیل سے جنت میں پہونچیں گے۔ سر بلند و مستحکم محلوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹھہریں گے جس جگہ عیش وعشرت کے لئے حوریں ملیں گی، خدمت کیلئے نوکر موجود ہوں گے، شیشہ وخم گردش میں ہوں گے مقدس منزلوں میں مقیم ہوں گے، نعمتوں میں کروٹیں بدلتے ہوں گے، تسنیم وسلسبیل کو مطمئن ہوکر پیتے ہوں گے جس کے سبھی جرعے طرح طرح کی خوشبوؤں میں بسے ہوں گے۔ یہ سب چیزیں ہمیشہ کی ملکیت ہوں گی، جس میں سرور کی حس قوی ہوگی، ہرے بھرے چمن میں مے نوشی ہوگی، مے نوشوں کو نہ درد سر کی تکلیف ہوگی۔ نہ کوئی دوسری زحمت ہوگی۔

مگر یہ منزلت خوف وخشیت سے متصف لوگوں کی ہے جو نفس کی سرکشیوں سے ہر وقت خطرے میں رہتے ہیں (یعنی حرص وہوس کے پھندوں سے بچ کر نکلنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں) بے شک جولوگ حق کے منکر ہوں مذکورہ، حقیقتوں کو بھولے بیٹھے ہوں، معصیت کوشی میں نڈر ہوں، پُر فریب نفس کے دھوکے میں پڑے ہوں، وہ معبود حقیقی کی طرف عقوبت کے مستحق ہیں۔ کیونکہ درست فیصلہ معتدل حکم یہی ہے۔ دیکھو سب سے بہتر قصہ، سب سے کھری نصیحت حکیم مطلق کی تنزیل ہے، جسے جبرئیل پہلے سے رہبر کل حضرت محمدؐ کے قلب محترم کے سپرد کر چکے ہیں۔ مکرم ونیک نفس سفیروں کی طرف سے حضرت پر درود ہو۔ ہم ہر لعین ورجیم دشمن کے شر سے بچنے کے لئے رب علیم، رحیم وکریم سے مدد طلب

کرتے ہیں، تم لوگ بھی تضرع کرو گریہ میں مشغول رہو، نیز تم میں ہر شخص جو نعمت رب سے بہرہ در ہے خود نیز میرے لئے طلب مغفرت کرے، بس میرے لئے رب قدیر کی ہستی بہت ہے۔

قارئین کرام کی خدمت میں التماس

ا۔ ابی العلام، پدر بزرگوار، آیۃ اللہ مولانا سید ظفر الحسن طاب ثراہ کی روح پُر فتوح کے ایصال ثواب وبلندیٔ درجات کیلئے سورہ فاتحہ پڑھ کر بخش دیں۔

۲۔ غیر معصوم خاطی کے قلم سے اگر کوئی عبارت یا حوالہ غلط تحریر ہو گیا ہو تو براہ کرم مطلع فرمائیں تاکہ درست کیا جاسکے۔

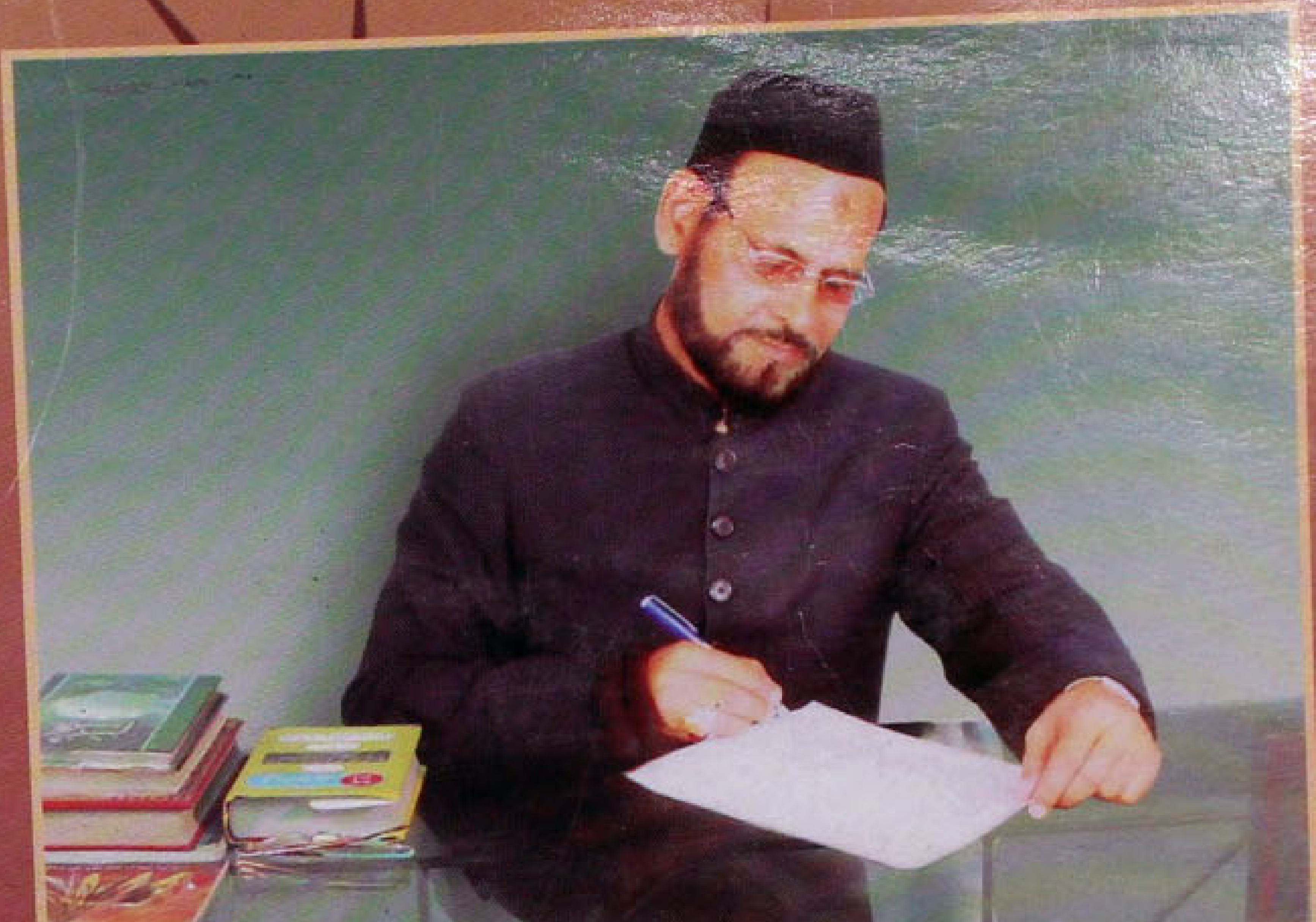
۳۔ برادران اہلسنت، متعلمین اہل سنت وعلماء اہلسنت سے بصد مؤدبانہ التماس ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ صرف وہ حضرات کریں جو دل میں خوف خدا رکھتے ہوں، جن میں حق کو حق اور باطل کو باطل تسلیم کرنے کی جرأت ہو اور جنھیں احساس شکست کے بجائے آخرت بخیر ہونے کی فکر ہو۔

۴۔ اسکے بعد "ضمیمۂ جستجو" ضرور پڑھئے۔

****

رب زدنی علما

جستجوئے حق



انجینئر مولانا الحاج سید درالحسن الرضوی
سابق ڈپٹی ڈائرکٹر (یوپی ایس ای بی)

ہے کہ اسکول، کالج یا مدرسہ میں داخلہ لیا جائے۔اور نہ صاحب علم ہونے کیلئے اسکول یا کالج سے سرٹیفیکٹ حاصل کرنا ضروری ہے، بلکہ مہد سے لحد تک کسی بھی شکل میں علم حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ماں باپ اگر پڑھے لکھے ہیں تو وہی بہترین معلم ہوسکتے ہیں۔اپنے ذاتی حالات قلمبند کرنے کو ''جھوٹی گواہی'' نہیں کہتے۔کتاب مقدس بائبل جو منسوخ کتابوں کا مجموعہ ہے، اگر اسکا یہ مقولہ درست ہے کہ ''جو کوئی شخص خود اپنی گواہی دیتا ہے وہ جھوٹا ہے'' تو امام اسمٰعیل بخاری کی سچائی بھی خطرہ میں پڑ جائیگی اسلئے کہ وہ اپنی کتاب صحیح بخاری کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں ''میں نے چھ لاکھ حدیثوں سے انتخاب کر کے اپنی کتاب کو مرتب کیا اور ہر حدیث کے لکھتے وقت میں پہلے غسل کر کے دو رکعت نماز استخارہ پڑھ لیا کرتا تھا۔'' تعارفاً خودستائی تو انبیاء علیہم السلام کی بھی سنت ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی گواہی خود دیتے ہوئے فرماتے ہیں ''انی عبد اللہ آتنی الکتاب و جعلنی نبیا میں اللہ کا بندہ ہوں، کتاب لیکر آیا ہوں اور اللہ نے مجھے نبی بنایا ہے۔'' ہاں یہ ضرور ہے کہ خود نوشت لکھنے میں دیانتداری سے کام لینا چاہئے۔ ساتھ ہی ہمارے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ کسی مرد مسلم کے لئے بغیر کسی سند کے بدگمانی قائم نہ کریں۔اسلئے کہ ان بعض الظن اثم ''بے شک بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔(حجرات)۔'' ڈاکٹر تیجانی کے علم کی سند خود انکی کتابیں ہیں جو مختلف ملکوں اور زبانوں میں شائع ہوچکی ہیں۔تحصیل علم کی تفصیل نہ لکھنے سے حصول علم کی نفی نہیں ہوتی۔آگے آئیگا کہ استاد سے نہج البلاغہ پڑھی ہے۔

طریقہ تیجانیہ

ت: قابل ذکر بات یہ ہے کہ طریقہ تیجانیہ مغرب، جزائر، تیونس، لیبیا، سوڈان اور مصر میں بکثرت منتشر ہوا۔

ر: کیا طریقہ تیجانیہ کا ذکر ہمارے رسولؐ نے یا ہمارے خلفا نے کہیں بھی کیا ہے

کہ وہ قابل اعتبار فرقہ ہوگا؟

د: محترم! آپ کا سوال بجا ہے۔ یہ فرقہ نہ تو رسولؐ کے دور میں تھا اور نہ خلفائے راشدین کے زمانے میں، اسلئے یہ فرقہ غیر معتبر ہے۔ لیکن چونکہ یہ فرقہ بھی لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ کا کلمہ پڑھنے والا ہے اسلئے اسے دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرسکتے محترم اب آپ اپنے اسی سوال کا رُخ حنفی، حنبلی، شافعی اور مالکی طریقوں کی طرف موڑئے۔ کیا ہمارے رسولؐ نے اور خلفا نے ان طریقوں کے بارے میں کہیں ذکر کیا ہے کہ یہ قابل اعتبار فرقے ہوں گے؟ آپ کو شاید کوئی جھوٹی روایت بھی ان فرقوں کی تائید اور تصدیق میں نہیں ملیگی۔ اب اسی سوال کو ذرا اور آگے بڑھایئے کہ ''کیا اہلسنت والجماعت کا ذکر ہمارے رسولؐ نے یا خلفاء اربعہ (حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علیؑ) نے کہیں بھی کیا ہے کہ وہ قابل اعتبار ہوگا؟

اس سوال کا جواب بھی آپ کو ''نہیں'' کی شکل میں ملیگا، اسلئے کہ اہل السنّت والجماعتہ کی بنیاد آنحضرتؐ کی وفات کے ۲۸ سال بعد (۴۱ ھ) میں حضرت معاویہ نے رکھی تھی۔ مشہور عالم اہلسنت علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء حال معاویہ صفحہ ۱۲۳ پر تحریر فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے ۴۱ ھ میں حضرت امام حسنؑ سے صلح کے بعد اس سال کا نام ''عام الجماعتہ رکھا گیا۔ اور ملا علی قاری شرح فقہ اکبر طبع مصر ۶۴ پر لکھتے ہیں ''ابوالحسن اشعری کے ترتیب دئے ہوئے اصول وفروع پر علماء چلتے رہے۔ یہاں تک کہ اس مذہب کا نام ''اہل السنتہ والجماعت'' پڑ گیا۔'' تنزیہہ الانساب حصہ دوم ص ۹۰ پر تحریر ہے ''اہل سنت والجماعت'' کی تجویز معاویہ نے کی اور تدوین خلفاء مروانیہ نے اور تکمیل زمانۂ عباسیہ میں ہوئی۔'' ڈاکٹر محمد ابو بکر خاں ملیح آبادی اپنی کتاب ''اسلام اور بنی امیہ'' کے صفحہ ۳۸ پر تحریر فرماتے ہیں'' .... ان تمام واقعات وحالات کی موجودگی میں معاویہ نے اپنے قہرو

جبروت کے سہارے جشن حکومت منایا، جس کا نام ''یوم اجماع امت'' رکھا جو رفتہ رفتہ آگے چل کر اموی فقہ اور اموی اسلامی تصورات پر عمل کرنے والوں کے لئے مخصوص ہوگیا۔ چونکہ معاویہ اور عمر عاص کی سنت پر عمل ہونے لگا تھا اسلئے جماعت مذکور ''اہل سنت والجماعت'' کے نام سے مشہور ہوگئی۔''...... بہرحال یہ طے ہے کہ مذہب اہل سنت والجماعت کا وجود دور رسالتمآبؐ میں نہیں تھا۔ اور نہ کبھی خلفاء اربعہ کی زبان پر اہل سنت والجماعت کا نام آیا۔ اب فطری طور پر برادرانِ اہل سنت کے ذہن میں یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ ''کیا شیعہ فرقہ کے بارے میں رسول اکرم اور خلفاء نے کہیں ذکر کیا ہے؟'' اس سلسلہ میں قرآن، حدیث پیغمبر اسلامؐ اور تاریخ سبھی گواہ ہیں کہ دین اسلام کا مستند فرقہ شیعہ ہے جو دور سرکار دو عالمؐ سے پہلے انبیاء ماسبق کے زمانے میں بھی اسی نام سے موسوم تھا۔ سورہ قصص (آیت ۱۵) میں حضرت موسیٰ کے ماننے والے کے لئے آیا ہے ''ھذا من شیعتہ: اور جناب ابراہیم کے لئے قرآن میں تحریر ہے کہ وہ جناب نوحؑ کے شیعہ تھے وان من شیعتہ لابراھیمؑ (صافات ۸۳) علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر درمنشور جلد ۶ ص ۳۷۹ طبع مصر میں تحریر فرماتے ہیں عن جابر بن عبداللہ انصاری قال کنا عند النبی فاقبل علی فقال النبی والذی نفسی بیدہ ان ھذا و شیعتہ لھم الفائزون یوم القیامۃ (جابر بن عبداللہ انصاری سے منقول ہے کہ ہم نبی کریمؐ کے پاس موجود تھے کہ ناگاہ حضرت علیؑ تشریف لائے تو سرکار دو عالمؐ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں جان ہے بے شک علیؑ اور ان کے شیعہ بروز قیامت کامیاب ہیں)

ن: ان کا (تیجانیہ کا) اعتقاد یہ ہے کہ تمام اولیا نے تسلسل کے ساتھ ایک دوسرے سے علم حاصل کیا ہے، لیکن شیخ احمد تیجانی نے براہ راست اپنا علم رسول اللہ سے لیا ہے حالانکہ وہ زمانۂ رسالت سے تیرہ صدی پیچھے تھے اور ان لوگوں کی روایت یہ

ہے کہ شیخ احمد تیجانی خود بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ان کے پاس حالت بیداری میں تشریف لاتے تھے، نہ کہ خواب میں۔

ر: شیخ احمد تیجانی نے بقول اس مصنف کے اپنا علم براہ راست رسول سے حاصل کیا تھا اور رسول اللہؐ بحالت بیداری انکے پاس تشریف لاتے تھے۔ یہاں پر تین باتیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں، ایک تو یہ کہ تمام خلفاء جن میں حضرت علیؑ بھی شامل ہیں کہیں بھی اور کبھی بھی اس بات کا دعویٰ نہیں کیا کہ ان کے پاس رسولؐ بحالت بیداری تشریف لائے۔ کیا اس شخص کا عہدہ اور مرتبہ ان سے بلند ہے۔ دوسری بات وہ واقعہ جو رسولؐ کے زمانے میں پیش آیا تھا جب مسیلمہؑ کذاب نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا تھا کہ اس کے پاس اللہ سے براہ راست وحی نازل ہوتی ہے۔ کیا لوگوں نے اس کو سچا جانا ہے؟ تیسری بات تو وہی بائبل کی مصداق کہ خود گواہی تو صرف ایک جھوٹا ہی دے سکتا ہے۔

د: ڈاکٹر تیجانی نے یہ اپنا قول نہیں پیش کیا ہے بلکہ تیجانی عوام کا اعتقاد تحریر فرمایا ہے۔ بہرحال آپ کی یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ شیخ احمد تیجانی کا دعویٰ صحیح نہیں ہے کہ انکی روحانیت اس بلندی کو پہونچ گئی تھی کہ حضور بحالت بیداری آکر انھیں تعلیم دیتے تھے۔ یقیناً یہ دعویٰ غلط اور ناقابل یقین ہے۔ جہاں تک کہ مسیلمہ کذاب کی بات ہے، تو وہ اسکے لقب سے عیاں ہے۔ اس نے بنوت اور نزول وحی کا جھوٹا دعویٰ کیا، حقیقت کھل گئی اور دنیا اُسے کذاب (بہت زیادہ جھوٹ بولنے والا) کہنے لگی۔ رہی تیسری بات کہ "اپنی بات بیان کرنے والا ہمیشہ جھوٹا ہوتا ہے" اس سے کوئی بھی صاحب فکر ونظر اتفاق نہیں کریگا۔ ورنہ جتنے خودنوشت اور سرگزشت لکھنے والے ہیں سبھی جھوٹے قرار پائینگے۔ سچا بہرحال سچا ہے چاہے وہ اپنے حالات لکھے یا دوسروں کی سوانح قلمبند کرے اور اسی طرح جھوٹا بہرحال جھوٹا ہے چاہے خودنوشت لکھے یا کسی دوسرے کی سیرت وسوانح، خود اپنی گواہی دے یا

کسی دوسرے کی۔

ت: اس طریقہ (تیجانیہ) کو گلے لگانے والے کسی نہ کسی مقدار میں متعصب بھی ہوتے ہیں اور اسی لئے مقامات اولیا کی زیارت نہیں کرتے ہیں۔

ر: مصنف کہتا ہے کہ طریقہ تیجانی کے لوگ بڑے متعصب ہوتے ہیں اور مقامات اولیا کی زیارت نہیں کرتے ہیں۔ اس کتاب میں آگے چل کر خود کہتا ہے کہ لوگ اس کی بڑی قدر کرتے تھے۔ اس کا اور اس کے والدین کا خاص کر والدہ کا عقیدہ شیخ صاحب پر بہت تھا، اسی لئے اس مصنف کا نام بھی اسی کے کہنے سے پڑا تھا۔ خیر یہ مصنف خود بھی تیجانی طریقہ کا گرویدہ (شروع میں) تھا۔ تو پھر یہ کس لئے عبدالقادر جیلانی رحمۃ کی قبر کی زیارت کیلئے تڑپ رہا تھا اور وہاں کا سفر بھی کیا۔

د: محترم! کہنے کو تو ہم جتنا چاہیں غیر متعصب اور لبرل بنیں لیکن سچائی یہی ہے کہ مذہب اور مسلک کے مسئلہ میں ''کسی نہ کسی مقدار میں سبھی متعصب ہوتے ہیں'' پھر بھی شیعہ حضرات نے ہمیشہ شیعہ سنی اتحاد'' پر زور دیا، ایران میں اسی سلسلہ میں ہر سال ''ہفتۂ وحدت'' منایا جاتا ہے اور دوسرے ممالک میں بھی ایران ایمبیسی کی طرف سے ہفتہ وحدت کی تقریبات منعقد ہوتی ہیں۔ اسکے باوجود شیعہ حضرات ان لوگوں سے ہمیشہ اظہار برائت کرتے ہیں جنھوں نے محمد اور آلِ محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف پہونچائی یا آج بھی اپنے قلم و زبان سے پہونچاتے رہتے ہیں۔ تیجانیہ کے تعصب کا دفاع کرنے کا حق مجھے نہیں ہے لیکن اس سلسلہ میں اتنا ضرور عرض کرنا ہے کہ ''مقامات اولیا'' سے مراد جو ڈاکٹر تیجانی نے لیا ہے وہ عام مقامات اولیا ہیں نہ کہ بزرگان خاص کے مزار۔ بڑے پیر شیخ عبدالقادر جیلانی کا درجہ تو برادران اہلسنت کی نظر میں بہت بلند ہے۔ اسی لئے شیعیت قبول کرنے سے پہلے ڈاکٹر تیجانی بھی انکی قبر کی زیارت کے لئے تڑپ رہے تھے۔ اور یہ تڑپ اور محبت تو آپ کے بھی دلمیں پیوست ہے، جبکہ صوفی مسلک سے آپ بے تعلق

ہیں اور بقول آپ کے ''آپکی قبولیت صرف قرآن ہے اور ٹیچر اللہ اور رسول ہیں''
پیر صاحب کے نام پر ''رحمۃ'' لکھنا ثابت کرتا ہے کہ آپ کے دلمیں بھی ان کے
لئے ایک تڑپ موجود ہے۔

کمسنی میں حج بیت اللہ:

ت: میری عمر اٹھارہ سال کی تھی جب تیونس کی قومی جمہوریت نے اس بات پر اتفاق کیا کہ مجھے مکہ مکرمہ میں منعقد ہونے والے اسلامی اور عربی اجتماع میں شرکت کی دعوت دی جائے جس میں پورے تیونس سے صرف چھ افراد کا انتخاب کیا گیا تھا اور میں سب میں سن وسال کے اعتبار سے چھوٹا اور علم وثقافت کے اعتبار سے کمتر تھا۔ اس لئے کہ ان میں دو مدرسوں کے مدیر تھے تیسرا دار الحکومت میں استاد تھا، چوتھا رشتہ صحافت سے وابستہ تھا، اور پانچویں کے عہدہ سے میں باخبر نہیں تھا۔

ر: دنیا میں کئی دینی اور اسلامی حکومتیں ہیں، یہاں پر دینی یونیورسٹیاں ہیں جہاں سے کئی ہزار عالم ہر سال نکلتے ہیں۔ اس شخص (تیجانی) نے کس یونیورسٹی سے عالم کی ڈگری لی ہے؟ ابتک تو یہ اس بارے میں کچھ نہیں کہ رہا ہے۔ خاموش کیوں ہیں؟ کیا تیونس حکومت کے پاس سند یافتہ عالم ایک بھی نہیں ہے؟

د: برادر محترم! ڈگری یا سند کا نام علم نہیں ہے۔ امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام حنبلؒ وغیرہ کے پاس بھی کوئی ڈگری یا سند نہیں تھی بلکہ انھوں نے اپنے اپنے زمانے کے علماء کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا تھا۔ اور اپنی ذاتی صلاحیت اور محنت سے علم حاصل کر کے اپنے اساتذہ سے زیادہ شہرت حاصل کرلی۔ عین ممکن ہے کہ ڈاکٹر تیجانی کے علم اور ذہنی صلاحیت کی شہرت حکومت کے ذمہ دار افراد تک پہونچی ہو اور انھوں نے ان کا انتخاب حج کے لئے کرلیا ہو۔ بہر حال کچھ نہ کچھ تو تھا ہی جو حکومت کی نظر انتخاب اس کمسن پر پڑی۔

ت: حدود بیت اللہ میں داخل ہوتے ہوئے جو میرے احساسات تھے اس کا تصور نہیں ہوسکتا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل اپنی دھڑکنوں کے سبب پسلیوں کو توڑ کر باہر نکلنا چاہتا ہے تا کہ براہ راست اس گھر کا مشاہدہ کر سکے جس کے خواب دیکھتا رہتا تھا۔ آنسوؤں کا ایک سیلاب جاری ہو گیا جو بظاہر تھمنے والا نہیں تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مجھے ملائکہ تمام حاجیوں کے سروں سے بالاتر اٹھا کر سطح کعبہ تک لے جانا چاہتے ہیں جہاں میں جا کر طلبیہ پڑھونگا، لبیک اللھم لبیک........ میں وہاں (غار حرا میں) پہونچ کر خاک پر لوٹنے لگا، گویا مجھے سرکار دو عالم کی آغوش مرحمت مل گئی ہے اور میں ان کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ کتنے حسین تھے وہ مناظر اور وہ یادیں جو میرے دل میں ایک ایسا گہرا اثر چھوڑ گئیں جو کبھی محو ہونے والا نہیں ہے۔

ر: یہ ڈرامہ خیز منظر تو صرف ایک ڈرامہ نویس یا ایک صحافی ہی لکھ سکتا ہے، اپنی کتاب کی فروخت کیلئے۔ اس شخص نے اسی انداز کی نقل کی ہے جو ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں اختیار کیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ابن بطوطہ۔ نے یہ سفر نامہ دنیا کو سامنے رکھ کر لکھا ہے اور اس مصنف نے دین کو سامنے رکھ کر۔ یا یہ کہوں کہ دھوکہ دہی کے لئے کیا ہے۔ آگے آپ دیکھیں گے کہ وہ اتنے کچھ ہیں اپنے علم اور عقیدت میں کہ ذرا ذرا سی بات پر خیال بدل کر نیا عقیدہ بناتے رہتے ہیں۔

د: محترم! ادبی چاشنی کے ساتھ کسی حقیقت کو پیش کرنا ڈرامہ نویسی یا دھوکہ دہی نہیں ہے ڈاکٹر تیجانی نے یقیناً دین کو سامنے رکھ کر حج کے مناظر پیش کئے ہیں۔ غار حرا کو آغوش رسالت سمجھ کر خاک پر لوٹنا دل کی تڑپ کو ظاہر کرتا ہے۔ مگر ایسے مواقع پر زائرین اور حاجیوں کو کوڑے مارنا "یزیدیت" کی علامت ہے۔ جن سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے حاجیوں نیز زائرین کو سعودی حکومت کے عمال کے ہاتھوں دو چار ہونا پڑتا ہے۔ جہاں تک ڈاکٹر تیجانی کے بار بار نیا عقیدہ اپنانے کی بات

ہے، تو میرے عزیز! یہ انسانی فطرت کا تقاضہ ہے جب تک صحیح منزل نہیں مل جاتی، حق کا متلاشی بھٹکتا رہتا ہے۔ کبھی اس راستہ کو صحیح سمجھتا ہے اور کبھی اس راستہ کو، مگر جب نشاندہی کے مطابق اپنے تمام اسناد کے ساتھ صحیح راستہ مل جاتا ہے اور "صراط مستقیم" کا یقین ہو جاتا ہے تو اب مطمئن ہو کر اس راستہ پر گامزن ہوتا ہے اور منزل کو حاصل کر لیتا ہے۔ پھر اس کی دُعا ساری زندگی یہی رہتی ہے اھدنا الصراط المستقیم (اے مالک! ہمیں سیدھے راستہ پر باقی رکھ)...... مگر وہ لوگ جنھیں ابھی صراط مستقیم" دستیاب نہیں ہوا ہے، وہ اس مفہوم کے ساتھ دعا مانگتے ہیں کہ "اے مالک! ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت کر" یہی دُعا کرتے ہوئے غیر یقینی حالات میں وہ دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ کیوں؟...... صرف اس لئے کہ کبھی انھوں نے خلوص نیت کے ساتھ، اللہ کی دی ہوئی عقل سے کام لیکر حق کی (یعنی صراط مستقیم کی) جستجو نہیں کی۔

تیجانی منزل کشمکش میں

ت: سعودیہ میں ہمارا قیام بیس دن رہا جہاں ہم نے علماء سے ملاقات کی، ان کے بیانات میں شرکت کی اور ذاتی طور پر وہابیوں کے بعض عقائد سے بہت متاثر ہوا اور میری یہ آرزو ہوگئی کہ کاش سارے مسلمان اسی راستہ پر چلیں اور میرا یہ خیال تھا کہ اللہ ہی نے ان لوگوں کو اپنے گھر کی حفاظت کے لئے منتخب کیا ہے لہٰذا روئے زمین کی تمام مخلوقات سے زیادہ صاحب علم اور زیادہ پاکیزہ نفس ہیں۔

ر: چلئے اب تیجانی سے وہابی پسند بن گئے!

د: تیجانی سے وہابی پسند بننا، وہابیت سے صوفی پسند بن جانا قادری اور جیلانی اثر قبول کر لینا یہ سب حالات اور معلومات کے تحت ایک فطری عمل تھا۔ چونکہ ڈاکٹر تیجانی، تیجانیہ مسلک سے مطمئن نہیں تھے اسلئے حج کے دوران وہابیوں سے متاثر ہو گئے۔ وہابیت میں جب خامیاں نظر آئیں اور شیخ عبدالقادر جیلانی کے مزار پر

پہونچکر بڑے پیر کے کرامات کچھ پڑھے اور کچھ سنے تو ان سے عقیدت جاگ اٹھی، تو پھر صوفی مسلک کیطرف پلٹے۔ غرض اس نوجوان کو کوئی یقینی منزل نہیں مل پارہی تھی اسی درمیان شیعیت کو قریب سے دیکھنے، سمجھنے اور پڑھنے کا موقع مل گیا۔ اسلام کی حقیقی اور نورانی تصویر نظر آنے لگی۔ شیعہ علماء سے ملاقات اور شیعہ کتب کے مطالعہ نے آنکھیں کھول دیں کہ جس مذہب کے بارے میں سب سے زیادہ بے دینی کی باتیں سنی تھیں، وہی مذہب سب سے زیادہ قرآن اور سیرت رسولؐ سے قریب ہے۔ اسی لئے ڈاکٹر تیجانی کی دلچسپی شیعی مطالعہ کی طرف بڑھی اور بالآخر انھوں نے بعد از تحقیق بسیار، یقین و اطمینان حاصل کر کے مذہب اہلبیتؑ رسول قبول کرلیا۔

ت: چنانچہ میں (حج کر کے) اپنے وطن واپس آیا تو سعودیہ کا مخصوص لباس پہن کر آیا اور اس استقبال کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا جس کا اہتمام میرے والد نے کیا تھا کہ مختلف جماعتیں اسٹیشن پر حاضر تھیں اور ان کے آگے آگے مختلف صوفی مسلک عیساویہ، تیجانیہ، قادریہ کے شیوخ بھی موجود تھے جن کے ساتھ لوگ طبل اور دف وغیرہ بجائے جارہے تھے۔ لوگوں نے شہر کی مختلف سڑکوں پر تکبیر و تہلیل کے ساتھ مجھے گشت کرایا۔ اور ہم جب کسی مسجد کے قریب سے گذرتے تھے تو اسکے آستانے پر تھوڑی دیر کے لئے رو کے جاتے تھے اور لوگ ہماری دست بوسی کے لئے ٹوٹ پڑتے تھے۔ خصوصاً بوڑھے بوڑھے بزرگ جو مجھے بوسہ بھی دیتے تھے اور زیارت بیت اللہ وزیارت قبر رسولؐ کے شوق میں گریہ بھی کر رہے تھے۔

ر: کیا یہ پہلا شخص تھا اس شہر میں جو حج کر کے لوٹا تھا؟ یا اس کا اپنا ڈرامائی لکھنے کا انداز ہے ہمارے یہاں کئی عالم اور پڑھے لکھے لوگ حج کر کے لوٹتے ہیں۔ مگر ہم نے تو کبھی ایسا منظر نہیں دیکھا۔

ڈ: حاجیوں کی واپسی پر اس طرح گرم جوشی سے استقبالیہ دینے کا تعلق دلی

جذبات سے ہے ہمارے یہاں ہندوستان میں بھی حاجیوں کا خیر مقدم بڑے تزک واحتشام سے ہوتا ہے۔حجاج کرام کوخوش آمدید کہنے کے لئے ایر پورٹ و ریلوے اسٹیشن پر بھیڑ ہوتی ہے۔ ہر ہاتھ میں ہار ہوتا ہے جو حاجیوں کے گلے میں پہنایا جاتا ہے۔نعرۂ تکبیر ونعرۂ درود سے اسٹیشن گونج اٹھتا ہے۔ڈاکٹر تیجانی چونکہ اس وقت ایک کم سن حاجی تھے نیز مسلک تیجانیہ کے ہونہار چشم وچراغ تھے اسلئے ان کے لئے کچھ زیادہ ہی اہتمام ہوا ہوگا۔

ت: میرے والد نے تیجانی بارگاہ میں تین رات مسلسل اس شان سے حاضری دی کہ روزانہ ولیمہ کے لئے ایک دنبہ ذبح ہوتا تھا اور لوگ مجھ سے ہر چھوٹی بڑی بات کے بارے میں سوال کرتے تھے۔.........شہر والوں نے مجھے حاجی کا لقب دیدیا تھا اور اس لفظ سے میرے علاوہ کسی اور کا تصور نہیں ہوتا تھا۔اسلئے میری شہرت اور بڑھ گئی۔

ر: چلئے پہلے تو صرف آدھے قرآن کے حفظ سے ہی عزت دار ہوگیا۔اب جو کسر باقی تھی وہ حج سے پوری ہوگئی۔یعنی اور زیادہ شہرت یافتہ ہوگیا۔

د: محترم! اگر کوئی بچہ چند چھوٹی چھوٹی سورہ یاد کر لیتا ہے تو اسے محلّہ پڑوس والے عزت کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔نصف قرآن حفظ کرنے والا بچہ تو عزت دار ہوگا ہی۔پھر اسکے بعد حج کا شرف حاصل ہو جائے! یقیناً سونے پر سہاگہ ہے۔

تیجانی کا سفر جستجو

ت:......میں نے یہ نظام مرتب کیا کہ گرمیوں میں تین مہینہ کی چھٹی میں ایک طویل سفر کروں جس کا پروگرام یہ بنا کہ خشکی کے راستہ سفر لیبیا سے شروع کیا جائے۔اس کے بعد مصر اسکے بعد لبنان اس کے بعد شام اردن اور آخر میں سعودیہ جہاں مناسک حج عمرہ ادا کرنا تھے اور ان وہابیوں سے تجدید عہد کرنا تھی جن کے عقائد کی نوجوانوں کے حلقہ اور اخوان المسلمین کی مسجدوں میں بکثرت تبلیغ کی تھی۔اور اس دور میں میری شہرت مختلف اطراف وجوانب میں پہونچ چکی تھی۔یہ

خبر صوفیوں کے بزرگ شیخ اسمٰعیل باوفی تک پہنچی ــــ ان کے وکلا نے مجھے ایک مفصل خط لکھا۔ (جس میں ایک حدیث لکھی کہ) "جس کے پاس کوئی شیخ نہیں ہوتا اس کا شیخ شیطان ہوتا ہے" ــــ پھر اس بات کی بشارت دی کہ صاحب الزمان یعنی شیخ اسمٰعیل نے مجھے اپنے خواص میں شامل کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ یہ سن کر ــــ میں عنایت الٰہیہ پر بے اختیار رو پڑا کہ جس کی بنا پر میں مسلسل بلندیوں کی منزلیں طے کررہا تھا۔ اسلئے کہ میں اس سے پہلے ماضی میں سید ہادی حفیان کا پیرو رہ چکا ہوں۔ جن کے مختلف کرامات و معجزات نقل کئے جا چکے ہیں اور اسکے بعد سید صالح اور سید جیلانی کی صحبت کا شرف بھی حاصل کرچکا ہوں اور اب شیخ اسمٰعیل کی بارگاہ میں طلب کیا گیا ہوں ــــ جب شیخ کے گھر میں داخل ہوا ــــ مراسم حاضری کی انجام دہی کے بعد شیخ اسمٰعیل حجرہ سے باہر تشریف لائے۔ اور سارے مجمع نے احترام سے ان کے ہاتھ چومے اور ایک نمائندہ نے یہ اشارہ کیا کہ شیخ یہی ہیں لیکن میں نے کسی جذبہ کا اظہار نہیں کیا اس لئے کہ میں ان حالات کے علاوہ کسی اور بات کا منتظر تھا اور میرے ذہن میں شیخ کے وکیل اور عزیزوں نے کرامت و معجزات کی جو خیالی تصویر بنائی تھی وہ کچھ اور ہی تھی۔ مجھے شیخ ایک معمولی آدمی نظر آئے جن کے چہرہ میں نہ کوئی وقار تھا نہ ہیبت۔

ر: ذرا غور سے (مندرجہ بالا) لائن کو پڑھئے اس میں اور اس کتاب کے اگلے حصوں میں بھی بہت سے ایسے نام ملینگے جو دنیا کے معروف لوگوں میں نہیں مانے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں اور خاص کر بمبئی میں ایسے کئی اشخاص ہیں جو اپنے کو عالم دین یا باوا کہہ کر پکارتے ہیں۔ ان کے چند مرید بھی ہیں اور ماننے والے بھی، کیا اس سے ثابت ہوجاتا ہے کہ وہ سچا عالم دین ہے؟

د: محترم! یہ پیر، مرید، باوا، حفیانی، جیلانی، غوثیہ، قادریہ، تیجانیہ...... وغیرہ سب کا تعلق مذہب اہلسنت والجماعت سے ہے۔ چاہے گروہ اخوان المسلمین ہو یا

طالبان، انجمن سپاہ صحابہ (ASS) ہو یا سید صالح یا سید جیلانی یا شیخ اسمٰعیل کے مرید یا وہابی یا اہل حدیث مسلک کے پیرو ــــ یہ سبھی مذہب اہل سنت والجماعت کی نمائندگی کرتے ہیں۔اسی قسم کے مختلف گروہ ڈاکٹر تیجانی کو مرعوب کرنے کے لئے مختلف انداز میں اپنے حربے، جلوے اور شعبدہ بازیاں استعمال کر رہے تھے۔ مذہبی بنیاد کھوکھلی ہونے پر اسی طرح کے تماشے دیکھنے کو ملتے ہیں۔

ت:...... مجھے وکیل نے دوبارہ شیخ (اسمٰعیل) کے سامنے پیش کیا تا کہ میں ان سے عہد اور ورد حاصل کرسکوں۔مجمع نے مجھے مبارکباد دی اور مجھ سے معانقہ کیا اور مجھے یہ اندازہ ہوا کہ انھوں نے میرے بارے میں بہت کچھ سن رکھا ہے۔اور اسی قدردانی نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا کہ میں شیخ کے بعض جوابات پر جو سوال کرنے والوں کو دیئے گئے تھے اعتراض کروں اور اپنی بات پر قرآن وسنت سے استدلال کروں......

ر: اب تک تو مجھے ان میں (ڈاکٹر تیجانی میں) کوئی خاص بات نظر نہیں آئی اور نہ کوئی خاص بات اس شخص نے لکھی، پھر ان بزرگ نے انکے بارے میں کیا کچھ سن رکھا تھا؟

د: چونکہ ڈاکٹر تیجانی اپنی خانقاہ تیجانیہ کے رکن رکین بن چکے تھے۔کمسنی میں ہی نماز جماعت، تراویح اور فاتحہ وغیرہ کی ذمہ داری انکے والد محترم نے ان کے گلے میں ڈال دی تھی اور اخوان المسلمین کے دوروں میں تبلیغی امور انجام دینے لگے تھے، اسلئے قرب و جوار میں اس نوجوان کی شہرت ہو جانا کوئی محل تعجب نہیں ہے۔جن وکلاء کے ذریعہ ڈاکٹر تیجانی شیخ تک پہونچے، ہوسکتا ہے کہ انھیں لوگوں نے کچھ نمک مرچ لگا کر ان کے بارے میں شیخ کو بہت کچھ سنا رکھا ہو۔اور یہ بھی بتا دیا ہوگا کہ یہ نوجوان صوفی مسلک ہونے کے باوجود ''اخوان المسلمین'' کی گرفت میں آگیا ہے، جو کہ وہابی فرقہ کی ایک ٹولی ہے۔اس لئے اس نوجوان کو کچھ کرامات

سنا کر اور کچھ دکھا کر مرعوب کیجئے تا کہ یہ وہابیت کے شکنجہ سے باہر آجائے۔

ت: یہ بات ناگفتہ نہ رہ جائے کہ یہ حلقات تمام تر روحانی ہوتے تھے اور ان کا افتتاح شیخ قرآن کی تلاوت سے کیا کرتے تھے۔ جسکے بعد قصیدہ کا مطلع پڑھا جاتا تھا اور تمام مرید اُسے دہراتے تھے...... یونہی ہر شخص ایک ایک آیت کی تلاوت کرتا تھا۔ اور پھر قصیدہ پر سب کو اجتماعی طور پر حال آنے لگتا تھا جہاں قصیدہ کی دھن پر سب داہنے بائیں جھومتے تھے اور جب شیخ کھڑے ہوتے تھے تو سارے مریدان کے ساتھ کھڑے ہو جاتے تھے اور وہ گھوم گھوم کر ایک ایک مرید کو دیکھتے تھے اور ہر طرف سے آہ آہ کی آوازیں آتی تھیں...... بعض افراد کی حرکتیں جنونی انداز کی ہوتی تھیں اور یہ ساری آوازیں ایک منظم نغمہ کی شکل میں بلند ہونے کے بعد کافی دیر کے بعد تھم جاتی تھیں اور شیخ آخری قصیدہ پڑھتے تھے جس کے بعد لوگ ان کے سر اور شانہ کو بوسہ دے کر بیٹھ جاتے تھے۔ میں نے بھی ان لوگوں کے ساتھ بعض حرکتوں میں حصہ لیا۔ لیکن میں فطرتاً مطمئن نہیں تھا کہ غیر خدا سے توسل نہیں ہوسکتا۔

ر: قصیدہ کیا قرآنی آیات ہے؟

د: قصیدہ قرآنی آیات نہیں بلکہ مدح وثنا کی شاعری کو قصیدہ کہتے ہیں۔ قصیدہ کی دھن پر داہنے بائیں جھومنا، آہ آہ کی ایک منظّم نغمہ کی شکل میں آوازیں نکالنا، جنونی کیفیت طاری ہونا یہ سب اسلامی نہیں بلکہ شیطانی حرکتیں ہیں۔ اس ماحول میں قرآنی آیات کی تلاوت اس کی کھلی ہوئی توہین ہے۔ مگر یہ سب کچھ برادران (اسلامی) اہلسنت کا ہی ایک طبقہ انجام دے رہا ہے۔ خود تیجانی صاحب اپنے مذہب کی متضاد کیفیتوں سے فکر مند تھے۔ بالآخر اپنے مریدوں سے معذرت کرتے ہوئے، حق کی تلاش میں تین مہینہ کے سفر پر نکل پڑے جس میں خانہ خدا کی زیارت وعمرہ بھی شامل تھا۔

ت: قاہرہ میں میں نے بیس دن گذارے۔ مشہور موسیقار اطراش سے ان کے

مکان پر ملاقات کی...... قاہرہ میں ہی میں نے مشہور قاری جن سے میں بے حد متاثر تھا شیخ عبد الباسط محمد عبد الصمد سے ملاقات کی۔ تین دن انکے ساتھ قیام رہا اور مختلف موضوعات پر ان کے اقرباء واصدقاء سے میں تبادلہ خیال کرتا رہا اور وہ لوگ جرأت، صراحت اور معلومات کی کثرت سے بیحد متاثر ہوئے۔

ر: ہر جگہ یہ مصنف (ڈاکٹر تیجانی) تفصیل سے بیان کرتا ہے کہ انھوں نے کسی بھی جگہ کیا دیکھا اور وہاں کے عالموں سے کیا گفتگو کی اور کیا اثر لیا۔ مگر یہاں شیخ عبد الباسط سے ملاقات پر تفصیل سے تبصرہ نہیں کر رہا ہے۔ اور صرف یہ بیان کرتا ہے کہ ان سے مختلف موضوعات پر گفتگو ہوئی، مگر کون سے موضوع پر اور کیا گفتگو؟ مکمل خاموشی کیوں؟ ہندوستان میں شاید بہت لوگوں کو معلوم نہ ہو کہ اس مصنف نے جو شیخ عبد الباسط کو صرف قاری لکھا ہے وہ اسلامی دنیا کے مشہور عالم بھی ہیں۔ اور ان سے بڑے عالم شیخ محمد الشعراوی تھے، انھوں نے ان سے ملاقات کیوں نہیں کی۔ تا کہ اسکو صحیح منزل مل جائے؟

د: محترم رزاق بھائی! اس مسئلہ میں مجھے آپ سے پورا اتفاق ہے کہ ڈاکٹر تیجانی نے ایک مشہور عالم دین شیخ عبد الباسط سے ملاقات کی، ان کے یہاں تین دن قیام کیا اور مختلف موضوع پر تبادلہ خیال کیا، لیکن اُن سے کیا گفتگو ہوئی اسے اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا مختصر طور پر ہی انکی گفتگو بھی درج کر دیتے تو بہتر تھا۔ جہاں تک شیخ محمد الشعراوی سے ملاقات کرنے کی بات ہے ہوسکتا ہے کہ ان بزرگوار سے بھی ملاقات ہوئی ہو۔ اسلئے کہ اجماع میں انکی بہت سے شیوخ سے ملاقات ہوتی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تیجانؔی وہاں تک نہ پہونچ سکے ہوں۔ بہر حال ہر مصنف کے پیش نظر ایک ہدف ہوتا ہے، اسی کو سامنے رکھ کر وہ اپنی تصنیف کو وسعت دیتا ہے اگر شیخ عبد الباسط کی گفتگو استدلالی اور تشفی بخش ہوتی تو ڈاکٹر تیجانؔی کبھی بھی اپنے آبائی مذہب کو ترک نہ کرتے۔

مذاہب اربعہ کے اختلافات:

ت: بحری جہاز سے ریزرویشن کے مطابق میں اسکندریہ پہونچا وہاں سے مصری جہاز سے بیروت کا سفر اختیار کیا...... میرے دخل در معقولات کی عادت نے مجھے آمادہ کیا کہ میں اپنے ہمسفر کا تعارف حاصل کروں۔ تو میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے ان کا تعارف حاصل کیا، تو معلوم ہوا کہ وہ عراقی ہیں اور ان کا نام منعم ہے، بغداد یونیورسٹی کے استاد ہیں اور ڈاکٹریٹ کی تھیسس جمع کرنے کے لئے قاہرہ آئے تھے۔ ہماری گفتگو کا آغاز مصر، عالم عرب اور اسلام، عربوں کی شکست اور یہودیوں کی فتح سے ہوا۔ یہ گفتگو انتہائی دردناک تھی، میں نے دوران کلام یہ کہا کہ شکست کا اصل سبب عرب اور مسلمانوں کا مختلف حکومتوں گروہوں اور مختلف مذاہب میں تقسیم ہو جانا ہے کہ وہ اتنی کثرت عدو کے باوجود دشمنوں کی نگاہ میں کوئی وزن اور اعتبار نہیں رکھتے ہیں۔ ہم نے مصر اور مصریوں کے بارے میں بہت سی باتیں کیں اور دونوں ہزیمت کے اسباب پر متفق تھے۔ اور میں نے یہ اضافہ کیا کہ میں ان تقسیمات کا سخت مخالف ہوں۔ یہ استعمار نے ہمارے درمیان پیدا کرائی ہیں تا کہ ہم پر قبضہ کرنا اور ہمیں ذلیل کرنا آسان ہو جائے۔ لیکن ہم آج بھی مالکی اور حنفی کے جھگڑے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور میں نے ایک انتہائی افسوسناک قصہ بیان کیا جو میرے ساتھ اس وقت پیش آیا جب میں قاہرہ کی مسجد ابوحنیفہ میں داخل ہوا اور حاضرین کے ساتھ باجماعت نماز عصر ادا کی تو نماز کے بعد جو شخص پہلو میں کھڑا ہوا تھا اس نے انتہائی غصہ سے کہا کہ تم نے ہاتھ کیوں نہیں باندھا؟ میں نے ادب واحترام سے جواب دیا کہ میں مالکی ہوں اور مالکی ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں۔ تو اس نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو مالک کی مسجد میں جا کر نماز پڑھو۔ میں وہاں سے اس صورت سے بیزار ہو کر نکل آیا۔ اور میری حیرتوں میں اور اضافہ ہو گیا

ر: عرب میں تو کہیں بھی مالکی، حنفی، شافعی، حنبلی کا جھگڑا نہیں ہے۔ ہم تو کسی بھی امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ اس پر کوئی روک ٹوک نہیں ہے اور ہم بھی ان اماموں کے پیچھے بغیر کسی حجت کے نماز پڑھتے ہیں۔

د: برادرم رزاق صاحب! چاروں مسلکوں میں اختلافات کا غالباً آپ کو علم نہیں ہے۔ حنفی، حنبلی، شافعی، مالکی کے درمیان تو بے حد اختلافات ہیں، انھیں جانے دیجئے صرف حنفی مسلک کے مسلمانوں کو دیکھ لیجئے۔ ہندوستان میں تقریباً سبھی حنفی سنی ہیں، مگر ان میں کوئی بریلوی ہے تو کوئی دیوبندی، کوئی صوفی ہے تو کوئی وہابی، سب کے عقیدے الگ الگ ہیں، یہاں مسجد کی امامت کے سلسلہ میں اکثر و بیشتر لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔ کسی بریلوی مسلک کی مسجد میں کوئی وہابی نماز پڑھ لیتا ہے تو مسجد کا فرش دھویا جاتا ہے، گویا مسجد نجس ہوگئی اب اسے پاک کیا جا رہا ہے۔ آپسی لڑائی جھگڑے کی تازہ بتازہ دو مثالیں اخبار کی کٹنگ اردو ترجمہ کے ساتھ پیش ہیں۔ ملاحظہ ہو روزنامہ ''راشٹریہ سہارا''، لکھنؤ

ا۔ گونڈہ میں نماز کے مسئلہ پر ایک ہی مذہب کے دو فرقے ٹکرائے

لکھنؤ ۳۰ رنومبر۔ ۳۰ نومبر گونڈہ ضلع کے چھپیا تھانے کے مسکنواں بازار میں واقع مسجد کے صدر، خزانچی اور امام کو لیکر مسلمانوں کے دو فرقوں میں ہوئی جھڑپ کے پیش نظر پولیس نے زبردست حفاظتی انتظام کے ساتھ ایک فرقہ کو نماز پڑھوائی۔ لیکن کشیدہ حالات کے تحت پی اے سی فورس لگا دی گئی۔ مسلمانوں کے دو فرقوں سنی (بریلوی) اور دیوبندی (وہابی) کے درمیان نماز کے مسئلہ میں کافی دنوں سے نزاع چلا آرہا تھا۔ اسی نزاع کو لیکر سنی فرقہ کے ۱۹ اور وہابی فرقہ کے دس لوگوں کو کچھ دنوں پہلے 107/116 میں گرفتار کر کے 50-50 ہزار کے ذاتی مچلکہ پر پابندی لگائی گئی تھی۔ کل رمضان المبارک کے دوسرے دن مسجد میں بریلوی فرقہ

کے امام کی اقتدا میں نماز پڑھائے جانے کولیکر پھر نزاع پیدا ہوگیا۔

کشیدہ حالات کے تحت داروغہ برجیندر رائے نے بڑی تعداد میں پولیس فورس لگا کر وہابی فرقہ کونماز پڑھوائی۔ سنی (یعنی بریلوی) فرقہ کے لوگ بھی نماز پڑھنے گئے اور اپنے مولانا کے ذریعہ نماز پڑھانے کی ضد کی اور دونوں فرقوں میں جھڑپ ہوگئی۔ بذریعہ پولیس سنی مولانا کو ہٹایا گیا اور پولیس فورس لگا دی گئی۔ سنی لوگوں کا کہنا ہے کہ ''سنی وقف بورڈ'' سے مسجد تعمیر ہوئی ہے اس مسجد میں شروع سے سنی مولانا نماز پڑھایا کرتے تھے۔

مسجد کے صدر محمد یعقوب، نواب خزانچی اور امام سب سنی جماعت کے تھے لیکن تین سال سے یہ لوگ اپنا عقیدہ بدل کر دیوبندی (وہابی) ہوگئے۔ سنی جماعت کے لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم وہابی امام کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھیں گے اور دیوبندی جماعت کے لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم سنی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے۔ تنازعہ کافی بڑھ جانے پر پی اے سی فورس لگا دی گئی۔ (ماخوذ ''از راشٹریہ سہارا'' مورخہ ۳۰ رنومبر ۲۰۰۰ء)

۲۔ نماز کو لے کر بریلوی اور دیوبندی فرقے بھڑے

لکھنؤ ۳۰ رنومبر گونڈہ ضلع میں نماز کولیکر پیدا ہوا تنازعہ ابھی سلجھ نہیں پایا تھا کہ راجدھانی (لکھنؤ) کے چوک علاقہ میں بھی اسی قسم کے ایک حادثہ سے کشیدگی پھیل گئی۔ چوک ٹُل گاما میں واقع بازار والی مسجد میں نماز پڑھانے کے معاملہ میں بریلوی فرقہ کے مولوی اور دیوبندی (وہابی) فرقے کے لوگوں کے درمیان نزاع پیدا ہوگیا غصہ سے بھرے ہوئے لوگوں نے مولانا سے ہاتھا پائی کی اور انھیں مسجد سے نکال باہر کر دیا۔ واقعہ کی خبر ملتے ہی پولیس اور شہر انتظامیہ کے افسران موقع پر پہونچ گئے۔ اس سلسلہ میں مولانا نے کچھ لوگوں کے خلاف آج رات چوک تھانہ

میں، زدوکوب کرنے اور چھ ہزار روپیہ چھینے جانے کی رپورٹ درج کرائی۔ پولیس افسر معاملہ کے سلجھانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اپر پولیس سپرنٹنڈنٹ (مغربی شہر) نے بتایا کہ بازار والی مسجد پُل گامامیں بریلوی فرقہ کے مولانا صابر علی رضوی نماز پڑھانے کا کام انجام دیتے تھے۔ ''نمازیوں کو انکے نماز پڑھانے کے طریقہ پر اعتراض تھا''۔ اس بات کو لیکر کئی بار پہلے بھی تنازعہ پیدا ہو چکا ہے۔ اور آج پھر نماز کے طریقہ پر بحث چھڑ گئی۔ بحث کے دوران مولانا نے معترضین کو باہر چلے جانے کو کہہ دیا تو لوگ بھڑک گئے۔ اس پر پہلے تو آپس میں کافی کہا سنی ہوئی اور پھر ہاتھا پائی (مارپیٹ) ہونے لگی۔ نماز پڑھنے آئے کچھ دوسرے لوگوں نے بیچ بچاؤ کر کے کسی طرح مولانا کو الگ کیا۔ پھر انھیں مع سامان کے مسجد سے باہر نکال دیا۔ خبر ملتے ہی پولیس اور شہر انتظامیہ کے ذمہ دار افراد موقع پر پہونچ گئے اور حالات پر قابو پانے کی کوشش کی۔ لیکن دیوبندی حضرات نے بریلوی مولانا کو مسجد کے اندر داخل نہ ہونے دینے کی بات کہی تو افسران نے مسلح فورس لگادی اور چلے گئے۔ رات گئے مولانا نے چند افراد کے خلاف نام بنام چھ ہزار روپیہ لوٹنے اور مارنے پیٹنے کی رپورٹ درج کرادی۔ پولیس اور انتظامیہ کے افسر معاملے کو سلجھانے کی کوشش میں لگے ہوے ہیں۔

(موخوذ ''از راشٹریہ سہارا'' مورخہ یکم دسمبر ۲۰۰۰ء)

محترم! مندرجہ بالا دو تازہ مثالیں ہیں جن میں ایک ہی مسلک کے پیرو حنفی حضرات کے درمیان نماز پڑھانے کے طریقہ کو لیکر تھانے کوتوالی کی نوبت آ گئی۔ اور بات اخبار تک پہونچ گئی ورنہ چاروں مسلکوں میں اختلاف ہونے کی بنیاد پر مذہب اہلسنت میں نہ جانے کتنے لڑائی جھگڑے برابر ہوتے رہے ہیں۔ ایک مسلک والے دوسرے مسلک پر کفر وارتداد کا فتویٰ آج بھی صادر کرتے رہتے ہیں۔ مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، حنبلی، شافعی) کے اختلافات کی تصاویر

نہایت اختصار کے ساتھ پیش ہے۔ تفصیل کے لئے مندرجہ حوالہ جات کا مطالعہ فرمائیں۔ (ماخوذ از امام جعفر صادقؑ اور مذاہب اربعہ۔ تنظیم المکاتب لکھنؤ)

(۱) حنبلیوں کے قائد اکبر شیخ بر بہاری نے ۳۲۳ھ میں شافعیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر مسجدوں میں پٹوایا (ابن اثیر جزری جلد ۸ ص ۲۲۹)

(۲) محبّ الدین حنفی ہندی متوفی ۷۸۹ھ نے مذہبی تعصب کی بنا پر شافعیوں کو اذیت پہونچائی (شذرات الذہب جلد ۶ ص ۲۴۰)

(۳) شیخ ابو حامد حنبلی کا ارشاد ہے کہ غیر حنبلی کافر ہوتا ہے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۳۷۵)

(۴) شیخ ابو بکر المقری الواعظ نے بغداد کی مسجدوں میں جملہ حنبلیوں کے کفر کا فتویٰ صادر فرمایا۔ (شذرات الذہب جلد ۳ ص ۲۵۳)

(۵) شیخ علی بن الحسن سیف الدین متوفی ۶۳۱ھ حنبلی سے شافعی ہو گئے تو تمام علماء نے انکے کفر کا فتویٰ دیدیا (مرأۃ الجنان جلد ۴ ص ۲۴)

(۶) امام ابو حنیفہ کی مدح سرائی کرتے ہوئے افضل المرسلین پیغمبرؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''انبیاء کرام مجھ پر نازاں ہیں اور میں ابو حنیفہ پر، جو ان کا دوست ہے وہ میرا دوست ہے اور جو ان کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے۔'' .... ''حضرت عیسیٰؑ ابو حنیفہ کی شریعت پر عمل کریں گے۔ ان کے مذہب پر عمل کرنے والا نجات یافتہ ہے۔ وہ قرآن کے بعد رسول اکرم کا ایک معجزہ ہیں۔'' (الدر المختار جلد ۱ ص ۵۲ تا ۵۴)

(۷) امام ابو حنیفہ کا اس سے بھی زیادہ دلچسپ شرف ملاحظہ فرمائیے۔ ''ابو حنیفہ کی کرامت یہ ہے کہ حضرت خضرؑ ان کے پاس پانچ سال تک تحصیل علم کرتے رہے جب ان کا انتقال ہو گیا تو خضرؑ نے بارگاہِ احدیت میں دُعا کی کہ خدایا اگر تیری نظر میں میری کوئی حیثیت ہے تو ابو حنیفہ کو اجازت دیدے کہ مجھے قبر سے اپنے علوم

کی تعلیم دیں۔ قدرت نے یہ دُعا قبول کر لی اور وہ پچیس سال تک انکی قبر سے علوم حاصل کرتے رہے" (الیاقوت لابی الفرج علی ابن الجوزی ص ۴۸)۔

(۸) مذاہب اربعہ کے اختلاف کی تصویر کشی علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف جلد۲ ص ۴۹۸ میں اپنے خوبصورت اشعار میں بڑے دلپذیر انداز میں کی ہے۔ان کے اشعار کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"میں اپنے مذہب کو ظاہر نہیں کرسکتا اور یہی مناسب بھی ہے اسلئے کہ اگر اپنے کو حنفی کہتا ہوں تو لوگ کہتے ہیں کہ شراب کو جائز جانتا ہے۔ شافعی کہتا ہوں تو کہا جاتا ہے کہ اپنی بیٹی سے نکاح کو مباح سمجھتا ہے۔ مالکی کہتا ہوں تو یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کتے کے گوشت کو جائز جانتا ہے۔اور اہل حدیث (یعنی حنبلی) بتاتا ہوں تو بیوقوفی کا الزام آتا ہے۔"

محترم رزاق بھائی! قدیم دور سے آج تک مذاہب اربعہ دست و گریباں نظر آئینگے۔ چند مثالیں تفکر کے لئے نقل کردی ہیں تا کہ بصارت و بصیرت سے کام لیکر باطل مذاہب سے کنارہ کشی اختیار کر کے مذہب صادق کو قبول کرلیا جائے۔ یہی حکم الٰہی بھی ہے یا ایھا الذین آمنوا تقو اللہ و کونوا مع الصادقین ☆

ت: (تیجانی نے اپنے ہمسفر شیعہ ساتھی سے کہا کہ) تم لوگ مسلمان نہیں ہو۔تم لوگ علی ابن ابیطالب کی عبادت کرتے ہو۔اور تم میں جو معتدل ہیں وہ اللہ کی عبادت تو کرتے ہیں لیکن رسالت پیغمبرؐ پر ایمان نہیں رکھتے ہیں۔ اور جبرئیل کو گالیاں دیتے ہیں کہ انھوں نے خیانت سے کام لیا ہے اور رسالت کو علیؑ کے بجائے محمدؐ کے حوالے کردیا ہے۔

ر: عرب کے بچہ بچہ سے پوچھیں تو وہ یہ الزام کبھی نہیں لگاتا ہے۔ پھر یہ شخص کیسا عالم ہے جو یہ الزام شیعوں پر لگا رہا ہے؟

د: محترم! یہ بے بنیاد الزام ہے جسے سادہ لوح مسلم عوام میں عام شہرت دی جارہی ہے۔ پاکستان اس قسم کی بے بنیاد باتوں کا مرکز ہے، جہاں شیعوں کو کافر کہہ کر ان کا قتل عام کیا جارہا ہے۔ بعض ناعاقبت اندیش سنی علماء شیعوں سے نفرت پیدا کرنے کے لئے اکثر وبیشتر اپنی تقریروں اور تحریروں سے اس قسم کے پروپگنڈے کرتے رہتے ہیں۔ جاہل تو جاہل پڑھے لکھے حضرات بھی بغیر کسی تحقیق وجستجو کے اسے اپنا عقیدہ تسلیم کر لیتے ہیں۔ کچھ ایسی ہی صورت ڈاکٹر تیجانی کے ساتھ بھی پیش آئی۔ جب ان سے شیعہ ہمسفر نے پوچھا کہ "یہ غلط الزامات آپ کو کہاں سے معلوم ہوئے؟" تو انھوں نے چند سنی علماء کی کتابوں اور عوام کے درمیان عام شہرت کا حوالہ دیا۔ کتابوں میں احمد امین کی فجر الاسلام، ضحیٰ الاسلام، ظہیر الاسلام...... وغیرہ کا خصوصی حوالہ پیش کیا۔

ت: (شیعہ ہمسفر منعم نے کہا کہ) احمد امین نے خود عراق کا دورہ کیا ہے اور میں ان اساتذہ میں سے تھا جن سے انھوں نے نجف میں ملاقات کی ہے۔ اور جب ہم لوگوں نے ان کی تحریروں پر شیعوں کے بارے میں اعتراض کیا تو انھوں نے یہ کہہ کر معذرت کی کہ میں آپ لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور آج پہلے پہل شیعوں سے ملاقات کرر ہا ہوں۔

ر: مجھے تعجب ہے کہ یہ دونوں اشخاص (منعم اور تیجانی) سنی علماء کو اتنا جاہل سمجھتے ہیں کہ ان کی ملاقات جس سے بھی ہوتی ہے وہ شیعوں کے بارے میں کچھ معلومات نہیں رکھتا ہے۔

د: محترم! یہ سچ ہے کہ سبھی سنی علماء شیعیت سے جاہل نہیں ہوتے، بلکہ ان میں کچھ تو وہ ہوتے ہیں کہ جب انکے سامنے مذہب شیعہ کی سچی تصویر آتی ہے تو "نجاتِ اخروی" کے پیش نظر شیعیت کو قبول کر لیتے ہیں، کچھ وہ ہوتے ہیں جو قیل وقال اور تاویل کے ذریعہ فرار کا راستہ تلاش کرتے ہیں، کچھ وہ ہوتے ہیں جو تمام بحث و

مباحثہ کے بعد یہ لکھ دیتے ہیں کہ ''ہم اہلسنت ہی اصل شیعہ ہیں'' (امام رازی) اور کچھ علماء اہلسنت اہلبیت طاہرینؑ کی افضلیت اور مذہب شیعہ کی حقانیت تسلیم کرتے ہوئے یہ تحریر فرماتے ہیں کہ پانچ مسلکوں (حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی اور جعفری) میں سے کسی کو بھی عبادات و معاملات میں اپنانا درست ہے (علامہ شلتوت سابق وائس چانسلر جامعۃ الازھر مصر)...... مگر اکثریت ان نیم ملاؤں کی ہوتی ہے جو اپنی دوکان چمکانے کے لئے، سنی عوام کو سادہ لوح سمجھ کر شیعوں کے خلاف بے سر پیر کی باتیں لکھ کر انھیں ورغلاتے ہیں اور جب کوئی ان کی گرفت کرتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ''میں شیعوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا''۔ آپ خود ہی سوچئے کہ فجر الاسلام ضحیٰ الاسلام اور ظہیر الاسلام جیسی کتابیں لکھنے والا جاہل نہیں کہا جاسکتا، لیکن اتنی اسلامی کتابوں کے مصنف عالم کو یہ بھی نہیں معلوم کہ شیعہ علیؑ کی عبادت کرتے ہیں یا انھیں جانشینِ رسولؐ مانتے ہیں۔

محترم! سچ پوچھئے تو یہی وہ علماء ہیں جو سادہ لوح عوام کو حقیقت سے دور رکھنے کے لئے انھیں اپنی تقریر یا تحریر کے ذریعہ غلط فہمی کا شکار بناتے رہتے ہیں۔

ت: ہمارے ساتھی (منعم) کے اس بیان نے ہمارے دل پر وہی اثر کیا جیسے کسی پیاسے کو آبِ سرد و شیریں مل جائے اور میں نے اپنے داخل میں ایک انقلاب محسوس کیا۔ دشمنی سے تنقید کی طرف۔ اس لئے کہ میں ایک صحیح منطق اور مستحکم دلیل کے سامنے کھڑا تھا۔ میں نے کوئی جھجک محسوس نہیں کی اور کہا کہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ لوگ ہمارے پیغمبر کی رسالت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

ر: یہ شخص (ڈاکٹر تیجانی) عالم کے علاوہ اپنے کو صحافی کہتا ہے۔ اس کا ایسے سوال کرنا بڑا مضحکہ خیز لگتا ہے اور اگر اہلسنت کو یہ بات ثابت ہوتی کہ شیعہ رسالت پر یقین نہیں رکھتے ہیں تو ہماری حکومت انکو اپنے ملک میں مسجد بنانے کی اجازت نہ دیتی۔ پیغمبر اسلامؐ کی رسالت پر تو اہلسنت اور شیعہ دونوں یقین رکھتے ہیں۔

اختلاف تو حضرت علیؑ کے شریک رسالت ہونے کا ہے۔

د: محترم! پیغمبرؐ کی رسالت پر بے شک اہلسنت اور شیعہ دونوں یقین رکھتے ہیں۔مگر دونوں کے یقین میں فرق ہے۔شیعہ کسی حالت میں بھی نبی اکرمؐ کو عصمت ورسالت سے جدانہیں مانتے،ان کے نزدیک نہ پہلے کوئی آنحضرتؐ سے افضل گذرا ہے اور نہ قیامت تک ان سے بہتر کوئی ہونے والا ہے۔اہلبیت کرامؑ صحابہؓ عظامؓ اور امتیوں میں بھی ان سے زیادہ معظم ومکرم نہ کوئی ہوا ہے اور نہ ہوگا......

دوسری طرف برادران اہلسنت کے نزدیک چالیس سال تک حضورؐ کو خود اپنی نبوت کی خبر بھی نہیں تھی، چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی تو اس کے بعد بھی (العیاذ باللہ) شہوت پرستی اور سہوونسیان کا شکار رہے۔کچھ بڑے بڑے صحابہ نبی کو روکتے ٹوکتے رہتے تھے، یہانتک کہ دنیا سے جاتے جاتے صحابی کی نظر میں (معاذ اللہ) رسول ہذیان بکتے ہوئے گئے......(ملاحظہ ہو **عقیدہ** کتاب جستجو) محترم! جہاں تک حضرت علیؑ کے شریک رسالت ہونے کی بات آپ نے لکھی ہے، کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے شیعوں کی کس کتاب میں پڑھا ہے کہ حضرت علیؑ شیعوں کے نزدیک ''شریک رسالت'' ہیں؟ آپ کو کسی معمولی علم رکھنے والے شیعہ کی کتاب میں بھی یہ بات نہیں ملے گی اور نہ کوئی شیعہ کبھی اس عقیدہ کا اقرار کرتا ہوا نظر آئیگا۔حضرت علیؑ ''شریک رسالت'' نہیں تھے بلکہ ''شریک کار رسالت'' تھے......ٹھیک اسی طرح جیسے نبی کریمؐ کبھی بھی ''شریک الوہیت'' نہیں ہو سکتے مگر کارِ رسالت کار الوہیت'' ضرور تھا، ورنہ پروردگار عالم **ولکن اللہ رمیٰ** نہ کہتا۔ اسلام کی ترویج وتبلیغ کارِ رسالت ہے یا نہیں؟ مگر تاریخ اسلام گواہ ہے کہ حملہ آور کفار کو جنگ بدر واحد وخیبر، خندق وحنین، ہر معرکہ میں حضرت علیؑ اور انکی تلوار نظر آتی ہے جس کے نتیجہ میں لوگ، جوق در جوق اسلام قبول کرتے ہیں اور قرآن اعلان کرتا ہے **یدخلون فی دین اللہ افواجا** ☆ خدا کی وحدانیت کے

مخالف عیسائی جب قرآنی دلائل سے قائل نہیں ہوئے تو مباہلہ کی آیت نازل ہوئی۔ مباہلہ کرنا کارِ رسالت تھا، لیکن حکم خدا سے پنجتن پاکؑ کو اس کارِ رسالت میں شریک کیا گیا۔ اسی طرح وقت ہجرت اپنی جان جوکھم میں ڈال کر رسولؐ کے بستر پر سونا، اہل مکہ کی ان امانتوں کو ان تک لوٹانا کہ جو نبیؐ کے پاس اہل مکہ نے رکھوائی تھیں، سورہ برأت حضرت ابو بکر سے واپس لے کر حضرت علیؑ کو دینا اور حضرت علیؑ کا تبلیغ کے لئے لے جانا وغیرہ وغیرہ، وہ امور ہیں جن کا انجام دینا رسالت و نبوت کا کام ہے مگر ہر عمل میں علیؑ اور دیگر اہلبیتؑ شریک نظر آتے ہیں۔ یہ شرکت رسالتؐ میں نہیں ہے بلکہ ''کارِ رسالت'' میں ہے، جس سے انکار ناممکن ہے۔ مزید تفصیل ص ۲۶۲ پر ملاحظہ ہو۔

ت: اس کے بعد میں شیعہ (منعم) کی باتوں پر غور کرنے لگا جس نے میرے اس خواب کو شرمندۂ تعبیر بنانے کا ارادہ ظاہر کر کے مجھے بے حد خوش کر دیا تھا کہ میں عراق کی زیارت کروں گا جس کا نقشہ میرے ذہن میں ہارون اور مامون کے قصر شاہی نے بنایا ہے جس نے اس دار الحکومت کی تاسیس کی تھی جہاں ہر دور میں مغرب کے طلاب علوم تحصیل علم کے لئے جایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ قطب ربانی شیخ صمدانی عبد القادر جیلانی کا ملک ہے جن کی شہرت ساری کائنات میں ہے۔

ر: یہ ایک صحافی کا جذبہ ہے یا ایک دینی عالم کا؟ یہ ہے صوفیانہ جذبہ و احترام جس کا اصلی اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

د: برادر محترم! صحافی ہو یا دینی عالم، جذبات قلبی رجحان کے تابع ہوتے ہیں۔ رجحان علم حالات اور ماحول سے پیدا ہوتا ہے۔ آپ نے غالباً خانقاہوں میں حاضری نہیں دی ہے۔ کبھی فرصت ملے تو جا کر دیکھئے۔ معتقدین اور مریدین کے ذریعہ ایسا سماں باندھا جاتا ہے کہ نیا آنے والا بڑے سے بڑا وہابی بھی متاثر

ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ شیخ جیلانی صاحب کی تو ایسی معجزاتی اور کراماتی باتیں بیان کی جاتی ہیں کہ سادہ لوح مسلمانوں کے دل میں اندھی عقیدت پیدا ہونا ناگزیر ہے۔ علماء اہلسنت والجماعت نے انکی کرامتوں کو بڑی شدومد کے ساتھ اپنی کتابوں میں درج کر رکھا ہے۔ نمونہ کے طور پر چند کرامات خزینۃ الاصفیاء اور قلائد الجواہر سے پیش ہیں۔ ملاحظہ ہو:

(۱) ''ہر ایک ولی کسی نبی کے قدم پر ہوتا ہے اور میں اپنے جد کے قدم پر ہوں جناب محمد مصطفیٰؐ نے کوئی قدم نہیں اٹھایا کہ اسی جگہ میں نے اپنا قدم نہ رکھا ہو اور یہ وہ مقام ہے کہ جہاں سوائے نبی کے کوئی اور نہیں پہونچ سکتا۔'' (روضات الجنات)

(۲) ''شیخ ابوسعید کہتے ہیں آپ کی مجلس میں بارہا پیغمبروں کی ارواحیں جن میں حضرت محمد مصطفیٰؐ بھی ہوتے تھے، اور ملائکہ اور جن آتے تھے اور میں ان کو دیکھتا تھا۔'' (خزینۃ الاصفیاء جلد ا ص ۹۴)۔

(۳) ''جب میں اپنے شہر میں بارہ برس کے سن کا تھا۔ پڑھنے کے لئے مکتب جاتا تھا تو میں اپنے گرد فرشتوں کو چلتے دیکھتا تھا۔ اور جب میں مکتب پہونچتا تو میں انھیں کہتے سنتا کہ ولی اللہ کو بیٹھنے کی جگہ دو۔'' (قلایدالجواہر ص ۲۲)

(۴) ''میں نے دوزخ کے داروغہ مالک سے پوچھا کہ تمہارے پاس میرے اصحاب میں سے کوئی ہے؟ تو اس نے کہا ''نہیں'' میں اس کی عزت وجلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب تک خدائے تعالیٰ میرے اور تمہارے ساتھ جنت تک نہ جائیگا، اس کے سامنے سے قدم نہ اٹھاؤنگا۔'' (قلائد ص ۴۷)

(۵) ''ہم نے دیکھا کہ آپ پانی پر سے ہماری طرف چلے آرہے ہیں اور مچھلیاں بکثرت آپ کی طرف آن آن کر سلام علیک کرتی جارہی ہیں۔ ہم آپ کو اور مچھلیوں کو آپ کے ہاتھ چومنے کو دیکھتے جاتے تھے۔ اسی بیچ نماز ظہر کا وقت ہو

گیا۔اسی اثناء میں بڑی بھاری جانماز دکھائی دی،اور تخت سلیمانی کی طرح ہوامیں معلق ہوکر بچھ گئی (قلائد ص ۴۱)

(۶) ''میرا قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔'' (قلائد ۵۴)

(۷) '' آپ مرغی کا گوشت کھا رہے تھے، ایک عورت نے اعتراض کیا کہ آپ مرغی کا گوشت کھاتے ہیں اور ہمارے لڑکوں کو جو کی روٹی کھلاتے ہیں۔تو مرغی کی ہڈیاں جمع کیں اوراس کو زندہ کردیا۔'' (قلائد ص ۹۷)

(۸) '' آپ فرماتے تھے کہ سورج طلوع نہیں ہوتا مگر یہ کہ مجھے سلام کرتا ہوا نکلتا ہے اوراسی طرح سال اور مہینے مجھے سلام کرتے ہیں۔اور تمام واقعات کی مجھے خبر دیتے ہیں۔'' (قلائد ص ۶۶)۔

(۹) '' آپ نے ایک کدو کی طرف اشارہ کر کے کہا اس میں آفت رسیدہ بچہ ہے۔قم باذنی کہا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔دوسرے کدو کا بچہ اٹھ کر چلنے لگا تو کہا بیٹھ جا، وہ ہمیشہ کے لئے بیٹھ گیا۔'' (قلائد ص ۷۸)

(۱۰) ''میں نے دیکھا کہ میری طرف انوار چلے آرہے ہیں۔میں نے پوچھا کہ یہ انوار کیا ہیں؟ کہا گیا کہ خدا کی طرف سے تمہیں جو کچھ فتوحات ہوئے ہیں رسول اللہ اسکی مبارکباد دینے آرہے ہیں۔میں نے ہوامیں رسول اللہ کو دیکھا۔میں بھی ہوامیں چھ سات قدم آگے بڑھا تو آنجناب نے میرے منھ میں سات مرتبہ تھتکارا، پھراسی طرح چھ مرتبہ حضرت علیؑ نے تھتکارا۔'' (ص ۱۳۱)

(۱۱) ''امام احمد بن حنبل کی زیارت کوانکی قبر پر گئے تو امام احمد قبر سے نکل آئے اور سینہ سے لگا کر کہا شیخ عبدالقادر میں علم شریعت وعلم حقیقت وعلم رجال میں تمہارا محتاج ہوں۔'' (قلائد ص ۱۰۲) ...... لیجئے ایک کہانی اور سن لیجئے ،بس!!

(۱۲) ''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ام المومنین عائشہ کی گود میں ہوں اور آپ کی داہنی جانب کا دودھ پی رہا ہوں، پھر آپ نے اپنی بائیں جانب کا دودھ بھی

پلایا۔'' (قلائد ص ۱۳۴) (ماخوذاز ''شیخ جیلانی'' مولفہ مولانا سید علی حیدر طاب ثراہ)

محترم! یہ تھی جذبہ اور رجحان کی بات، پھر آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ ہے صوفیانہ جذبہ اور احترام جس کا اصلی اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ''...... اصلی اسلام سے اس کا تعلق ہو یا نہ ہو ''مذہب اہلسنت'' سے بہر حال تعلق ہے، اسلئے کہ آپ کسی صوفی سے اسکا مذہب پوچھینگے تو وہ اہلسنت والجماعت ہی بتائے گا۔

ت: میرے دوست (منعم) نے مسکرا کر پوچھا کہ عبد القادر جیلانی کے بارے میں تیونس والوں کا عقیدہ کیا ہے اور میں نے ان کے کرامات و مقامات کا تذکرہ کرنا شروع کردیا جو ہمارے یہاں برابر بیان ہوتے رہتے تھے کہ وہ دائرۂ کرامت کے قطب ہیں اور جس طرح پیغمبر سید الانبیاء ہیں وہ سید الاولیاء ہیں اور ان کا یہ کہنا حق بجانب ہے کہ ''تمام لوگ کعبہ کا طواف کرتے ہیں اور کعبہ میرے خیمہ کا طواف کرتا ہے۔'' میں مسلسل اپنے دوست کو سمجھانا چاہتا تھا کہ شیخ عبد القادر جیلانی اپنے مریدوں کے پاس آکر ان کے امراض کا علاج کرتے ہیں اور انکی پریشانیوں کو دور کرتے ہیں۔ میں قصداً یا بے خیالی میں ان وہابی عقائد کو بالکل بھول چکا تھا جس میں یہ تمام باتیں شرک باللہ تھیں۔

ر: یہ صرف صوفیوں کو ماننے والے ہی یقین رکھتے ہیں۔ صحیح عالم اور صحیح اسلام پر چلنے والے ان باتوں سے انکار کرتے ہیں۔

د: محترم! صوفی حضرات بھی مذہب اہلسنت والجماعت کے رکن ہیں۔ انکی بڑی تعداد ہے جو تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ وہابی حضرات انھیں اسلام سے خارج بتاتے ہیں اور یہ انھیں خارج از اسلام گردانتے ہیں۔ شیعہ حضرات ان دونوں فرقوں کو ''صراط مستقیم'' سے ہٹا ہوا مسلمان سمجھتے ہیں۔ اور انکے حق میں دعا کرتے ہیں اللھم اصلح فی کل امور المسلمین ☆ آمین یارب العالمین۔

مسئلہ خلافت اور خطبۂ شقشقیہ

ت: میرے ایک استاد جو بلاغت کا درس دیا کرتے تھے ایک دن نہج البلاغہ کا خطبۂ شقشقیہ پڑھا رہے تھے اور میں اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح اس کے مضامین سے حیرت زدہ ہوا جا رہا تھا۔ اور میں نے ہمت کر کے یہ سوال کیا، کیا واقعاً یہ امام علیؑ کا کلام ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ یقیناً! اور ان کے علاوہ ایسی بلاغت کس سے ممکن ہے اور اگر یہ ان کا کلام نہ ہوتا تو محمد عبدہٗ جیسے علماء اسلام اسکی شرح کیوں کرتے۔ تو میں نے کہا کہ امام علیؑ تو ابوبکر اور عمر کو یہ الزام دیتے ہیں کہ انھوں نے انکے حق خلافت کو غصب کر لیا ہے؟ تو میرے استاد کو جلال آ گیا اور انھوں نے شدت سے ڈانٹتے ہوئے آئندہ ایسے سوالات پر کالج سے نکال دینے کی تہدید کی اور فرمایا کہ "ہم بلاغت کے مدرس ہیں تاریخ کے مدرس نہیں ہیں۔ ہماری نظر میں اس تاریخ کی کوئی اہمیت نہیں ہے جس کے صفحات فتنوں اور مسلمانوں کے درمیان خونریز جنگوں سے سیاہ ہیں۔"

ر: امام علیؓ الزام نہیں دیئے۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ فاطمہؓ کو رات کے وقت دفنانے کے کچھ دنوں بعد امام علیؓ جا کر خلیفہ ابوبکر صدیقؓ سے ملے اور اپنی ناراضگی کا سبب بیان کیا کہ اہل قریش نے ان سے خلیفہ کے انتخاب میں مشورت نہیں لی تھی۔ جب ابوبکر صدیقؓ نے انھیں سارا حال بتایا تو ان کی رنجش مٹ گئی اور انھوں نے ابوبکرؓ سے بیعت کر لی۔

د: محترم دوست! آپ نے غالباً خطبہ شقشقیہ نہیں پڑھا، جو امام علیؑ کا مستند خطبہ ہے خطبہ کے چند کلمات برائے ملاحظہ گرامی پیش ہیں: "قسم خدا کی ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکر) نے جامۂ خلافت کو کھینچ تان کر بہ تکلف پہن لیا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ میری حیثیت خلافت کے معاملہ میں قطب آسیہ کی ہے۔ مجھ سے علم کی سیل

جاری ہوتی ہے اور میری بلندیوں کو کسی کے خیال کا طائر پرواز چھو نہیں سکتا۔ پس ہم نے خلافت ابو بکر پر پردہ ڈال دیا اور اس سے پہلو تہی کی۔ میں نے سوچا کہ کیا باوجود اپنی بے بسی کے ابو بکر پر حملہ کر دوں یا اس بھیانک اندھیرے پر صبر کر لوں جس کے صدمہ سے بوڑھے بالکل ضعیف ہو گئے، بچے بوڑھے ہو گئے اور مومن رنج اٹھاتے اٹھاتے خدا کی بارگاہ تک پہونچ گئے پس (اسوقت) مناسب یہی معلوم ہوا کہ اس مصیبت پر صبر بہتر ہے، تو میں نے اس عالم میں صبر کر لیا کہ آنکھوں میں مصائب کی کھٹک تھی اور حلق میں رنج و غم کی ہڈی پھنسی ہوئی تھی۔ میں اپنی میراث کو لٹتے ہوئے دیکھتا رہا، یہانتک کہ پہلے خلیفہ نے وفات پائی، مگر اپنے بعد خلافت کو فلاں شخص کے حوالے کر گیا...... بے شک دونوں نے (ناقۂ خلافت کی) پستان کو خوب اچھی طرح دوہا ہے۔ اور اب ایک ایسی درشت اور سخت منزل میں رکھ دیا جس کے زخم کاری ہیں اور جس کا چھونا بھی ناگوار خاطر تھا، جہاں لغزشوں کی کثرت تھی اور معذرتوں کی بہتات۔ اس کو برداشت کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے سرکش اونٹنی کا سوار کہ اگر مہار کھینچ لے تو ناک زخمی ہو جائے اور ڈھیل دیدے تو خود گر پڑے۔ خدا کی قسم! لوگ اسکے سبب سے کجروی، سرکشی، تلون مزاجی اور بے راہ روی میں مبتلا ہو گئے۔ اعتراضوں کی بارش ہونے لگی۔ بہر کیف میں نے اس طویل مدت پر صبر کیا یہانتک کہ یہ شخص بھی اپنے راستہ پر گذر گیا۔ اور امر خلافت کو ایک جماعت کے سپرد کر دیا گیا، جن میں ایک مجھے بھی شمار کر گیا۔ یا اللہ اس شوریٰ سے میرا کیا تعلق؟ مجھ میں پہلے دن کون سا عیب و ریب تھا کہ آج مجھے ایسے لوگوں سے ملایا جا رہا ہے...... یہاں تک کہ اس قوم میں سے تیسرا شخص خلافت پر قائم ہو گیا۔ اور اسکی حالت یہ تھی کہ وہ خود اور اس کے اہل خاندان مالِ خدا کو اس طرح ہضم کر رہے تھے جس طرح اونٹ فصل بہار کی گھاس چر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی بٹی ہوئی رسّی کے بل کھل گئے اور اس کے اعمال نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ اور

شکم پری نے اسے منہ کے بل گرادیا......اس وقت مجھے جس چیز نے دہشت زدہ کردیا وہ یہ تھی کہ لوگ میری طرف ہجوم کرکے آئے، بیعت کے لئے میرے گرد جمع ہوگئے اور چاروں طرف سے میرے اوپر ٹوٹ پڑے۔ یہاں تک کہ حسنؑ و حسینؑ کچل گئے اور میری ردا پھٹ گئی۔ یہ لوگ مجھے بکریوں کے گلہ کی طرح گھیرے ہوئے تھے لیکن جب میں نے امر خلافت کو قائم کیا تو ایک گروہ نے بیعت توڑ دی ۔اور دوسرا دین سے باہر نکل گیا (خارجی ہوگیا) اور تیسرا گروہ فاسق ہوگیا۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان لوگوں نے خدا کا یہ کلام سنا ہی نہیں تھا "تلك الدار الآخرة نجعلها للذين لا يريدون علوافى الارض ولا فسادا والعاقبة للمتقين ☆قصص ۸۳: یعنی آخرت کا مکان ہم نے ان لوگوں کے لئے قرار دیا ہے جو دنیا میں سرداری، جاہ طلبی اور فتنہ وفساد کا ارادہ نہیں رکھتے۔اور آخرت تو بس پرہیز گاروں کے لئے ہے"۔ ہاں ہاں! خدا کی قسم ان لوگوں نے اس کلام کو سنا تھا اور سمجھا بھی تھا لیکن ان کی آنکھوں کے سامنے دنیا حائل ہوگئی اور اسکے جمال نے انھیں لبھالیا۔آگاہ ہوجاؤ! قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو شگافتہ اور ذی روح کی تخلیق کی کہ اگر حاضرین کی کثرت اور ناصرین کا ہجوم نہ ہوتا اور حجت تمام نہ ہوگئی ہوتی اور اللہ کا صاحبان علم سے یہ عہد و میثاق نہ ہوتا کہ خبردار ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی بھوک پر چین سے نہ بیٹھنا تو میں آج بھی اس خلافت کی مہار کو اونٹ کی کوہان پر ڈال دیتا اور اس کے آخر کو اول ہی کے کاسہ سے سیراب کردیتا،اور یہ دنیا تو میرے نزدیک بکری کی چھینک سے بھی زیادہ بے قیمت ہے۔"...... حضرت علی مرتضیٰؑ نے نہایت بلیغ انداز میں مختصر اور جامع خطبہ کے ذریعہ خلافت کی پوری تاریخ پیش کردی ہے۔اس خطبہ کو شیخ محمد خضرمی نے محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ص ۱۲۷، پر درج کیا ہے اور شیخ محمد عبدہٗ مفتیٔ مصر نے نیز علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں اس خطبہ کو تحریر کیا ہے۔صاحبانِ تحقیق کے لئے یہ

ایک بیش قیمت دستاویز ہے۔

اس خطبہ کو پڑھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت علیؑ نے الزام نہیں دیا اور انکی رنجش مٹ گئی اور انھوں نے حضرت ابو بکر کی بیعت کر لی۔'' چلئے تھوڑی دیر کے لئے اگر مان لیا جائے کہ حضرت علیؑ نے خاتونِ جنت فاطمہ زہراؑ کو رات کے وقت دفنانے کے بعد بیعت کرلی تو ایسی صورت میں کچھ سوالات پیدا ہوتے ہیں، جن پر ذرا غور کر کے نتیجہ نکالئے (۱) حضورؐ کی وفات سے بی بی فاطمہؑ کی تدفین تک (یعنی کم و بیش چھ ماہ) حضرت علیؑ نے کسے خلیفہٴ رسول سمجھا اور کس کی امامت میں اعمال انجام دئے؟ اگر اس درمیان حضرت علیؑ کی وفات ہو جاتی تو کیا مستند حدیث رسولؐ کی روشنی میں جاہلیت (یعنی کفر) کی موت نہ ہوتی؟ حدیث پیغمبرؐ ہے کہ ''جسکی اس عالم میں موت واقع ہو کہ اس کو اپنے امام وقت کی معرفت حاصل نہ ہو تو وہ جاہلیت (کفر) کی موت مریگا۔ حدیث رسولؐ)...... کیا حضرت علیؑ یہ خطرہ ایک سکنڈ کے لئے بھی مول لے سکتے تھے؟ (۲) خود فاطمہ زہراؑ خلیفہٴ وقت کی بیعت کئے بغیر دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ انکے بارے میں مذہب اہلسنت کا کیا فیصلہ ہے؟ (۳) خاتون جنت خلیفہٴ اول سے ناراض تھیں، حضرت علیؑ نہیں چاہتے تھے کہ بی بی فاطمہؑ کو ناراض کریں اسلئے انکی زندگی میں بیعت نہیں کی تو کیا انکی وفات کے بعد انھیں دفن کرتے ہی حضرت علیؑ نے خاتونؑ جنت کو بھلا دیا اور انکی روح کی پرواہ کئے بغیر حضرت ابو بکر کی بیعت کر لی؟ (۴) کیا حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی طرح حضرت علیؑ نے بھی حدیث رسولؐ کو فراموش کر دیا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔ ''فاطمہ بضعة منی ...... فاطمہ میرا ٹکڑا ہے۔ جس نے اسے غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا اور جس نے مجھے غضبناک کیا اس نے خدا کو غضبناک کیا......'' (صحیح بخاری)۔ (۵) کیا حضرت علیؑ کے کردار میں کہیں سے یہ بات ملتی ہے کہ وہ ذرا ذرا سی بات میں روٹھ جاتے ہوں؟ کتنی سبک

اور بے مایہ بات ہے کہ ''اہل قریش نے ان سے خلیفہ کے انتخاب میں مشورت نہیں لی'' اور وہ ناراض ہو گئے۔ سبب بتانا تھا تو یہ سبب بتاتے کہ ''صحابہ آنحضرت کی تجہیز و تکفین میں شریک نہیں ہوئے'' اسلئے ناراض ہو گئے۔ یا یہ سبب بتاتے کہ مباہلہ کی صدیقہ کو دربار خلافت میں جھوٹا قرار دے کر ان کا حق غصب کر لیا گیا'' اس لئے حضرت علیؑ ناراض ہو گئے۔ یا یہ ہی سبب بیان کر دیتے کہ ''بیعت کا دباؤ بنانے کے لئے چونکہ کچھ لوگ خانۂ سیدہؑ پر آگ اور لکڑی لے کر گئے تھے، خاتونِ جنت کے پہلو پر دروازہ گرایا تھا جس کے سبب سے بطن مادر میں جناب محسنؑ کی شہادت واقع ہوئی تھی اور خود بی بی فاطمہؑ کے پہلو کی پسلیاں ٹوٹ گئی تھیں جسکی اذیت سے وہ چند ماہ کے اندر اپنے پدر بزرگوارؐ سے جا ملیں۔'' یہ سب اسباب پیش کرتے تو کچھ سچائی بھی ہوتی۔ مگر یہ وہ اسباب ہیں جن کا صدمہ حضرت علیؑ کو تاحیات رہا۔ اسلئے نتیجہ یہی نکلے گا کہ حضرت علیؑ نے کبھی بھی ان کی بیعت نہیں کی۔ اسی لئے امام بخاری کو بہت سوچ بچار کے بعد ایک سبب ''بنانا پڑا'' مگر وہ بھی صاحب فکر و نظر کے لئے ناقابل تسلیم ہے۔

ت: میرے (شیعہ) دوست نے پوچھا کیا آپ کو معلوم ہے کہ عبدالقادر جیلانی کب پیدا ہوئے اور کس دور کے آدمی ہیں؟ میں نے کہا تقریباً چھٹویں یا ساتویں صدی کے۔ اس نے کہا کہ ان کے اور رسول اللہ کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ تو میں نے کہا کہ چھ صدی کا اس نے کہا کہ اگر ایک صدی میں کم از کم دو نسلیں گذرتی ہیں تو ان کے اور رسول کے درمیان بارہ نسلوں کا فاصلہ ہوگا؟ میں نے کہا بے شک! اس نے کہا لیکن حضرت موسیٰ ابن جعفر ابن محمد ابن علی ابن الحسین ابن فاطمہ زہراؑ کا نسب ان کے جد رسول اللہ تک چار ہی پشتوں میں پہونچ جاتا ہے یا یوں کہئے کہ وہ دوسری صدی ہجری میں پیدا ہونے والے شخص ہیں، تو اس طرح رسول اللہؐ سے قریب تر کون ہوگا؟ میں نے بے ساختہ جواب دیا کہ یقیناً یہ قریب تر ہونگے لیکن

ہم ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہیں۔

ر: کیا قرابت ہونے یا نہ ہونے سے قبر کی زیارت کا صحیح ہونا ضروری ہے؟

د: محترم! صرف قرابت رسولؐ سے کچھ نہیں ہوتا۔ قرابت رسول کا شرف تبھی باعث شرف و امتیاز ہو سکتا ہے جب خود اپنا کردار و علم و عمل ایک امتیازی شان کا حامل ہو۔ اسی کے ساتھ کہیں عصمت و امامت کے منصب پر بھی منجانب اللہ فائز ہو تو یقیناً پوری امت کے لئے ایسی ذات قابل صد احترام ہوگی۔ ایسے ہی ولی خدا کا دیدار اور اسکی قبر کی زیارت سے اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ ہوتی ہے اسلئے کہ انبیاء، اولیاء اور اوصیاء کی قبریں شعائر اللہ ہیں۔ ومن یعظم شعائر الله فانها من تقوی القلوب (جو کوئی شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے اسکے دل میں خوف وخشیت الٰہی پیدا ہوتا ہے۔ حج ۳۲) ائمہ طاہرینؑ علم و عمل و کردار کے اعتبار سے معصوم اور نبی اکرمؐ کی احادیث اور قرآن کی روشنی میں امام (منصوص من اللہ) ہوتے ہیں۔ اور انکی ساری زندگی دین کے لئے وقف ہوتی ہے، اسلئے خود انکی زیارت کرنا، قبر کی زیارت کرنا، قبر کا احترام کرنا، فاتحہ پڑھنا وغیرہ در اصل شعائر اللہ کا احترام ہے۔ لہٰذا آنحضرتؐ اور ان کے اہلبیت طاہرینؑ کی قبروں کی زیارت کرنا صحیح، جائز اور موجب سعادت ہے۔

ت: میں نے (ڈاکٹر تیجانی نے) ان سے (بغداد یونیورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر منعم سے) بہت سی باتیں بتائیں اور یہ بھی کہا کہ ہمارے یہاں لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ شب معراج جب جبرئیل ایک مقام پر جا کر ٹھہر گئے تو حضورؐ کو عبد القادر جیلانی اپنے کاندھوں پر لے گئے اور حضورؐ نے یہ سند دی کہ میرے قدم تمہاری گردن پر ہیں اور تمہارے قدم قیامت تک تمام اولیاء کی گردنوں پر رہیں گے۔

ر: کیا یہ قرآن یا حدیث میں کہیں بھی لکھا ہے جسے صحیح سند مانا جائے۔ کیا سارے

اہلسنت اس کی تصدیق کرتے ہیں؟

د: محترم! قرآن یا صحیح حدیث میں ایسی بے سر پیر کی باتیں کیوں کر ہوسکتی ہیں۔ اگر بفرض محال قرآن یا صحیح حدیث میں یہ بات درج ہوتی تو شیعہ حضرات بے چون وچرا تسلیم کرلیتے۔ لیکن اسطرح کی فضول باتیں مکتب شیعہ میں نہیں مل سکتیں۔ معجزات یا کرامات کے شیعہ منکر نہیں ہیں۔ لیکن ہر معجزہ یا کرامات کے پس منظر میں کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ شعبدہ بازی کا نام معجزہ نہیں ہے۔

ت: میں نے ڈاکٹر صاحب (تاریخ کے پروفیسر) سے کہا کہ آپ وہابی الخیال معلوم ہوتے ہیں اور انھیں کی طرح اولیاء اللہ کا انکار کرتے ہیں تو انھوں نے کہا کہ میں ہرگز وہابی الخیال نہیں ہوں اور مسلمان کی افسوسناک بات یہی ہے کہ وہ ہمیشہ افراط یا تفریط کی منزل میں رہتے ہیں یا تمام ایسے خرافات پر ایمان لائینگے جن کی کوئی عقلی یا شرعی دلیل نہ ہو یا تمام اشیاء کا انکار کردینگے۔ یہاں تک کہ پیغمبرؐ کے معجزات اور احادیث کا بھی اقرار نہ کرینگے۔ اگر ان کے خواہشات اور عقائد سے ہم آہنگ نہواسی بعد المشر قین کا نتیجہ یہ ہے کہ صوفی اس امکان کے قائل ہوگئے کہ عبدالقادر جیلانی بیک وقت بغداد اور تیونس میں رہ سکتے ہیں کہ تیونس کے مریض کو شفا دیدیں اور بغداد میں دجلہ میں ڈوبنے والے کو نکال لیں جو افراط کی منزل ہے اور وہابیوں نے اس کے ردِ عمل میں ہر شئے کا انکار کرکے پیغمبرؐ سے توسل کو بھی شرک قرار دیدیا۔

ر: میں وہابی نہیں ہوں مگر یہ پسند بھی نہیں کرونگا کہ کوئی کسی پر غلط بیان دے۔ وہابی رسول اللہؐ کے معجزہ کے قائل ہیں مگر ان کا نظریہ یہ ہے کہ اس پر اتنا منحصر مت ہوجاؤ کہ یہ ایمان بن جائے۔ اور اس کے ذریعہ سے بدعتیں شروع ہوجائیں۔ جیسا کہ صوفیوں میں اب بھی رواج ہے کہ ان کے عالم ولی اللہ ہیں۔ عقیدتمند جمع کرتے ہیں اور معجزہ دکھاتے ہیں۔

د: محترم رزاق بھائی! آپ وہابی بھی نہیں ہیں، صوفی المسلک بھی نہیں ہیں، حنفی عقیدہ کے پیرو بھی نہیں معلوم ہوتے اسلیئے کہ غیر وہابی حنفی کبھی بھی یزید کے نام کے ساتھ ''رحمۃ'' نہیں لکھ سکتا، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے...... بہر حال پھر بھی آپ ابھی مذہب اہلسنت کے ایک رکن ہیں۔ اور مذہب اہلسنت میں بہت سے فرقے ہیں جو ایک دوسرے پر کفر کے فتوے صادر کرتے رہتے ہیں۔ اگر نہیں معلوم ہے تو علم میں اضافہ کے لئے کچھ فرقوں کے نام سن لیجئے۔

۱۔ حنفی: اور اس کے پانچ فرقے ہیں (۱) معتزلہ (۲) بخاری (۳) کرامی (۴) مرجی (۵) جبری۔

۲۔ مالکی: اسکے بھی پانچ فرقے ہیں (۱) خارجی (۲) معتزلہ (۳) مشبھہ (۴) سالمی (۵) اشعری۔

۳۔ شافعی: اسکے چھ فرقے ہیں (۱) مشبھ (۲) سلفی (۳) خارجی (۴) معتزلہ (۵) اشعری (۶) یزیدی۔

۴۔ حنبلی: غالباً یہ ایک ہی فرقہ ہے جس میں کچھ کمی اور زیادتی کر کے محمد ابن عبد الوہاب نے وہابیت کی بنیاد رکھی۔ جواب ناصبی، وہابی، اہلحدیث، اہل القرآن وغیرہ کے نام سے مشہور ہیں۔

۵۔ صوفی: ان کے گیارہ فرقے ہیں (۱) اتحادی (۲) عشاق (۳) نوری (۴) واصلی (۵) نظری (۶) حلوی (۷) شمراخی (۸) سماعی (۹) باطنی (۱۰) شارکی (۱۱) وحدتی۔

فرقہ وہابیہ: اس فرقہ کے بانی محمد ابن عبد الوہاب ہیں جو برطانیہ کے جاسوس ''ہمفرے'' کی تلاش و تربیت کا نتیجہ تھے۔ ۱۲۱۱ھ میں سرزمین نجد میں ظاہر ہوئے اور آزادی اسلام کے نام پر ایک نئے فرقہ کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے مکہ اور مدینہ پر حملہ کیا اور وہاں کے مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ صادر کر کے حکم جہاد دے

دیا۔ چنانچہ کثیر تعداد میں مسلمانوں کا خون بہایا گیا نیز جگر گوشۂ رسولؐ حضرت فاطمہ زہراؑ اور ذریت طیبہ میں چار ائمہ طاہرینؑ کے روضوں کو مسمار کیا گیا۔ علامہ شامی ''ردالمختار حاشیہ درالمختار'' جلد۳ ص ۳۰۱ مطبوعہ مصر میں تحریر فرماتے ہیں''

وقع فی اتباع ابن عبدالوهاب الذین خرجوا من نجد ......الخ یعنی

''پیروانِ ابن عبدالوہاب نے نجد سے نکل کر مکہ اور مدینہ پر حملہ کیا اور اس پر غالب آئے۔ وہ اگرچہ اپنے کو حنبلی مذہب کا پیرو بتاتے تھے لیکن ان کا عقیدہ تھا کہ مسلمان صرف وہی ہیں جو ان کے ہم عقیدہ ہیں اور جو لوگ عقیدہ میں ان کے مخالف ہیں سب مشرک ہیں۔ انھوں نے اہلسنت والجماعت اور ان کے علماء کا خون (قتل) مباح کردیا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انکی شوکت توڑ دی......''

جہاں تک رسول خداؐ کے صاحب معجزہ ہونے کا سوال ہے تو نبیؐ کا صاحب اعجاز ہونا اور اسے تسلیم کرنا جزو ایمان ہے۔ نبیؐ اور ان کے اوصیاء کے معجزات سے صوفیوں اور ولیوں کے کرامات سے کیا تعلق ہے البتہ اگر کوئی صوفی یا ولی واقعاً صاحب کرامت ہے تو اسکی کرامتوں سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ہاں! شعبدہ بازیوں کی دین اسلام میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ معجزات کے حامل صرف معصوم ہوتے ہیں۔ چاہے وہ نبی ہوں یا نبی کے وصی، یعنی منتخب پروردگار ہونا ضروری ہے۔ غیر معصوم صاحب معجزہ نہیں ہوسکتا ہے۔ اب اگر معجزہ اور کرامات کی تفصیل میں جایا جائے تو ایک پوری کتاب شاید ناکافی ہو۔ کرامت کے سلسلہ میں مختصراً یوں سمجھئے کہ کسی صاحب اعجاز کو وسیلہ بنا کر کسی غیر عادی بات کا ظہور پذیر ہونا کرامت ہے۔

معجزہ کی اجمالی حقیقت: آیۃ اللہ مکارم شیرازی کی تحریر کی روشنی میں معجزہ کی اجمالی حقیقت یہ ہے کہ معجزہ کسی غیر معقول، ناممکن، غیر عملی اور غیر منطقی عمل کا نام

نہیں ہے۔ معجزہ ایک ایسی خلاف عادت اور غیر معمولی شئے کا نام ہے جو عام انسانوں کے اقتدار و اختیار سے باہر ہو اور مافوق الطیبۃ'' طاقت کا سہارا لئے بغیر نا قابل اظہار ہو۔ معجزہ کے لئے حسب ذیل شرائط و خصوصیات کا ہونا ضروری ہے۔

۱۔ معجزہ عقل و علم کی روشنی میں امر معقول اور قابل وقوع ہو۔

۲۔ معجزہ ایک خارق عادت اور غیر معمولی عمل ہوتا ہے جسے دنیا کے تمام دانشور اور اربابِ ریاضت بھی بشری طاقت و قوت پر انجام نہیں دے سکتے۔

۳۔ معجز نما کے لئے ضروری ہے کہ وہ نہایت ہی اطمینان و سکون کے ساتھ تمام ارباب عقل و دانش سے مقابلہ کی طاقت رکھتا ہو۔ اور وہ دعوت مقابلہ دے کر عاجز کر سکے۔ جسکی واضح مثال قرآن و اہلبیتؑ ہیں۔ قرآن کی حقیقت کو سمجھنے سے آج بھی عقلیں حیران اور عاجز ہیں جیسا کہ ایک فرانسیسی مسیحی اسکالر ڈاکٹر مارلیس بکائے اپنی عاجزی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(Quraan and Science page 25'' It is impossible to explain how a text produced at the time of Quraan could have contained that ideas which have only been discovered in the modern times.'' یعنی یہ بتانا ناممکن ہے کہ کیسے (آج سے چودہ سو سال پہلے) لکھی گئی کتاب (قرآن) میں وہ تمام باتیں موجود ہیں جن کا انکشاف موجودہ 'ماڈرن سائنس' کے دور میں ہوا ہے''

......علماء سائنس کا اعتراف عجز، قرآن کے معجزہ ہونے کی ایک بین دلیل ہے۔ یہی صورت آپ کو اہلبیتؑ کے سلسلہ میں بھی نظر آئے گی۔ حضرت علیؑ کی

اعجازی شان کو دیکھ کر نصیریوں کا انھیں خدا کہہ دینا یا امام شافعی کا فرمانا کہ وما ت الشافعی لایدری ☆ علی ربہ ام ربہ اللہ اسی عاجزی کا نتیجہ ہے۔ میدانِ مباہلہ میں اہلبیتؑ (علیؑ فاطمہ، حسنؑ حسینؑ) کو دیکھ کر نصارائے بنی نجران کا کہہ اٹھنا کہ ہم ان سے مباہلہ نہیں کر سکتے کیوں کہ یہ وہ ہستیاں ہیں جو اگر اشارہ کر دیں تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں، یہ انکی اعجازی شان کا اعتراف ہی تو ہے۔ ائمہ طاہرینؑ کے معجزات کے لئے علمائے اہلسنت کی متعدد کتابیں ہیں مثلاً شواہد النبوۃ، ملا جامی، نور الابصار، علامہ شبلنجی وغیرہ۔

۴۔ معجزنما کبھی اپنے مدمقابل سے معنوی شکست سے دوچار نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ معجزہ کا سرچشمہ ایک لازوال اور غیر محدود طاقت ہے جسکے لئے شکست ناممکن ہے۔

۵۔ ہر علت کا کوئی معلول ہوتا ہے۔ معجزہ رونما ہونے کا بھی کوئی نہ کوئی سبب ہونا ضروری ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس سبب تک رسائی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے۔

۶۔ معجزہ رب العالمین سے گہرے روابط کی نشانی ہوتا ہے۔

بہر حال یہ سچ ہے کہ بعض ناعاقبت اندیش افراد غیر معقول اور لایعنی حرکتوں کو معجزہ کا نام دے کر شہرت دیتے رہتے ہیں، جنکا واقعیت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معمولی علم والے افراد ایسے ہی معجزات و کرامات کو دیکھ کر یا سن کر مذہب سے بدظن ہو جاتے ہیں پھر ان کا اعتبار واقعیت یعنی معجزہ کی حقیقت سے بھی اٹھ جاتا ہے۔ لیکن اس کا علاج انکار معجزہ نہیں ہے۔ بدعت پھیلنے کے اندیشہ سے حقیقت سے انکار کر دینا یا اسے سبک قرار دینا اصول اسلام کے منافی ہے۔

ت: میں اپنے دوست کے گھر میں تین دن مقیم رہا جس میں آرام بھی کیا اور مسلسل ان بیانات پر فکر بھی کرتا رہا جو ان لوگوں سے سنے تھے جن کا تازہ انکشاف ہوا تھا

اور گویا کہ یہ لوگ سطح قمر پر آباد تھے تو کیوں ایسا ہوا کہ ہر شخص ان کے بارے میں وہی تذکرہ کرتا تھا جو عیب دار اور توہین آمیز ہو اور کیوں میں خود ان سے بیزار اور متنفر ہوں جب کہ میں انھیں پہچانتا بھی نہیں، شاید یہ پروپگنڈوں کا نتیجہ ہے جو ان کے بارے میں بارہا سنا ہے کہ یہ لوگ علیؑ کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اپنے ائمہ کو خدا کی جگہ پر رکھتے ہیں اور حلول کے قائل ہیں یا خدا کو چھوڑ کر پتھر کو سجدہ کرتے ہیں۔ یا جیسا کہ حج سے واپسی پر میرے باپ نے بیان کیا تھا کہ یہ لوگ قبر پیغمبرؐ کے پاس وہاں نجاستیں ڈالنے کے لئے آتے ہیں اور ان کو سعودیوں نے گرفتار کر کے پھانسی بھی دی ہے۔

ر: (۱) پتھر کی حقیقت کیا ہے؟ کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟
(۲) یہ شخص حج و عمرہ کو جا چکا ہے اور اپنی آنکھوں سے صحیح یا غلط کا مشاہدہ کیا ہوگا اپنے والد کی غلط بیانی کو کیوں اپنے ذہن سے نہیں نکال رہا ہے؟

د: (۱) **حقیقت سجدہ گاہ:** برادر محترم! جیسا کہ آپ جانتے ہیں تمام عبادتوں میں نماز افضل ترین عبادت ہے۔ اور نماز کے تمام ارکان میں سجدہ کی منزلت سب سے زیادہ ہے۔ انکساری، تواضع اور عبدیت کی معراج کا نام ''سجدہ'' ہے۔ اپنی بلند ترین پیشانی کو اللہ کی بندگی کے لئے خاک پر رکھ دینا ہی معراجِ بشریت ہے۔ یہاں تک تو سبھی متفق ہیں، عقیدہ میں بھی اور عمل میں بھی۔ اب بات سجدہ گاہ کی آتی ہے کہ معراج عبدیت کو حاصل کرنے کیلئے پیشانی کس خاک پر رکھی جائے؟ حضور اکرمؐ نے سجدہ گاہ کا اہتمام کیا یا نہیں، اس پر گفتگو کرنے سے پہلے ذرا اس پر بھی غور کر لیجئے کہ عقلاً سجدہ گاہ کا استعمال درست ہے یا نہیں؟ یہ تو طے ہے کہ خاک پر (مٹی پر) سجدہ کرنا انسب ہے۔ یعنی کپڑے، چٹائی، لکڑی وغیرہ کے مقابلہ میں خاک پر سجدہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ سجدے کے لئے خاک کیسی ہو؟ نجس ہو کہ پاک؟ کسی مرغزار، جھاڑ جھنکاڑ، گندی جگہ کی مٹی پر سجدہ

کیا جائے یا اسکے مقابلہ میں کسی صاف شفاف میدان یا کھیت و باغات کی زمین پر سجدہ کرنا بہتر ہے؟ سرزمین ہند کی مٹی کے مقابلہ میں مدینہ منورہ، نجف اشرف، کربلائے معلیٰ کی مٹی افضل ہوگی یا نہیں؟ اسی طرح اس زمین کی مٹی جس پر حضور اکرمؐ، انکی ذریت طیبہ اور اصحاب باوفا کے قدم کی خاک پڑی ہو یا جس مٹی میں ان کا پسینہ مل گیا ہو یقیناً وہ مٹی سجدہ کے لئے دوسری تمام مٹی سے افضل اور بہتر ہوگی۔ اب اگر کسی خاک میں ان نفوس مقدسہ کا خون ملا ہوا ہو تو یقیناً وہ افضل ترین مٹی ہوگی، جس پر سرِ نیاز خم کرنا بہترین سجدہ کا مظہر ہوگا۔ مگر چونکہ ہر جگہ یہ خاک دستیاب نہیں ہوسکتی اسلئے اس کا اہتمام کرنا ہوگا۔ اسکے لئے مناسب ترین طریقہ یہی ہے کہ اس طیب و طاہر اور مقدس خاک کی ٹکیہ بنالی جائے اور حسب ضرورت اس پر سجدہ کیا جائے۔ عقلی استدلال کے بعد اب آیئے چند مستند روایات بھی پیش ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم بھی الگ سے سجدہ گاہ کا اہتمام فرماتے تھے۔

۱۔ آنحضرتؐ نے فرمایا سجدہ کے لئے بہترین جگہ مٹی ہے یا پھر ایسی چیز ہے جو زمین سے اُگی ہو۔ (کنز العمال جلد۴ ص ۱۱۳)

۲۔ ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ انھوں نے آنحضرتؐ کو نم مٹی پر سجدہ کرتے ہوئے دیکھا حتیٰ کہ مٹی کے ذرات حضرت رسول خداؐ کی پیشانی پر نظر آنے لگے (صحیح بخاری حصہ اول ۱۰۴)

۳۔ آنحضرت سجدہ کے لئے پیشانی مٹی پر رکھا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری حصہ اول ص ۷۹)

۴۔ ام المومنین میمونہؓ فرماتی ہیں کہ رسول مقبولؐ خمرہ (سجدہ گاہ) پر نماز پڑھتے تھے (صحیح بخاری حصہ دوم ص ۲۱۴، ۲۴۳، جامع ترمذی ص ۴۶، کنز الالعمال جلد دوم ص ۱۲ وغیرہ)

۵۔ مولانا وحید الزماں خاں صاحب عالم اہلسنت ''وحید الغات باب ۷ ص ۱۱۸، پر تحریر فرماتے ہیں کہ ''حضرت رسول خداؐ نے ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے فرمایا مسجد سے خمرہ (سجدہ گاہ) لے آؤ لفظ خمرہ کے معنی کھجور کے پتوں سے بنایا ہوا ایسا چھوٹا سا ٹکڑا جس پر پیشانی سجدہ کرتے وقت لگائی جا سکے۔'' مولانا وحید الزماں خاں صاحب مزید لکھتے ہیں کہ ''میں اس رائے کا حامل ہوں کہ اس روایت کی رو سے سجدہ گاہ رکھنا سنت ہے۔ وہ لوگ جو اس کو منع کرتے ہیں اور رافضیوں کا طریقہ کہتے ہیں غلطی پر ہیں۔ اس سنت پر عمل کرنے کی غرض سے میں اکثر ایک کھجور کے پنکھے پر سجدہ کرتا ہوں۔ اور جاہلوں کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتا۔'' محترم! رزاق بھائی! اطمینانِ قلب کے لئے مندرجہ بالا تحریر کافی ہے۔ مزید تحقیق کے لئے حافظ علی بہادر خاں صاحب (حنفی) مرحوم کی کتاب ''سجدہ گاہ'' کا اور علامہ سید علی نقی صاحب مرحوم کی اسی موضوع پر کتاب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

(۲) شیعیت کے خلاف جو دن رات پروپگنڈے ہوتے رہتے ہیں وہ برادران اہلسنت کے بچوں کے ذہن میں راسخ ہوتے رہتے ہیں اور جب ایک چیز بچپن سے ذہن نشین ہو جاتی ہے تو اسے ذہن کے پردے سے صاف کرنے اور اس پر دوسرے نقوش ابھارنے میں بہر حال وقت لگتا ہے۔ اب آپ خود اپنے آپ کو لے لیجئے۔ آپ کے سامنے تمام حقائق کو آشکار کر کے رکھا جا رہا ہے، لیکن اگر میں یہ امید کروں کہ اس تحریر کو ایک بار پڑھ لینے کے بعد آپ کے تمام شکوک شیعیت کے بارے میں ختم ہو جائیں گے تو یہ میری نادانی ہوگی۔ بار بار جب آپ اسے پڑھیں گے، حوالہ جات کی مطابقت کریں گے اور حق و باطل کو سمجھنے پر کوشش صرف کریں گے تو مختلف کیفیات آپ کے ذہن میں پیدا ہونگی، فکری جزرومد پیدا ہوں گے، دیرینہ نقوش کبھی مٹیں گے اور کبھی پھر ابھر کر سامنے آئیں گے...... عجب کشمکش کی صورت پیدا ہوگی۔ پھر جب فکر میں استقلال اور عزم میں پختگی پیدا

ہوگی، حق کی روشنی باطل کی تاریکی پر چھا جائے گی تب کہیں حق کی قبولیت کا شرف حاصل ہو سکے گا...... مگر ان حالات سے گذر کر منزل تک پہونچنے میں وقت لگے گا۔ تیجانیؔ صاحب نے جس وقت کے حالات قلمبند کئے ہیں، اس عالم میں ذہنی قلابازیاں بعید از امکان نہیں ہیں۔

ت: بھلا کیسے ممکن ہے کہ مسلمان ایسی باتیں سنیں اور شیعوں سے بیزار اور متنفر نہ ہوں یا ان سے جہاد نہ کریں لیکن میری مشکل یہ ہے کہ میں ان اخبار کی کس طرح سے تصدیق کروں جبکہ میں نے اپنی آنکھوں سے بہت کچھ دیکھا ہے اپنے کانوں سے بہت کچھ سنا ہے اور اب تو انکے درمیان رہتے ہوئے ایک ہفتہ سے زیادہ گذر چکا ہے جبکہ میں نے ان سے سوائے منطقی کلمات کے اور کوئی بات نہیں سنی ہے۔ وہ کلمات جو عقل میں بلا کسی اجازت کے داخل ہو جاتے ہیں بلکہ مجھے ان کی عبادت، نماز، دعا، اخلاق اور احترام علماء نے اس قدر متاثر کیا ہے کہ میں انھیں جیسا بننا چاہتا ہوں۔

ر: پہلے صوفی، پھر وہابی اور اب تیسرا رنگ شیعوں سے متاثر! کیا یہ شخص متوازن دماغ والا نہیں ہے؟

د: نہیں محترم! نہیں!! یہ شخص (ڈاکٹر تیجانی) بالکل متوازن دماغ والا معلوم ہوتا ہے، جبھی تو اسکی فکر و جستجو کے قدم غیر متوازن عقائد پر نہیں ٹک پا رہے ہیں۔ بعد از تلاش بسیار شیعیت بکنار ہونے کے بعد اب دیکھئے کہ ڈاکٹر تیجانی کی فکر و نظر کے سمندر میں پہلے ہی جیسا تلاطم ہے یا سکون؟ الحمد للہ اب انھیں بے حد سکون اور اطمینان ہے۔ کیوں کہ وہ جب تک مختلف مذاہب کے چوراہے پر کھڑے تھے، فکر مند تھے...... پریشان تھے...... تذبذب میں تھے کہ ان میں ''صراط مستقیم'' کون ہے۔ اسی لئے کبھی اِسے صحیح سمجھا اور کبھی اُسے جب ایک راستہ کی خامیاں نظر آئیں تو دوسرے کو بہتر سمجھا، پھر اسکی کمیاں سامنے آئیں تو تیسرے راستہ پر چل

پڑے۔ آخرش وہ راستہ مل گیا جسکی ہر روش علم و عمل، عدل وانصاف، عبادت و ریاضت، شجاعت و کرامت اور سکون واطمینان کے لازوال گل وبلبل سے مزین اور پُر بہار ہے۔ اس راستہ کا اختتام ''آخرت بخیر'' یعنی منزل نجات پر ہے۔ ''صراط مستقیم'' کو حاصل کرنے کے بعد محترم تیجانی صاحب کو دلی سکون حاصل ہوگیا، ایسا سکون ملا کہ دل میں ایک ارمان مچلنے لگا کہ کاش میں تمام مسلمانوں کو سمجھا سکتا کہ ''مسلک اہلبیت'' ہی صراط مستقیم ہے۔ اسی لئے موصوف نے ''ثم اهديت'' (مجھے راستہ مل گیا) ''اہل الذکر'' کونوامع الصادقین'' وغیرہ معرکۃ الآرا کتابیں لکھیں فمن شاء اتخذالیٰ ربہ سبیلا ☆ اب جو چاہے اس منارۂ ہدایت سے ''صراط مستقیم'' حاصل کرلے۔

ت: بارہا ان کے (شیعہ حضرات کے) سامنے حضورؐ کا تذکرہ کیا اور ہر مرتبہ ان لوگوں نے بلند آواز سے صلوات پڑھی کہ مجھے یہ خیال پیدا ہوگیا کہ یہ سب منافق ہیں لیکن یہ خیال اسوقت ختم ہوگیا جب میں نے ان کی کتابوں کی ورق گردانی کی اور پیغمبرؐ کے بارے میں بے حد احترام اور تقدیس کے کلمات دیکھے جو اپنی کتابوں میں نہیں دیکھے تھے۔ یہ لوگ قبل بعثت اور بعد بعثت پیغمبرؐ کی مکمل عصمت کے قائل ہیں جبکہ اہلسنت صرف تبلیغ قرآن میں معصوم مانتے ہیں۔ اور باقی مقامات پر ایک خطا کار بشر قرار دیتے ہیں۔ اور اکثر اوقات ان کی خطا اور صحابہ کی صحیح رائے کی مثالیں بھی دیتے ہیں جبکہ شیعہ اس بات کو شدت سے ٹھکرا دیتے ہیں کہ رسول اللہؐ غلطی کریں اور کوئی دوسرا شخص صحیح کہے، تو میں ان حالات میں کس طرح اس بات کی تصدیق کرسکتا ہوں کہ یہ لوگ رسول اللہؐ کو ناپسند کرتے ہیں۔

ر: لوگ کسی واقعہ سے یہ کیوں اخذ کر لیتے ہیں کہ رسول اللہؐ کی غلطی سمجھ کر اسے سدھارتا ہے۔ نہیں! بلکہ اس سے یہ مطلب نکالنا چاہئے کہ وہ کسی بھی مسئلہ میں ایک اچھی سی رائے یعنی مشورہ دیتا ہے۔ اسکی مثال ایسی ہی ہے جیسے سورۂ بقرہ میں

آیت رقم ۲۸۶ کے الفاظ میں (نبیؐ) کہتے ہیں "ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا ...... کیا اس سے یہ مطلب ہے کہ رسولؐ غلطی کرتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں!! ایسی کئی مثالیں قرآن میں ہیں جہاں اللہ تعالیٰ رسول اللہؐ سے فرماتا ہے۔ میری ہر بات جو تم پر نازل ہوتی ہے اسے لوگوں تک پہونچا دو اگر ایسا نہیں کروگے تو تم نے اپنا فرض پورا نہیں کیا۔ کیا اسکا یہ مطلب لیں کہ رسولؐ کچھ باتیں اللہ کی چھپایا کرتے تھے۔ نہیں ہرگز نہیں!!

د: احترام بنوت شیعوں کی نظر میں کیا ہے اور احترام بنوت مذہب اہلسنت کے نزدیک کتنا ہے اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو "مقدمہ کتاب جستجو" میں کی جا چکی ہے۔ "رنگیلا رسول" اور "شیطانی آیات" جیسی ناپاک کتابیں ہمارے ناعاقبت اندیش اور زرخرید علماء اہلسنت کی ہی دین ہیں پیغمبر اسلامؐ کی بابت یہ لکھنا کہ وہ ایک شب میں اپنی تمام بیویوں سے ہم بستری فرماتے تھے جو کہ تعداد میں گیارہ تھیں، یا یہ تحریر کرنا کہ آپ کے پاس تیس مردوں کی قوتِ مردانگی تھی...... وغیرہ وغیرہ کیا شانِ رسالت میں بڑی بے ادبی اور گستاخی نہیں ہے؟ کیا ایسی روائتوں سے ایک غیر مسلم یا روشن خیال انسان پیغمبر اسلام کو متہم نہیں کر سکتا ہے کہ انھوں نے (معاذ اللہ) شہوت پرستی کا ایک کھیل رچا تھا؟...... اسی طرح عبد اللہ ابن ابی (منافق) کے کفن کے لئے حضورؐ اپنا کرتہ دیدیں، اسکی نماز جنازہ پڑھا دیں اور اسکے لئے مغفرت کی دعائیں مانگیں۔ العجب ثم العجب!! کہ حضرت عمر بارہا منع فرما رہے ہیں پھر بھی رسولؐ نہ مانے اور اس منافق کی نماز پڑھا دی۔ یہانتک کہ اللہ تعالیٰ کو تہدیدی آیت نازل کرنی پڑی۔

محترم! یہ عقیدۂ اہل سنت تو ہوسکتا ہے، مگر شیعوں کا نہیں۔ شیعوں کے عقیدہ کے مطابق تو رسول اکرمؐ اور ان کے اہلبیتؑ قرآن مجید کی اس آیت کے مصداق تھے وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ ☆ یعنی آپ لوگ (اے محمدؐ و آلِ محمد) کچھ چاہتے

ہی نہیں سوائے اسکے کہ جو اللہ چاہتا ہے۔ مـا یـنـطـق عـن الهـوی ان
هـو الا وحی یوحی کے تحت نبی کی گفتگو وحی الٰہی کی پابند ہوتی ہے جسکا ارادہ اپنا
ارادہ نہ ہو اور جسکی گفتگو وحی کی پابند ہو اس نبیؐ سے اختلاف رائے کا حق کسی کو کہاں
سے حاصل ہوا...... ؟ نبی کو مشورہ دینا جسارت ہے پھر بھی نئے نئے اسلام قبول
کرنے والوں کی دلجوئی کے لئے حکم پروردگار ہوا کہ وشاورهم فی الامر......
(آل عمران ۱۵۹) یعنی اے نبیؐ! کام کاج کے بارے میں آپ ان سے (یعنی
مسلمانوں سے ظاہراً) مشورہ کرلیا کریں، لیکن کیجئے وہی جس میں آپ کا پختہ
ارادہ ہو، پھر اللہ پر بھروسہ رکھئے بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت
کرتا ہے۔'' اس آیت کی تشریح میں مولانا صلاح الدین یوسف صاحب نے بھی
لکھا ہے ''یعنی مسلمانوں کی طیب خاطر کے لئے مشورہ کرلیا کریں'' ...... محترم
رزاق بھائی! مشورہ کے نام پر یہ جسارت کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے کہ (مذہب
اہلسنت کے مطابق) نبی اکرمؐ کی بیویاں بے پردہ تھیں مگر آنحضرت کو کوئی فکر نہ
تھی، یہانتک کہ حضرت عمر کو بار بار روکنا اور ٹوکنا پڑا، پھر بھی نبیؐ نے کوئی دھیان
نہیں دیا بالآخر حضرت عمر کی تائید میں پردہ کی آیت نازل ہوگئی، ان حالات میں تو
اللہ کے رسول کو رسالت سے استعفاء دے کر تاجِ نبوت حضرت عمر کو پہنا دینا چاہئے
تھا کہ آپ اللہ کے مزاج سے زیادہ واقف ہیں۔ شیعوں کے نزدیک کسی معصوم سے
غیر معصوم کا اختلاف کرنا اور اپنی رائے پر اصرار کرنا جائز نہیں ہے۔ نبی کا غیر معصوم
سے مشورہ لینا صرف ان کے طیب خاطر کے لئے ہے، ضروری نہیں ہے۔ بلکہ نبی کو
مشورہ دے کر اصرار کرنا گستاخی ہے، بے ادبی ہے اور عرفان کی کمی ہے۔ بہرحال
نبی کریگا وہی جس میں اسکا ارادہ مصمم ہے۔

ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا...... ایک عام دعا ہے جو قرآن پاک
میں اللہ نے اپنے نبیؐ کے ذریعہ ہم گناہگار بندوں کو تعلیم فرمائی ہے۔ اس طرح کی

بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت آئتیں قرآن میں ملیں گی جنھیں علماء اہلسنت نے براہ راست نبی کریمؐ کی طرف منسوب کیا ہے جبکہ ان کا تعلق سرکار دو عالمؐ سے نہیں ہے۔ یہ تو آپ نے بالکل صحیح تحریر فرمایا ہے کہ "رسولؐ سے غلطی ہرگز نہیں ہوسکتی"۔ جب اُن سے غلطی نہیں ہوسکتی تو انھیں کسی صحابی کا مشورہ دینا اسکے عرفان کی کمی پر دال ہے یا نہیں؟ اور جسے نبیؐ کا عرفان حاصل نہ ہو اسے نبیؐ کا جانشین بنانا یا تسلیم کرنا منصب نبوت سے نابلد ہونے کی دلیل ہے۔

محمدؐ اور آل محمدؑ پر درود شریف

ت: (تیجانی نے اپنے شیعہ دوست سے کہا) آپ لوگ علیؑ کرم اللہ وجہٗ کو بمنزلہ انبیاء سمجھتے ہیں اور جب ان کا ذکر آتا ہے تو علیہ السلام کہتے ہیں۔ (شیعہ دوست نے جواب دیا) یقیناً ہم امیر المومنین اور ائمہ کے ذکر پر انھیں علیہ السلام کہتے ہیں لیکن اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ حضرات انبیاء ہیں۔ یہ رسولؐ کی ذریت اور انکی عترتؑ ہیں جن پر صلوات بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسی بنا پر ان پر علیہ الصلوٰۃ والسلام کہنا درست ہے۔

ر: اہلسنت اور شیعہ میں اختلاف "علیہ السلام" لفظ استعمال کرنے کا نہیں ہے۔ اختلاف اسمیں ہے کہ جب امام علیؑ کے ساتھ علیہ الصلوٰۃ والسلام استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما ☆ یعنی صلوات صرف رسول کے لئے ہی ہے۔ ہاں رسولؐ کے نام کے ساتھ اگر اسکے تابع میں رہ کر اگر کہے کہ "وعلیٰ آلِ محمدؐ یعنی اللھم صل علیٰ محمدٍ و علیٰ آلِ محمد" کہے تو جائز ہے۔ بغیر محمدؐ کے نام کے یعنی صرف انکے خاندان کی کسی فرد کا نام لیکر "صل"، ہم نہیں کہہ سکتے۔ یہ مصنف کیسا شخص ہے جسے اتنی چھوٹی

سی بات بھی معلوم نہیں۔

د: محترم رزاق بھائی! جب آپ نے یہ تسلیم کرلیا کہ آلِ محمدؑ پر درود وسلام بھیجنا جائز ہے۔ تو اب یہ بیکار کی بحث کہ نبیؐ کے ساتھ تابع بنا کر آلِ محمدؑ پر درود بھیجا جائے یا الگ سے بھی ان پر درود بھیجا جاسکتا ہے۔ سیدھے ناک پکڑیئے یا ہاتھ گھما کر بات ایک ہی ہے۔ بیجا تاویلیں ہوسکتا ہے کہ آلِ محمدؑ سے کدورت کو ظاہر کرتی ہوں اسلئے آلِ محمدؑ کے بارے میں جو کہیئے سنبھل کر کہیئے۔ محترم! بات صرف جائز ہونے کی نہیں ہے بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے محمدؐ وآلِ محمدؑ پر درود بھیجنا واجب ہے، فرض ہے۔ کیوں کہ صلوٰۃ وتحیات جزوِ نماز ہے۔ محمد وآلِ محمدؑ پر درود بھیجے بغیر نماز درست نہیں ہوسکتی۔ جبھی تو امام شافعی نے اہلبیت طاہرینؑ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے کہا۔

یااهل بیت رسول الله حبکم　　فرض من الله فی القرآن انزله

کفاکم من عظیم القدر انکم　　من لم یصل علیکم لاصلوٰة له

یعنی ”اے اہلبیت رسول آپ کی محبت وہ فریضہ الٰہی ہے جس کو قرآن میں نازل کیا گیا ہے۔ آپ کی عظمت وشان کے لئے یہی کافی ہے کہ جو آپ پر صلوٰۃ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہے“۔ اسی طرح نماز جنازہ میں بھی دوسری تکبیر کے بعد آل محمدؑ پر درود بھیجنا واجب ہے۔ یعنی اہلبیت رسولؐ نماز کی قبولیت کے بھی ضامن ہیں اور مرنے کے بعد نجات بھی انھیں سے وابستہ ہے۔

ت: اس (آیہ صلوٰۃ) کے بارے میں تمام شیعہ اور سنی مفسرین کا اجماع ہے کہ جن اصحاب کو مخاطب بنایا گیا ہے وہ رسولؐ اللہ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ہم آپ پر سلام کا طریقہ جانتے ہیں لیکن صلوٰۃ کا طریقہ نہیں جانتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ کہو ”اللهم صل علی محمد وآلِ محمد کما صلیت علیٰ ابراهیم و آلِ ابراهیم فی العالمین انك حمیدٌ مجید ☆ اور خبردار مجھ

پر ناقص صلوات نہ پڑھنا، پوچھا گیا یا رسول اللہ یہ ناقص صلوات کیا؟ تو فرمایا کہ "اللھم صل علی محمد" کہہ کر خاموش نہ ہو جاؤ۔ اور یاد رکھو کہ اللہ کامل ہے تو کسی ناقص کو قبول نہیں کرتا۔

ر: (۱) لفظ آل کیا ہے؟

(۲) صلوات میں صحیح لفظ استعمال کرنے کی اور مکمل الفاظ استعمال کرنے کی ہدایت ہے یعنی اللھم صل علیٰ محمد...... وعلیٰ آلِ محمد...... خیر، آلِ محمد کون اور کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ رسولؐ کی کوئی نرینہ اولاد زندہ نہیں رہی تھی جس سے کوئی نسل چل سکے۔ خیر علماء نے رسولؐ کی بیٹیوں کی اولاد کو آلِ محمد مان لیا، اس پر مجھے زیادہ بحث نہیں کرنا ہے۔ ہاں یہ سوال ضرور پوچھونگا کہ کیا آلِ رسولؐ میں علی کرم اللہ...... کا شمار ہوتا ہے؟

د: محترم! آلِ محمدؐ و اہلبیت رسولؐ کی تفصیلی وضاحت آیۂ تطہیر، آیۂ مباہلہ اور آیۂ مودت کے ذیل میں کی جا چکی ہے۔ اسلئے اب اس موضوع پر مزید بحث کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ پھر بھی مزید تشفی کے لئے چند جملے پیش ہیں۔ حقیقت سے واقف ہونے کے بعد بھی اکثر اہلسنت حضرات کے دل میں یہ کھٹک پیدا ہوتی رہتی ہے کہ "آلِ" میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور انکی ذریت پاک کیسے آسکتی ہے، جبکہ آنحضرتؐ کے کوئی اولاد نرینہ زندہ نہیں تھی جس سے آپؐ کی نسل چلتی......

اور دوسری کھٹک پیدا ہوتی ہے کہ حضرت علیؑ آل محمدؐ یا اہلبیت رسولؐ میں کیسے شامل ہو سکتے ہیں؟ محترم! اگر عدل و انصاف کا دامن مضبوطی سے ہاتھوں میں رہے، حضرت علیؑ سے کوئی بدنیتی شامل نہ ہو اور کھلے دل سے مطالعہ کیا جائے تو (۱) آیۂ تطہیر کی متفق علیہ تفاسیر سے ہی اطمینان ہو جانا چاہیئے کہ اہلبیتؑ (یعنی آل) میں حضرت علیؑ، حضرت فاطمہ زہراؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ نیز انکی ذریت پاکؑ شامل ہیں (ب) آیۂ مباہلہ کی متفق علیہ تفسیر بتائیگی کہ "نفس

رسولؐ'' حضرت علیؑ ہیں، بیٹے کی منزل میں امام حسنؑ وامام حسینؑ ہیں اور نساء کی جگہ ''اکلوتی بیٹی'' فاطمہ زہراؑ ہیں۔ نفس' بیٹے اور بیٹی آل میں نہ ہونگے تو اور کون ہوسکتا ہے۔(ت) آیۂ مودۃ کی متفقہ تفسیر گواہ ہے کہ جن ''قربیٰ'' کی پاک محبت (مؤدت) تمام مسلمانوں پر فرض قرار دی گئی ہے، وہ آل محمد ہیں اور انکی ذریت طیبہ ہے۔(ث) سورہ آلِ عمران کی آیت میں ارشاد پروردگار عالم ہورہا ہے ان اللہ اصطفیٰ آدم و نوحا وآلِ ابراھیم و آلِ عمران علی العٰلمین ☆ یعنی '' بے شک اللہ نے آدمؑ کو نوحؑ کو آلِ ابراہیمؑ کو اور آلِ عمرانؑ کو منتخب کرلیا۔'' مصحف سعودیہ میں لکھا ہے کہ ''انبیا علیہم السلام کے خاندانوں میں دو عمران ہوئے ہیں ایک حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ علیہما السلام کے والد اور دوسرے حضرت مریم علیہا السلام) کے والد۔ اس آیت میں اکثر مفسرین کے نزدیک یہی دوسرے عمران مراد ہیں اور اس خاندان کو بلند درجہ حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے حاصل ہوا''

محترم!...... حضرت عیسیٰؑ حضرت عمران کے نواسے تھے مگر قرآن کریم نے انھیں 'آل عمران' کہہ کر واضح کردیا کہ ''نواسے'' آل میں شامل ہیں۔

محترم! میرا خیال ہے کہ اب آپ کے دل سے یہ کھٹک نکل گئی ہوگی کہ آل میں بیٹی کی اولاد کیسے داخل ہوسکتی ہے یا حضرت علیؑ کیسے آل میں داخل ہوگئے؟ بہر حال یہ اور سمجھ لیجئے کہ یہ کوئی عمومی مسئلہ نہیں ہے بلکہ ''اہلبیتؑ رسول'' کی بات ہے۔ اسلئے اس فہرست کا اہل بننے کے لئے اہلیت ہونے کی بھی شرط ہے۔ یعنی اس فہرست میں صرف وہی افراد آسکتے ہیں جو قرآن کی نظر میں معصوم ہوں، طیب وطاہر ہوں اور سچے ہوں۔ مگر جنکے دل میں کجی ہو، غاصب ہوں، رسولؐ کو تکلیف پہونچانے والے ہوں...... ایسے افراد کبھی اہلبیت رسولؐ میں داخل نہیں ہوسکتے۔ پسرِ نوح بیٹا ہوکر بھی ''اہلبیتِ نوحؑ'' میں داخل نہیں تھا، کیوں کہ اس کا عمل

''غیر صالح'' تھا۔ دوسری طرف فارس کا رہنے والا صحابی اپنے طیب و طاہر کردار کی بدولت آنحضرتؐ سے اتنا قریب ہوا کہ اسے ''سلمان منا اهل البیت'' کا خطاب مل گیا۔

ت: میں اپنے (شیعہ) دوست کے سامنے دو مرتبہ شکست خوردہ ہوا اور اسکے نتیجہ میں عبدالقادر جیلانی کے تقدس سے دست بردار ہو کر یہ تسلیم کیا کہ موسیٰ کاظمؑ ان سے بہتر ہیں اور پھر یہ قبول کیا کہ علیؑ اس بات کے اہل ہیں کہ انھیں علی علیہ السلام کہا جائے۔ لیکن اب مزید کوئی شکست نہیں کھانا چاہتا۔ میں ہی وہ ہوں کہ کچھ دنوں پہلے مصر میں عالم کی حیثیت سے تھا جہاں علماء ازہر میرا احترام کرتے تھے اور آج اپنے نفس کو شکست خوردہ اور مغلوب دیکھ رہا ہوں۔

ر: یہ صحافی بڑے نامعقول قسم کا انسان ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر قائل ہو جاتا ہے انسانوں کے یعنی عالموں کے خیالات کا بہت جلد اثر لیتا ہے مگر خود قرآن اور حدیث پڑھ کر آپ کسی نتیجہ پر نہیں پہونچتا ہے۔

د: محترم! حقیقت کا اعتراف ''نامعقولیت'' نہیں ہے۔ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ اور جناب عبدالقادر جیلانی کے مرتبہ شناسی کے لئے جو مستند باتیں ڈاکٹر تیجانی کے دوست یا بغداد یونیورسٹی کے پروفیسر نے پیش کیں ان سے کوئی پڑھا لکھا ہوا انسان کیسے انکار کرسکتا ہے۔ اسی طرح حضرت علیؑ کے نام کے ساتھ ''علیہ السلام'' کہنے کا مسئلہ بھی ہے۔ جب امام بخاری جیسے عظیم ترین عالم اہلسنت صحیح بخاری میں ''حضرت علی ابن الحسینؑ'' علیہما السلام لکھ رہے ہیں یعنی حضرت امام حسینؑ اور انکے فرزند علی (ملقب بہ امام زین العابدینؑ) کے نام کے ساتھ ''علیہما السلام'' لکھ رہے ہیں تو بخاری شریف پر ایمان لانے والے اہلسنت حضرات کیسے ''علی علیہ السلام'' پر معترض ہو سکتے ہیں؟ موجودہ دور کے سب سے بڑے سُنی عالم مولانا علی میاں ندوی نے بھی اپنی تحریر میں جا بجا حضرت علیؑ کے نام کے ساتھ

علیہ السلام لکھا ہے۔ اپنے شیعہ دوست کی حقیقت آمیز گفتگو سے متاثر ہو کر اگر ڈاکٹر تیجانی ''علی علیہ السلام'' کہنے کے قائل ہو جاتے ہیں تو اسمیں ''نامعقولیت'' کیا ہے؟ آپ اب اگر تمام حقائق کو پیشِ نظر رکھ کر غور فرمائینگے تو اسی نتیجہ پر پہونچیں گے کہ یہ صحافی (تیجانی) نامعقول قسم کا انسان نہیں ہے بلکہ بہت عقلمند اور عقبیٰ شناس انسان ہے جو حق ظاہر ہونے کے بعد اُسے تسلیم کر لینے میں کراہیت محسوس نہیں کرتا، بلکہ باطل سے منھ موڑ کر شکر خدا بجالاتا ہے۔

یہاں آپ سے اور تمام برادرانِ اہلسنت سے ایک سوال ہے کہ جب وہ یہ مانتے ہیں کہ ''علی علیہ السلام'' کہا جا سکتا ہے تو پھر کہتے کیوں نہیں؟ تمام اہلسنت حضرات ائمہ طاہرین کے نام کے ساتھ علیہ السلام'' لکھنے اور کہنے لگیں تو سنی شیعہ اتحاد کی ایک مضبوط کڑی بن جائے گی۔ اسی طرح حضورؐ کے نام والقاب کے ساتھ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کے بجائے ''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' لکھیں، پڑھیں اور کہیں تو آپسی اتحاد کا ایک بہت ہی خوشگوار ماحول پیدا ہو جائے۔ یہ کوئی الگ سے مطالبہ نہیں ہے بلکہ علماء اہلسنت جس کے قائل ہیں اسی کو عملی شکل دینے کی پیشکش ہے، جسکا دین اور دنیا دونوں جگہ فائدہ ہے۔

نجف اشرف (مدفن علیؑ)

ت: ایک رات میرے دوست نے خبر دی کہ میں کل انشاء اللہ نجف کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میں نے کہا یہ نجف کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ایک علمی شہر ہے جہاں امام علی ابن ابیطالبؑ کی قبر ہے۔ میں حیرت میں پڑ گیا کہ اسے امام علیؑ کی قبر کیوں کر معلوم ہو گئی جبکہ ہمارے شیوخ بتاتے ہیں کہ انکی کوئی مشہور قبر نہیں ہے پھر بھی ہم ان کے ساتھ ایک عمومی گاڑی میں سوار ہو کر پہلے کوفہ پہنچے کہ مسجد کوفہ کی زیارت کریں جو اسلام کے قدیم ترین باقی آثار میں سے ہے۔ وہاں میرے ساتھی نے

تاریخی مقامات دکھلائے اور مسلم ابن عقیلؑ اور ہانی ابن عروہؒ کا مزار دکھلایا اور مختصر لفظوں میں ان کی شہادت کی کیفیت بیان کی۔ اس کے بعد مجھے اس محراب میں لے گئے جہاں امام علیؑ کی شہادت ہوئی تھی۔ اسکے بعد ہم نے انکے اس گھر کی زیارت کی جس میں وہ اپنے دونوں فرزید سیدنا حسنؑ اور حسینؑ کے ساتھ رہتے تھے۔ اس گھر میں کنواں بھی ہے جس سے وہ حضرات پانی پیتے تھے۔ اور وضو کرتے تھے۔ میں نے اس گھر میں چند ایسے روحانی لمحات گذارے کہ دنیا اور مافیھا سے غافل ہو گیا، اور صرف امام کے زہد اور ان کی سادہ زندگی پر غور کرتا رہا جب وہ امیر المومنینؑ تھے اور چوتھے خلیفہ راشد بھی تھے۔

ر: اس صفحہ پر تاریخ جو بیان ہو رہی ہے وہ بہت پیچیدہ مسئلہ ہے۔ حضرت علیؑ کی شہادت کیوں ہوئی اور کیسے ہوئی؟ کیا حضرت علیؑ نے اپنی حیات کے آخری دنوں میں اپنی حکومت کا دار الخلافۃ دوبارہ مدینہ منتقل کیا تھا یا نہیں؟ منتقل ضرور کیا ہوگا ورنہ حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ اپنے خاندان کے ساتھ مدینہ میں کیوں رہ رہے تھے؟ انھیں تو اپنے والد کے ساتھ کوفہ میں بسنا چاہئے تھا۔ اگر تاریخ داں یہ بحث کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے قتل کے بعد انکی اولاد مدینہ واپس گئی تھی، تو کیوں گئی تھی؟ سارے کوفہ اور نجف والے تو انھیں کے حامی تھے۔ اولادِ علیؑ کی منتقلی (اور مدینہ میں) رہائش کا ثبوت یہ ہے کہ واقعہ کربلا خود یہ بیان کرتا ہے کہ امام حسینؑ مدینہ سے مع اہل وعیال کوفہ کے لئے روانہ ہوئے تھے۔

د: محترم! اگر دل صاف ہو اور حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے۔ تفصیلی تاریخ کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت عمر نے اپنی خلافت کے دور میں کچھ فوجی چھاؤنیاں قائم کی تھیں۔ انھیں میں کوفہ بھی ایک فوجی چھاؤنی تھا۔ حضرت علیؑ کی خلافت ظاہری مسلّم ہونے کے بعد چونکہ حضرت عائشہ نے بصرہ کو اور امیر معاویہ نے شام کو حضرت علیؑ کی مخالفت کے لئے اپنا مرکز قرار دیا

تھا، اسلئے حضرت علیؑ نے فوجی مصلحتوں کے پیش نظر کوفہ کو مرکزی حیثیت دی جہاں سے شام و بصرہ دونوں جگہوں پر نگاہ رکھی جا سکتی تھی۔ اسکے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ۲۵ سال دورِ خلافت کے درمیان مدینہ میں اپنا اثر و رسوخ بڑھا لینے والے سرمایہ داروں کے درمیان حضرت علیؑ کو تعلیمی اور تبلیغی مشن میں خاطر خواہ کامیابی نہیں حاصل ہو رہی تھی۔ اس لئے بھی آپ نے اپنا دار الخلافۃ مدینہ سے عراق (کوفہ) منتقل کر دیا، جہاں سے روم، ترکی، ایران، بصرہ، شام، فلسطین اور مصر کی سرحدیں ملتی تھیں۔ چنانچہ ان تمام علاقوں سے تشنگان علوم اپنی پیاس بجھانے کے لئے اسے تلاش کرتے ہوئے آئے جسکی آواز دور دور تک گونج رہی تھی "سلونی قبل ان تفقدونی" یعنی پوچھ لو پوچھ لو قبل اسکے کہ تم مجھے کھو دو...... غرض یہی اسباب تھے جن کے پیش نظر کوفہ حضرت علیؑ کا دار الخلافۃ ہو گیا اور آپ نے اپنے اہل خاندان کو بھی کوفہ بلا لیا۔ بہت ممکن ہے کہ یہ علیؑ کا ایک وقتی اقدام رہا ہو۔ کہ باغیان اسلام کی شورش ختم ہوتے ہی دار الخلافۃ اپنے مرکز یعنی مدینہ منتقل کر دیا جائیگا۔ لیکن خلافتِ ظاہری کی باگ ڈور سنبھالتے ہی "جنگ جمل" کا فتنہ کھڑا ہو گیا، جسمیں کم و بیش بیس ہزار کلمہ گویان اسلام کا خون بہا۔ شکست کے بعد ام المومنین عائشہ تو میدان جنگ سے واپس ہو گئیں لیکن مورچہ امیر معاویہ نے سنبھال لیا۔ اسکے نتیجہ میں صفین کی زبردست جنگ ہوئی جسمیں طرفین کے ستر ہزار مسلمانوں کا خون بہا۔ صفین کا معرکہ ابھی ٹھنڈا نہیں پڑا تھا کہ خارجیوں نے نہروان کا معرکہ چھیڑ دیا۔ امیر معاویہ صفین کی شکست بعد بھی سکون سے بیٹھنے والوں میں نہ تھے اور وہ اسے اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ حضرت علیؑ سے براہ راست جنگ کر کے بدر و اُحد کے بدلے کا خواب پورا نہیں ہو سکے گا۔ اسلئے محرابِ عبادت میں شہید کرنے کا منصوبہ بنا لیا اور اس کام کے لئے عبدالرحمٰن ابن ملجم کا انتخاب کیا۔ جسنے عین سجدہ کی حالت میں ۱۹ر ماہ رمضان

المبارک ۴۰ھ کو مسجد کوفہ میں جان لیوا ضربت لگائی۔ حضرت علیؑ دو شب دو روز بسترِ کرب پر تڑپتے رہے اور ۲۱ رمضان کی شب میں اپنے معبود حقیقی سے جا ملے۔ **انا لله وانا اليه راجعون** ☆ بی بی فاطمہ زہراؑ کی طرح حضرت علیؑ کی بھی وصیت تھی، جس پر عمل کرتے ہوئے حسنینؑ علیہما السلام نے رات کی تاریکی میں چند مخصوص اصحاب و اہل خاندان کی معیت میں جنازہ اٹھایا اور نجف اشرف میں (جو کہ اسوقت جنگل تھا) خاموشی سے دفن کر دیا۔ دشمن کے ہاتھوں قبر کی بے حرمتی نہ ہونے پائے، اس خیال کے پیش نظر جائے دفن کو مخفی رکھا گیا۔ (تفصیل کے لئے علامہ صالح کشفی ترمذی کی کتاب مناقب مرتضوی کا مطالعہ فرمائیں) دور بنی عباس میں جب حالات قدرے سازگار ہوئے اور نبش قبر کا اندیشہ جاتا رہا تو دھیرے دھیرے عوام کو بھی قبر مطہر کا پتہ معلوم ہو گیا۔ نجف اشرف کے بارے میں مذہب اہلسنت کے مشہور عالم اور سیاح ابن بطوطہ اندلسی اپنے سیاحت نامہ "رحلہ ابن بطوطہ" کے ص ۱۰۱ پر تحریر فرماتے ہیں "اس روضہ سے بہت معجزات ظہور میں آئے۔ جن کی بنا پر یہ بات پایۂ ثبوت تک پہونچ گئی کہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، کا مدفن یہیں ہے۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ ستائیسویں رجب کی رات کو (شب معراج پیغمبرؐ) جو ان کے درمیان "لیلۃ المحیاء" کے نام سے مشہور ہے دور دور سے زائرین یہاں آتے ہیں اور دس دن قیام کرتے ہیں عراق و عجم، خراسان و فارس و عجم سے مشلول اور اپاہج لوگ روضہ پر لائے جاتے ہیں۔ بعد نماز عشاء یہ لوگ ضریح اقدس کے پاس ڈالدئے جاتے ہیں، اور لوگ انتظار میں کھڑے رہتے ہیں کہ ان کو کب شفا ہوتی ہے۔ اس دورانِ وقت وہ لوگ نماز، تلاوت قرآن، ذکر خدا، اوراد دُعا اور زیارت حرم میں مشغول رہتے ہیں۔ نصف شب یا اس سے کچھ زیادہ حصہ گذرنے پر دفعۃً سب مریض صحیح و سالم کھڑے ہو جاتے ہیں۔...... اسوقت ان کی زبان پر یہ کلمہ ہوتا ہے۔ "لا الہ الا اللہ محمد

الرسول الله علی ولی الله"۔

محترم! اسلئے یہ بات تو طے شدہ ہے کہ حضرت علیؑ کی شہادت مسجد کوفہ میں ضربت سے ہوئی اور نجف اشرف میں آپ کی قبر مطہر ہے۔ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد عامۃ المسلمین نے حضرت امام حسنؑ کی بیعت کر کے انھیں ظاہری خلافت سونپ دی۔ دوسرا المیہ یہ ہے کہ جسے نبی اکرمؐ نے قرآن کی زبان میں اپنا بیٹا قرار دیا تھا انھیں امیر معاویہ اوران کے ہمنواؤں نے ایک لمحہ کے لئے بھی چین سے نہ رہنے دیا اور ہر چہار طرف شورش کا جال بچھا دیا۔ حضرت علیؑ کی شہادت کی خبر ملتے ہی امیر شام نے ضحاک ابن قیس کو سات ہزار کا لشکر دے کر عراق پر حملہ کرادیا، جا بجا جاسوس بٹھا دئے، رشوت کا بازار گرم کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت امام حسنؑ کی فوج میں بغاوت پھیل گئی۔ بعض خارجیوں نے آپ پر حملہ کر دیا۔ آپکی ران زخمی ہوگئی۔ علاج کے لئے مدائن لیجائے گئے۔ اس درمیان امیر شام کا پورے عراق پر تسلط ہوگیا۔ رشوت کی طاقت کی انتہا یہ ہے کہ عبیداللہ ابن عباس تک دس لاکھ درہم کی لالچ میں معاویہ کے طرفدار ہو گئے۔ تقریبا سبھی سردارانِ لشکر خفیہ ساز باز کر کے امیر شام کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں صلح کی پیشکش قبول کر لی اور ظاہری خلافت وحکومت سے دست بردار ہو کر امام حسنؑ اپنے اہل خاندان کے ساتھ مدینہ واپس آ گئے۔ یہاں بھی امیر شام نے انھیں چین سے نہ رہنے دیا۔ بالآخر جعدہ بنت اشعث کے ذریعہ زہر دلوا دیا جس سے ۴۷ سال کی عمر میں ۲۸ صفر ۵۰ ھ کو آپ کی شہادت واقع ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ڈاکٹر طہٰ حسین کی فتنۃ الکبریٰ ص ۵۰۰ تا ۵۱۰، تاریخ طبری وتاریخ ابن اثیر وغیرہ)

ت: (ایک شیعہ) بچہ نے مسکرا کر کہا معاف کیجئے گا مذہب جعفری خالص اسلام ہے۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ امام ابوحنیفہ امام جعفر صادق کے شاگرد تھے اور ابوحنیفہ

نے انھیں کے بارے میں یہ کہا تھا کہ اگر شاگردی کے دوسال نہ ہوتے تو میں ہلاک ہوجاتا۔ میں خاموش ہوگیا اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا اس لئے کہ اس نے ایک ایسا نام لیا جس کو میں نے آج سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔

ر: (ڈاکٹر تیجانی) اسلامی تاریخ سے بھی بے بہرہ ہیں!

د: محترم! برادران اہلسنت کی اکثریت کے نزدیک جب فرقۂ امامیہ کے بارہ ائمہ کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے، تو اس پر تعجب نہیں ہونا چاہئے کہ اسوقت تک محترم تیجانی صاحب کو امام جعفر صادقؑ کے بارے میں کوئی علم کیوں نہیں تھا۔ آپ اگر دس علماء اہلسنت سے معلوم کرینگے تو ۵۔۶ ایسے ملینگے جنھیں فرقہ امامیہ کے ائمہ طاہرینؑ کے بارے میں کچھ بھی معلومات نہ ہونگی۔ بہرحال ڈاکٹر تیجانی کے یہاں بھی بحثیت ایک سنی اسکالر، یہ ایک بڑی کمی تھی کہ وہ امام جعفر صادقؑ کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔

مذہب جعفری کی حقیقت

ت: اس نے (شیعہ طالب علم نے) کہا کہ مذاہب اربعہ میں سب نے ایک دوسرے سے علم لیا ہے احمد بن حنبلؒ نے شافعی سے، شافعیؒ نے مالک سے، مالک نے ابوحنیفہ سے اور ابوحنیفہ نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے لہٰذا یہ سب کے سب جعفر ابن محمدؑ کے شاگرد ہیں۔ انھوں نے سب سے پہلے اپنے جد کی مسجد میں درسگاہ قائم کی تھی جہاں چار ہزار سے زیادہ محدث اور فقیہ ان کی شاگردی کرتے تھے۔ میں اس بچہ کی ذہانت کو دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا جو تاریخی واقعات کو اس روانی سے بیان کررہا تھا۔ جیسے ہم لوگ قرآن کی سورہ حفظ کرتے ہیں۔ اور اس وقت میری مدہوشی میں اور اضافہ ہوگیا جب اس نے بعض تاریخی مصادر جلد اور باب کے حوالے کے ساتھ بیان کئے، اور سلسلۂ بیان کو یوں جاری رکھا جیسے کوئی استاد

اپنے شاگرد کو تعلیم دے رہا ہو مجھے اس کے سامنے اپنی کمزوری کا احساس پیدا ہوا تو میں نے آرزو کی کہ کاش میں اپنے ساتھی کے ساتھ نکل گیا ہوتا، اور ان بچوں کے درمیان نہ بیٹھا ہوتا، اب تو ان کے تاریخ وفقہ کے ہر سوال کے جواب سے میں عاجز تھا یہانتک کہ ایک بچہ نے پوچھ لیا کہ میں خود کس امام کا مقلد ہوں۔ تو میں نے کہا کہ امام مالکؒ کا، اس نے کہا کہ آپ اس مردہ امام کی کسطرح تقلید کرتے ہیں جس کے اور آپ کے درمیان چودہ صدیوں کا فاصلہ ہے۔ اگر آج آپ کوئی نیا مسئلہ دریافت کرنا چاہیں تو وہ آپ کو کس طرح بتائیں گے؟ میں نے تھوڑی دیر غور کیا اور کہا کہ آپ کے جعفر بھی مر چکے ہیں تو آپ کس کی تقلید کرتے ہیں؟ اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ یک زبان ہو کر فی الفور جواب دیا کہ ہم سید الخوئی کے مقلد ہیں۔ اور وہی ہمارے امام فقہ ہیں میں نہ سمجھ سکا کہ ان کی نظر میں خوئی اعلم ہیں یا جعفرِ صادق، تو میں نے چاہا کہ موضوع بدل دوں اسلیئے میں نے دوسرے سوالات شروع کر دیئے۔

ر: اس شخص نے اپنے ہی سوال کا مثبت جواب کیوں حاصل نہیں کیا؟ سنیوں کی ہر چیز میں فی نکالتے ہیں اور مطمئن جواب نہیں ملتا ہے، تو اُسے نادرست حساب کرتے ہیں۔ تو پھر یہاں پر یہ شخص کیوں خاموش ہے؟ مجھے یقین ہے کہ اسکی یہ کتاب پڑھنے والے ہر شخص کو بھی اس سوال کے جواب کا انتظار ہوگا۔

د: یقیناً جواب کا انتظار ہونا چاہئے۔ اور تحقیق کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جب تک اطمینان بخش جواب نہ حاصل ہو جائے اس وقت تک اس مسئلہ کو قبول نہ کیا جائے۔ لیجئے جواب اب حاضر خدمت ہے: مذہب شیعہ میں خاتم النبیینؐ کے بعد منصوص من اللہ بارہ امام ہیں، جنکے تفصیلی اسناد "ضمیمہ جستجو" میں پیش کئے گئے ہیں۔ مذہب شیعہ کو فرقہ امامیہ اور فرقہ جعفریہ بھی کہتے ہیں۔ دور بنی امیہ میں شیعانِ علی پر بے حد مصائب ڈھائے گئے (تفصیل کیلئے افتخار العلماء مولانا

سعادت حسین خاں طاب ثراہ کی کتاب ''مصائب الشیعہ'' آٹھ جلدوں میں پڑھی جاسکتی ہے۔) جب بنی امیہ زوال پذیر تھے اور بنی عباس کی ابتدا تھی، وہی زمانہ شیعوں کے چھٹے امام حضرت جعفر صادقؑ کا بھی تھا۔ بنی امیہ اور بنی عباس کے آپسی نزاع کیوجہ سے امام جعفر صادقؑ کو احیاءِ دین ونشر واشاعتِ مذہب حق کا موقع مل گیا۔ دور بنی امیہ میں اسلام کے حقیقی خدوخال پر وضعی احادیث اور فرضی احکام کا جو دبیز ملمع چڑھا دیا گیا تھا، آپؑ نے اسے صاف کیا اور حقیقی اسلام کی واضح شکل پیش کی۔ ابن حجر عسقلانی ''صواعق محرقہ'' میں لکھتے ہیں کہ ''امام عالیمقامؑ سے بہت سے لوگوں نے علوم وفنون حاصل کئے اور اسلامی دنیا میں آپ کی دھوم مچ گئی۔'' صاحبزادہ مستحسن فاروقی ''تاریخ الاولیاء'' میں رقمطراز ہیں کہ ''زہد وتقویٰ وتصوف میں درجہ کامل حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے محدث بھی تھے۔ اسلام کے عظیم المرتبت محدثین، فقہاء اور ائمہ حضرت یحییٰ بن سعید (یحییٰ القطاف)، شعبہ، سفیان ابن عینیہ، ابن جریح، ابوایوب سجستانی، سفیان ثوری، امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے آپ سے حدیث کا درس لیا ہے''۔ غرض یہ کہ امام جعفر صادقؑ نے مٹتی ہوئی شریعت محمدی کو پھر سے زندہ کیا۔ اسی لئے اسے مسلک جعفری کا نام دیا گیا...... اور مذہب شیعہ، مسلکِ جعفری کے نام سے مشہور ہوگیا۔ مذہب شیعہ میں آنحضرتؐ کے بعد نہ ہدایت کی ضرورت ختم ہوئی اور نہ ھدایت کا سلسلہ منقطع ہوا۔ اس حقیقت سے کوئی مسلمان انکار نہیں کرسکتا کہ زمانۂ پیغمبرؐ میں قرآن کی تنزیل مکمل ہوچکی تھی، دین پایۂ تکمیل کو پہونچ چکا تھا اور شریعت محمدیؐ اپنی مکمل شکل اختیار کرچکی تھی۔ نبوتؐ پیغامبری کے فریضہ سے توسبکدوش ہوگئی لیکن پیغام کی نشر واشاعت اور تحفظ کا کام بہر حال باقی تھا جسکا سلسلہ قیامت تک چلنے والا تھا۔ ہدایت، تحفظ شریعت اور نشر واشاعتِ دین اسلام کے لئے نبیؐ کی طرح معصوم ہادی کی ضرورت تھی، جسکی ذمہ داری پروردگار عالم پر

تھی۔ اسلئے نبیؐ رحمت کے بعد ائمہ ہدیٰ کا سلسلہ پروردگار عالم نے قائم کیا۔ براہ راست ہدایت کا یہ اہم سلسلہ ۲۷۵ھ تک یعنی ڈھائی سو سال سے زیادہ عرصہ تک چلتا رہا۔ اس درمیان ائمہ طاہرینؑ نے اپنے اپنے دور میں قرآن وسیرت واحادیث کو تحریری اور عملی جامہ عطا کر کے انکی خاطر خواہ تشریح کردی اور حکم خدا سے، حضرت عیسیٰؑ والیاسؑ وخضرؑ کی طرح سرکار دو عالمؐ کے آخری جانشین، امام مہدی علیہ السلام پردۂ غیب میں چلے گئے۔ اب آپؑ قریب قیامت ظہور فرمائینگے۔ آپؑ کی غیبت کے زمانے میں تمام فقہی مسائل کے لئے فقیہ یعنی مجتہد کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے جیسا کہ گیارہویں امام حضرت حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں "لوگوں کو چاہئے کہ فقہا یعنی احکام شریعت کو تحقیق کے ذریعہ تفصیل سے جاننے والے مجتہدین میں سے جو شخص اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتا ہو، اپنے دین کی حفاظت کرتا ہو اپنی نفسانی خواہشات کا غلام نہ ہو اور احکام الٰہی کی اطاعت کرتا ہو اس کی تقلید کریں" اسکے بعد امام فرماتے ہیں "یہ اوصاف واستعداد معدودے چند شیعہ فقہا میں ہوتی ہیں، سب میں نہیں" (احتجاج طبرسی جلد ۲ ص ۲۶۳)...... ولی عصر حضرت امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ، فرماتے ہیں "غیبت کبریٰ کے زمانے میں پیش آنے والے حالات کے سلسلے میں ہماری حدیثوں کو بیان کرنے والے راویوں کی طرف رجوع کرو۔ کیونکہ وہ ہماری طرف سے تم پر اسی طرح حجت ہیں جس طرح ہم اللہ کی طرف سے ان پر حجت ہیں" (توضیح المسائل سید علی سیستانی ص ۸)

محترم! آپ نے ملاحظہ فرمایا مذہب شیعہ میں خاتم النبیینؐ کے بعد بلا فصل بارہ اماموں کا سلسلہ ہے۔ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ انمیں سے کوئی اپنی طبعی موت سے نہیں مرا بلکہ گیارہ اماموں کی شہادت واقع ہوئی، وہ بھی غیر کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ مسلمانوں نے انھیں شہید کیا۔ بالآخر بمصلحت پروردگار امام مہدی عجل

اللہ پردہ غیب میں چلے گئے اور نشر واشاعت دین کی ذمہ داری فقہاؤ مجتہدین کے ذمہ سونپ دی۔ یہ مجتہدین علوم محمدؐ وآلِ محمدؑ کا سمندر ہوتے ہیں اور کردار وعمل کا ایک بہترین نمونہ ہوتے ہیں۔ کبھی موقع ملے تو نجف اشرف یا قم میں ان قدسی صفات علماؤ مجتہدین سے ملئے تو کچھ اندازہ ہوگا کہ ان میں کتنا وزن ہے۔ بہر حال یہ معصوم نہیں ہوتے اسلئے ان سے خطاؤ نسیان کا امکان ہے، اسکے لئے امام پردۂ غیب میں ہیں۔ جو براہ راست انکی ہدایت فرماتے ہیں۔ اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جو پیش آتے رہتے ہیں، ہمیں ان ''خلاف عادت واقعات'' پر اصرار نہیں ہے کہ آپ بھی یقین کریں اور ایمان لائیں۔ ضمناً تحریر کردیا ہے۔ آپکو ان حقیقتوں پر یقین اس وقت ہوگا جب آپ عصمت وامامت اور اختیار امامت کی حقیقت سمجھ لینگے۔ پردۂ غیب میں رہنے کے باوجود ہدایت کے فرائض انجام دینا بعید از امکان نہیں ہے۔ ثبوت کیلئے جناب خضرؑ اور جناب موسیٰ علیہما السلام کی ملاقات۔ جسے قرآن نے نقل کیا ہے کافی ہے۔ یہ نہ بھولئے کہ معصوم رہبر چاہے رسول ہو، یا امام وہ دنیا میں کسی غیر معصوم سے علم نہیں حاصل کرتا۔ اسکے پاس وہبی یعنی خدا داد علم ہوتا ہے۔ اسی لئے وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا عالم ہوتا ہے۔ اسے من جانب اللہ علم حاصل ہونے کی بناء پر تفقہ اور اجتہاد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کسبی علم حاصل کرنیوالا، غیر معصوم عالم، قرآن، سنت، احادیث رسولؐ، اقوال معصومینؑ۔ اجماع اور عقل کی بنیاد پر فروعی احکام ومعاملات میں اجتہاد کرتا ہے اور ایسے زبردست عالم کو مجتہد کہتے ہیں۔ یہی مجتہد جب مسائل کا حل تلاش کرکے اُسے فتویٰ کی شکل دیتا ہے تو مفتی کہا جاتا ہے۔ اور جب سازگار ماحول میں (مملکت اسلامی میں) وہ شرعی احکام کا نفاذ کراتا ہے تو اُسے ''ولی فقیہہ'' کہا جاتا ہے، جسکے احکام پر عمل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہوتا ہے۔

محترم! مذہب اہلسنت میں صرف چار امام کو اجتہاد کا حق حاصل تھا۔

انھیں کے فتاوے کی روشنی میں آج بھی فیصلے صادر ہوتے ہیں۔آج تیز رفتار دنیا میں نت نئے مسائل سامنے آتے ہیں مثلاً بینک کے احکام، لیٹر آف کریڈٹ، ہنڈی، داخلی اور خارجی ڈرافٹ، بل آف ایکسچینج (حوالہ)، بیمہ، پوسٹ مارٹم، ٹرانسپلانٹیشن، مصنوعی ذریعہ تولید، انٹارٹکا، چاند، مصنوعی سیاروں و دیگر سیاروں پر نماز و روزہ وغیرہ سے متعلق مسائل کا حل ائمہ اربعہ کی کتب میں نہیں ملیگا۔امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک ہی نشست میں اگر شوہر طلاق طلاق طلاق کہدے تو تین طلاق ہوجائیگی، اس مسئلہ سے علماء اہلسنت بڑی گھٹن محسوس کررہے ہیں اور اس کے بڑے خطرناک نتائج برابر سامنے آتے رہتے ہیں مثلاً (29-3-01) کے اخبار میں ہے کہ بنگلادیش میں ایک شخص نے غصہ میں اپنی بیوی کو ایک نشست میں تین بار طلاق کہ دیا۔پھر غصہ ٹھنڈا پڑنے پر بیوی کی طرف رجوع کرلیا اور مثل سابق زن وشوہر کی زندگی بسر کرنے لگا۔مسجد کے عالم دین کو خبر ہوئی تو انھوں نے اسے فعل حرام قرار دیا۔مولانا کا فتویٰ سن کر وہ شخص بھڑک گیا اور لکڑی چیرنے کی کلہاڑی لیکر سیدھے مسجد میں پہونچا اور مولانا کا سرتن سے جدا کردیا (ماخوذ از صحافت لکھنؤ مورخہ ۲۹ر مارچ ۲۰۰۱ء)......مگر اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کی وجہ سے مذہب اہل سنت میں نہ تو نئے مسائل کا کوئی شرعی حل ہے اور نہ قدیم مسائل میں وقت اور حالات کے تحت "بذریعہ اجتہاد" کسی قسم کی ترمیم کرنے کی کسی میں ہمت ہے مذہب شیعہ میں الحمدللہ ہر دور میں مجتہدین کی کثیر تعداد موجود رہی ہے۔ اور آج بھی موجود ہے۔اسلئے شیعہ قوم سرکار دو عالمؐ کے وصال کے بعد اور امام مہدیؑ کے پردہ غیبت میں جانے کے بعد بھی کبھی لاوارث نہیں ہوئی اور نہ قیامت تک ہوگی۔

اس سلسلہ میں علماء اہلسنت کے دو اقوال پیش ہیں جن سے ائمہ اربعہ کے تقلید کی حیثیت کھل جاتی ہے۔